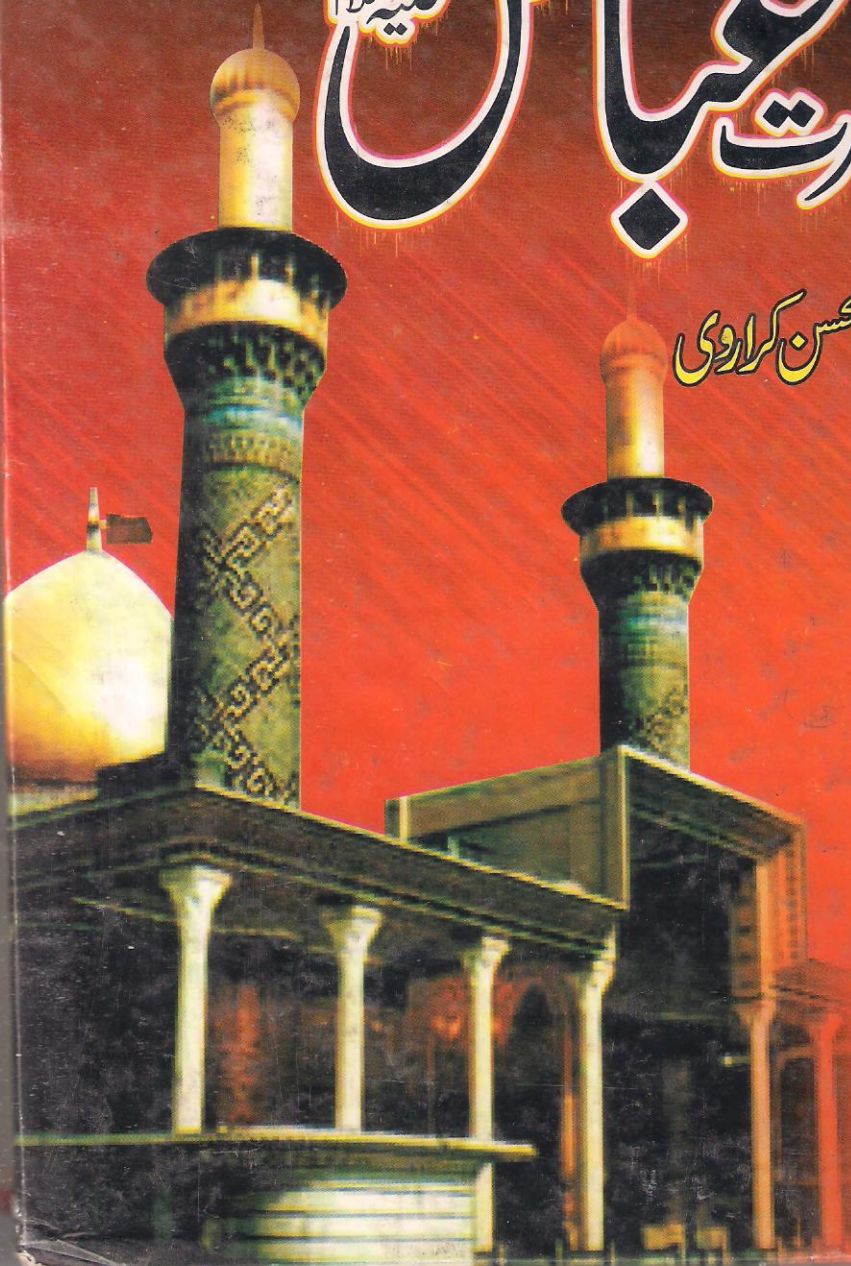


علمدار کربلا

# حضرت عباس علیہ السلام

سید نجم الحسن کراوی



یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶  
۹۲-۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

[www.sabeelesakina.page.tl](http://www.sabeelesakina.page.tl)

[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

Presented by [www.ziaaraat.com](http://www.ziaaraat.com)

[www.ziaaraat.com](http://www.ziaaraat.com)

NOT FOR COMMERCIAL

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

علمدار کربلا

حضرت عباس علیہ السلام

سید نجم الحسن کراروی  
حیدر آباد لکھنؤ

سید نجم الحسن کراروی

الحجاز پبلی کیشنز

27۔ ایف گلشن راوی لاہور 7460260



جملہ حقوق محفوظ ہیں

## ضابطہ

دسمبر ۲۰۰۰ء	:	ماہ و سال اشاعت
سرفراز احمد	:	ناشر
نکیل احمد	:	اہتمام
گنج شکر پریس لاہور	:	مطبع
۲۰۰/- روپے	:	قیمت

ISBN: 978-969-8208-86-8

## فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۹	دیباچہ.....
۱۱	حضرت امیر المومنینؑ کے دل میں بہادر فرزند کی تمنا.....
۱۱	حضرت علیؑ اور جناب عقیلؑ میں گفتگو.....
۱۲	جناب ام البنینؑ کا باپ کی طرف سے نسب نامہ.....
۱۳	جناب ام البنینؑ کا ماں کی طرف سے نسب نامہ.....
۱۳	جناب ام البنینؑ کی خواستگاری کے لئے حضرت عقیلؑ کا جانا.....
۱۴	جناب ام البنینؑ اور حزامؑ میں گفتگو.....
۱۴	جناب ام البنینؑ خانہ جناب امیرؑ میں.....
۱۶	جناب عباسؑ کی ولادت.....
۱۶	حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت.....
۱۷	۴، شعبان کو ارباب تحقیق نے مان لیا.....
۱۹	حضرت عباسؑ کی پیدائش پر حضرت علیؑ کا گریہ.....
۱۹	حضرت علیؑ کی پیشانی سجدہ خالق میں.....
۲۰	زبان امام حسینؑ ذہن عباسؑ میں.....
۲۰	حضرت عباسؑ کی پہلی نظر چہرہ امام حسینؑ پر.....
۲۱	حضرت عباسؑ مسجد میں.....
۲۲	حضرت عباسؑ کی رسم عقیقہ اور نام.....
۲۳	ذہن عباسؑ میں معرفت باری کی ایک عاقلانہ لہر.....
۲۵	حضرت عباسؑ کا بچپن اور حضرت سید الشہداءؑ کی خدمت.....
۲۶	حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی پیدائش.....
۲۷	حضرت عباسؑ کی ماں کا نام اور کنیت.....

۲۷	جنگ صفین اور حضرت عباسؓ
۲۸	جنگ صفین میں حضرت عباسؓ کی نبرد آزمائی
۴۲	جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے دوشیز
۴۳	حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت عباسؓ
۴۶	حضرت علیؓ کا دست امام حسنؓ میں علمدار کر بلا کا ہاتھ دینا
۴۹	شہادت حضرت علیؓ اور ام البنین
۵۰	حضرت علیؓ کی نسل اور عباسؓ
۵۱	حضرت عباسؓ کی شادی غامہ آبادی
۵۱	حضرت عباسؓ کی تعداد اولاد
۵۳	حضرت عباسؓ کی کنیت
۵۴	حضرت عباسؓ علم الرجال میں
۵۴	حضرت عباسؓ اور علم فقہ
۵۵	کیا حضرت عباسؓ میں امامت کی صلاحیت تھی
۵۶	حضرت امام حسنؓ اور حضرت عباسؓ
۵۹	حضرت عباسؓ اخلاق کی دنیا میں
۵۹	حضرت عباسؓ کی بصیرت
۶۳	حضرت عباسؓ نفیس مشعلہ کے مالک تھے
۶۴	حضرت عباسؓ کا قمر بنی ہاشم ہونا
۶۵	حضرت عباسؓ اور شجاعت
۷۱	حضرت عباسؓ اور عہدہ علمبرداری
۸۷	حضرت عباسؓ اپنی نظیر آپ ہی تھے
۹۱	حضرت عباسؓ غلام کے لباس میں
۹۳	حضرت عباسؓ علم کے میدان میں
۸۴	حضرت عباسؓ آئمہ طاہرین کی نظر میں
۱۰۲	مجاہدین اسلام میں حضرت عباسؓ کی حیثیت

۱۱۲	معمر کہ بلا کا تاریخی پس منظر.....
۱۲۰	تاجداران اسلام کی مدینے سے مکہ معظمہ کو روانگی.....
۱۳۲	مکہ معظمہ میں رسیدگی.....
۱۳۹	کوفہ.....
۱۵۱	سرفردشان اسلام کا زمین کر بلا پر ورود.....
۱۶۰	حضرت امام حسینؑ کے نام ابن زیاد کا پیغام.....
۱۶۴	عمر ابن سعد کا کر بلا پہنچنا.....
۱۷۰	ساقی کوثر کے پیاروں پر نہر آب فرات کی بندش.....
۱۷۲	شب ہشتم حضرت عباسؑ کی سقائی.....
۱۷۶	خیموں کے گرد خندق.....
۱۷۹	حضرت عباسؑ اور ان کے اہلیت کا کنواں کھودنا.....
۱۸۰	حضرت امام حسینؑ اور عمر ابن سعد میں آخری گفتگو.....
۱۸۲	ماہ محرم کی نویں تاریخ حضرت عباسؑ اور اصحاب کا کنواں کھودنا.....
۱۸۶	حضرت عباسؑ کے لئے امن نامے کی حصولی.....
۱۸۹	حضرت عباسؑ کی خدمت میں امان نامہ.....
۱۹۰	حضرت عباسؑ کا شمر کو منہ توڑ جواب.....
۱۹۱	حضرت عباسؑ اور شمر کمین میں باہم قرابتداری کا انکشاف.....
۱۹۲	کیا شمر حضرت عباسؑ کا حقیقی ماموں تھا.....
۱۹۶	یزیدی رو باہوں کا جنگ کی پہل.....
۱۹۸	حضرت امام حسینؑ کا ایک شب کے لئے لڑائی روک دینا.....
۲۰۳	شب عاشورہ.....
۲۰۷	حضرت عباسؑ اور انصار کو خندق کھودنے کا حکم.....
۲۰۸	حضرت عباسؑ کا پانی کے لئے جانا.....
۲۱۰	حضرت امام حسینؑ نے جنت دکھادی.....
۲۱۱	نایابی آب سے اضطراب.....



۲۱۳	شب عاشور بریری کی مدد
۲۱۶	عباسؑ کی شہادت
۲۱۷	حضرت امام حسینؑ کا ہدایات کے لئے آنا
۲۱۸	حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ اور حضرت قاسمؑ کی گفتگو
۲۲۰	شب عاشور حضرت عباسؑ کی چہار گانہ عبادت
۲۲۱	حضرت زینبؑ جناب عباسؑ کے خیمے میں
۲۲۲	خیمہ گاہ حسینی میں عورتوں کا انداز عبادت
۲۲۳	مجاہدین کربلا کی آخری سحر
۲۲۶	صبح عاشور
۲۲۹	انتخاب علمداری کے بعد
۲۳۱	اشکر علیہ السلام کی حرکت
۲۳۲	خیمہ میں کھرام
۲۳۹	جناب خُر کی آمد
۲۳۹	وہب بکلی اور حضرت عباسؑ
۲۴۰	حضرت عباسؑ کا عمر بن خالد کی کمک کرنا
۲۴۱	عاشور کی دو پہر دشمنوں کا ارادہ کہ خیموں میں آگ دے دیں
۲۴۳	عبداللہ ابن مسلم کی شہادت
۲۴۵	عون و محمد اور حضرت عباسؑ
۲۴۹	حضرت عباسؑ کا اپنے بھائیوں کو فہمائش کرنا
۲۵۱	حضرت عباسؑ کے حقیقی بھائی
۲۶۰	فرزندان حضرت عباسؑ کی جانبازی
۲۶۳	ارزق شامی کا حضرت عباسؑ کے متعلق سوال
۲۶۴	حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ میں سبقت شہادت کے لئے گفتگو
۲۶۵	حضرت عباسؑ کی جانبازی اور شہادت
۲۶۹	حضرت عباسؑ کی مارو سے جنگ

۲۷۶	..... حضرت عباسؓ کی آخری رخصت
۲۷۹	..... پانی کے لئے حضرت عباسؓ کی دعا
۲۸۰	..... حضرت عباسؓ کو اذن جہاد کیوں نہ دیا گیا
۲۸۰	..... رخصت آخری کے بعد
۲۸۱	..... حضرت عباسؓ فرات کی پہاڑی پر
۲۸۳	..... تین روز کا پیاسا نہر فرات میں
۲۸۳	..... نہر فرات میں عباسؓ کی حالت
۲۸۵	..... حضرت عباسؓ نے مشک سیکڑ بھر لی
۲۸۵	..... حضرت عباسؓ کی خیمے کی طرف رواگی
۲۸۶	..... حضرت عباسؓ کا پہاڑی سے اتر کر خیمہ کی طرف بڑھنا
۲۸۷	..... حضرت عباسؓ کے بدن پر تیروں کی کثرت
۲۸۸	..... آپؓ کا گھوڑے سے حق طبع
۲۸۹	..... داہنا ہاتھ کٹ گیا
۲۸۹	..... بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا
۲۹۰	..... دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد
۲۹۱	..... مشک سیکڑ پر تیر ستم
۲۹۲	..... سینہ عباسؓ پر سوافار غم
۲۹۲	..... حضرت عباسؓ کے سر مطہر پر گرزا آہنی
۲۹۳	..... آپؓ کا دماغ کندھوں پر
۲۹۳	..... حضرت عباسؓ کا امام حسینؓ کو پکارنا
۲۹۴	..... گھوڑے سے گرنے کے بعد
۲۹۴	..... امام حسینؓ کی کمر ٹوٹ گئی
۲۹۵	..... حضرت عباسؓ کی آواز پر امام کا جانا
۲۹۶	..... حضرت عباسؓ کی وصیت
۲۹۷	..... حضرت امام حسینؓ کا فریاد کرنا

- ۳۰۰ ..... جناب سکینہ کا سوال
- ۳۰۰ ..... خبر شہادت سے خیمے میں کہرام
- ۳۰۱ ..... حضرت عباسؓ کی عمر
- ۳۰۲ ..... حضرت عباسؓ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد
- ۳۰۲ ..... امام معصوم کا حضرت عباسؓ پر سلام
- ۳۰۳ ..... حضرت عباسؓ کا خوں بہا لینے کی تاکید
- ۳۰۳ ..... حضرت عباسؓ کی شہادت کے بعد امام حسینؓ کا چہرہ اتر گیا
- ۳۰۴ ..... حضرت عباسؓ کے بارے میں امام زین العابدینؓ کا سوال
- ۳۰۶ ..... نقش عباسؓ پر خط صغریٰ
- ۳۰۸ ..... حضرت امام حسینؓ کا گھوڑے سے گر کر عباسؓ کو پکارنا
- ۳۰۹ ..... بیبیوں کا حضرت عباسؓ کو پکارنا
- ۳۱۰ ..... محذرات عصمت کی روانگی
- ۳۱۱ ..... حضرت عباسؓ کا سر گھوڑے کی گردن میں
- ۳۱۲ ..... حضرت عباسؓ کی تدفین
- ۳۱۳ ..... محذرات عصمت کو فے سے شام کی طرف
- ۳۱۴ ..... جناب عباسؓ کے گھوڑے کی وفاداری
- ۳۱۴ ..... دمشق میں ماتم
- ۳۱۵ ..... حسینی قافلہ کی کربلا کو روانگی
- ۳۱۶ ..... محذرات عصمت کا دینے میں ورود
- ۳۱۸ ..... ام البنین کی فریاد
- ۳۲۱ ..... حضرت عباسؓ کا مدفن
- ۳۲۵ ..... حضرت عباسؓ کی میراث اور نسل
- ۳۲۷ ..... خاتمہ



## دیباچہ

مجھے تو تاریخ کے اوراق میں ایک ایسی ہستی نظر آ رہی ہے جس کی ولادت کی تمنا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کر رہے ہیں۔ جس کی شجاعت کی بشارت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دے رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ اپنا فرزند فرما رہی ہیں۔ جس کو امام حسنؑ اپنا مددگار بتا رہے ہیں اور امام حسینؑ ”نفسی انت“ فرما رہے ہیں اور جس کے بلند مدارج کی شہادت امام زین العابدینؑ دے رہے ہیں اور جسے امام جعفر صادقؑ نافذ البصیرت اور عبد صالح فرما رہے ہیں۔ اور جس پر امام آخر الزمان علیہ السلام، سلام بھیج رہے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت عباس علیہ السلام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمناؤں سے پیدا ہوئے اور وحدانیت کا کمال کسی میں اقرار کیا۔ آپ کا بچپن معصومین کی آغوش میں گزرا۔ جوانی اسلام اور دُمداراں اسلام کی امداد میں گزری، شہادت راہ خدا میں واقع ہوئی۔

عباس سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے اہل حرم کی حافظ جنگل میں بے کسی تھی اسلام اور امام حسین کی حمایت میں شہادت نصیب ہوئی۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے یوم شہادت تک جو اسلامی خدمات کئے ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات میں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ کسے خبر نہیں کہ معرکہ صفین کے سر کرنے میں آپ نے سروتن کی بازی لگا دی تھی، ولید بن عقبہ والی مدینہ منورہ کے دربار میں آپ کا دلیرانہ عمل اور کردار ناقابل فراموش ہے، مدینہ منورہ سے روانگی۔ مکہ معظمہ میں قیام۔ کربلا میں ورود۔ نصب خیم کا واقعہ طلب آب اور ستاقی غرضیکہ اس عظیم سفر میں تادم آخر آپ نے وہ شاندار کردار پیش فرمایا ہے۔ جو تاریخ کربلا میں نمایاں جگہ کا مالک ہے۔



## میرا نظریہ

تالیف کتاب کے سلسلہ میں میں اپنا نظریہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو واقعات معلوم الکذب نہ ہوں اور جن واقعات سے ممدوح یا مخاطب کی شان نہ گھٹتی ہو انھیں حوالہ کتب سے پڑھا اور لکھا جاسکتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت علامہ سید حسین صاحب قبلہ علیہ السلام مکان تحریر فرماتے ہیں کہ بیان واقعہ میں ”اثارۃ الحزان علی القتل العطفان اسناد موثقہ کی پابندی نہیں ہے و لیس الامر منحصر فی الاحادیث المریدۃ عن اهل العصیۃ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ میں جو احادیث آئمہ معصومین سے مروی ہوں بس انھیں پر اعتماد کیا جائے اور مورخین کے قول کو نظر انداز کر دیا جائے۔ فالامر موسخ فی الروایات کمافی سائر المحدثات و بات بس سمجھنا چاہیے کہ بیان روایات میں سائر مندوبات کی طرح آزادی ہے یہی وجہ ہے جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ جیسی شخصیت نے نکلی۔ بدائی۔ اربلی۔ اور ابو مخنف وغیرہم کے بیانات سے تمسک فرمایا ہے۔ (مجالس مصعبہ ص ۴۳ طبع لکھنؤ)

## اس اڈیشن کی خصوصیات

اس ایڈیشن میں جن بیروں پر خصوصی تبصرہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں (۱) حضرت عباسؓ کی تاریخ ولادت (۲) آپؓ کی تعداد اولاد (۳) آپؓ کے جنگ صفین میں کارنامہ اور تبدیلی لباس کی بحث (۴) علمداری کی تاریخ (۵) آپؓ کی عصمت کی بحث (۶) آپؓ کا وقار آئمہ طاہرین کی نظر میں (۷) واقعہ کربلا کا پس منظر (۸) مدینہ منورہ سے روانگی کے وجوہ و اسباب (۹) تاریخ کوفہ اور کوفہ میں خفیہ سازش (۱۰) کوفہ ۶۱ھ میں شیعان علی سے تقریباً خالی تھا (۱۱) ایام عشرہ کی ہر تاریخ کا علیحدہ بیان (۱۲) حضرت عباسؓ کے کنواں کھودنے کا شمار (۱۳) حضرت عباسؓ سے شمر کے رشتہ کی حقیقت (۱۴) ایک شب کی مہلت طلبی کے وجوہ اور جمہور مورخین کی رائے سے اختلاف (۱۵) مارواہیں صدیف سے حضرت عباسؓ کی جنگ (۱۶) مورخ طبری کی تنگ غری پر تبصرہ (۱۷) حضرت عباسؓ کی تدفین (۱۸) حضرت عباسؓ کا مدفن اور تاریخ کربلا (۱۹) حضرت عباسؓ کی عمر شریف (۲۰) حضرت عباسؓ کی نذر۔ حاضری پلاور سیل کی وجہ۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی دل کی گہرائی میں ایک بہادر فرزند کی تمنا

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے جانتے ہیں کہ حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا اور تمنا سے حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ قرآن مجید سورہ مریم و انفس المہم ص ۲۳ طبع نجف اشرف اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی دعا اور تمنا سے حضرت علی علیہ السلام متولد ہوئے۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۲۲ طبع بمبئی) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی دعا اور تمنا سے علمدار کر بلا حضرت عباس پیدا ہوئے ہیں۔

### حضرت علیؑ اور جناب عقیلؑ میں گفتگو:

یہ ظاہر ہے کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام پر حتمی واقع ہونے والے حادثہ کر بلا سے حضرت علی علیہ السلام بخوبی واقف تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس نازک دور میں میرا وجود نہ رہے گا۔ کہ میں اپنے نور نظر کی امداد کر سکوں۔ آپ کو اس موقع پر نہ ہونے کا افسوس اور اپنے فرزند کی مصیبت میں ظاہراً بھی شریک نہ ہونے کا رنج تھا۔ متفکر تھے ہی کہ دل کی گہرائی میں جوش تمنا پیدا ہوا منہ سے نکلا۔ اے کاش! میری کوئی ایسی اولاد ہوتی جو حسین کے آڑے وقت میں کام آتی۔

دل میں تمنا کا پیدا ہونا تھا کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عقیل کو طلب فرمایا۔ اور ان سے کہا کہ اے بھائی مجھے واقعہ کر بلا کی تفصیلات معلوم ہیں۔ میرا دل بے چین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ!

انظر الى امرأة قد ولدتها الفحولة من  
العرب لا تزوجها فتلدلى غلاماً  
فارسا يكون عوناً لولدى الحسين في  
كربلا. تفتيح الفال ما مقاني باب  
العباس ص ۱۲۸ طبع ايران واسرار  
الشهادة ۳۱۹ طبع ايران ۱۳۷۹ هـ و  
شرح شافيه لابی نو اس و عمدة  
الطالب ص ۳۵۲. ومعه ساکبه  
ص ۳۳۷ و ناسخ ج ۳. ص ۷۰۳

حضرت عقیل جو انساب عرب سے واقف تھے حضرت علی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے۔ بام البنین ابکلابیہ اے علی آپ ام البنین کلابیہ کے ساتھ عقد کریں۔ لیس فی العرب اشجع من آباء ها ولا افرس. اس لئے کہ اس کے آباؤ اجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی نہیں۔ لقد کان لبید یقول فیہم. سنئے لبید شاعر نے ان کے خاندان کی کسی بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ع "نحن خیر عامر بن صعصعه" ہم ہی خاندان عامر بن صعصعه میں بڑی عزت و منزلت کے مالک ہیں۔ جس سے کوئی عرب کا باشندہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اے بھائی علی! سنو! من قومها ملاعب الاسنة ابوبراء" ام البنین ہی کے خاندان سے ابوالبراء بھی تھے جن کو ملاعب الاستہ یعنی نیزوں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا۔ الذی لم یعرف فی العرب مثله فی الشجاعة" جس سے بواشجاع سرزمین عرب نے آج تک پیدا نہیں کیا۔ (نتیجہ المقال ص ۱۲۸ طبع ایران)

### جناب ام البنین کا باپ کی طرف سے نسب نامہ:

مورخین کا بیان ہے کہ ام البنین یعنی فاطمہ کلابیہ کا نسب یوں ہے فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ بن لوی بن غالب بن کعب ابن عامر بن کلاب بن ربیعہ ابن عامر بن صعصعه بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ (تختہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۷۸، مقتل عوالم ص ۹۳، تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸، عمدة الطالب ص ۳۳۲، البصار العین ص ۲۶، مطالب السؤل ص ۲۱۵۔ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۵۰۶، مجمع المقال طبع ایران ۱۳۶۷۔)

## جناب ام البنین کا ماں کی طرف سے نسب نامہ:

لسان الملک کہتے ہیں کہ ام البنین کی ماں ”طلیہ بنت شہید ابن ابی بن عامر بن ملاعب الاسد بن مالک بن جعفر ابن کلاب تھیں۔ اور طلیہ کی ماں ”ثمائمہ“ بنت سمیل بن عامر بن مالک ابن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور ”ثمائمہ“ کی ماں عمرہ بنت طفیل (فارس قرزل) ابن مالک الاحزم بن جعفر ابن کلاب (ریس الہوازن) تھیں۔ اور عمرہ کی ماں ”کبشہ“ بنت عروہ الرجال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب تھیں اور کبشہ کی ماں ”ام الخثعم“ کی ماں ”فاطمہ“ بنت جعفر بن کلاب تھیں۔ اور فاطمہ کی ماں ”عاتکہ“ بنت عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب تھیں۔ اور ”عاتکہ“ کی ماں آمنہ بنت وہب بن عمر بن نصر بن حنین بن حارث بن ثعلبہ بن داؤد بن اسد بن خزیمہ تھیں اور آمنہ کی ماں دختر مجد بن صحیہ الاغر بن اقیس بن ثعلبہ بن عکاشہ بن حصعہ بن علی بن کبر بن وائل بن ربیعہ بن ثرا تھیں۔ اور ان کی والدہ دختر مالک بن قیس بن غنیہ تھیں۔ اور ان کی ماں دختر والرا سین۔ نشین بن ابی ابن عصم ابن شح بن فزارہ تھیں اور ان کی ماں دختر عمر بن صرمہ بن عوف بن سعد بن دنیا بن بغیض ”جو کف فداک“ الریب بن غطفان تھیں۔ (تاریخ التواریخ ج ۳ ص ۳۰۳ طبع ایران)

علامہ کتوری لکھتے ہیں۔ ”فہمی کسبۃ الاصل طیبۃ الولادة۔ جناب ام البنین شریف خانوادہ اور پاکیزہ بے داغ تھیں۔ ان کا نسب نہایت ہی عمدہ تھا۔ (ماہنامہ ص ۴۴۰)

## جناب ام البنین کی خواستگاری کے لئے حضرت عقیل کا جانا:

حضرت عقیل نے حضرت علی علیہ السلام سے جناب ام البنین کی کمال مدح و ثنا کرنے کے بعد کہا۔ ”اگر اجازت فرمائی دے راخواستگاری کنم“ اگر اجازت دیں تو میں خواستگاری کے لئے جاؤں۔ ”عقیل را وکیل نمود“ حضرت علی نے حضرت عقیل کو وکیل بنا کر کثیر مہر دے کر قبیلہ کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عقیل خانہ حزام میں جا پہنچے۔ آپ کو صدر مجلس میں جگہ دی گئی۔ ادائے مراسم کے بعد از حزام ام البنین راخواستگار شد جناب ام البنین کے والد سے ام البنین کی خواستگاری کے لئے سلسلہ جنابی شروع کی۔ حزام نے پوچھا۔ میری نخت جگر کس کے لئے چاہتے ہو۔ فرمایا۔

”از جهت خورشید سپہر امامت جہشید سریہ کرامت وقف معارف لاہوت عارف مدارج ناسوت ناشر ناموس ہدایتہ۔ کاسرنا قوس نوایۃ خطیب منبر سلونی وارث رتبہ حارونی نور جمال ازلی شعاع بے مثال لم یزلی“ حضرت علی ولی علیہ السلام برادر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صربت معاویہ (فارس قبیلہ ہوازن بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن حصعہ صہل اور ام الخثعم۔)



یعنی میں تاجدار مملکت کمالات حضرت علی برادر پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے خواستگاری کی خاطر آیا ہوں یہ سن کر حزام فرط مسرت سے بے خود ہو گئے۔ اور فوراً یہ کہتے ہوئے داخل خانہ ہوئے کہ میں ابھی ابھی عرض کرتا ہوں۔

جناب ام البنین اور حزام میں گفتگو:

آپ نے گھر میں جا کر جناب ام البنین سے کہا کہ عقیل بن ابیطالب آئے ہیں اور علی بن ابی طالب تیرے خواستگار ہیں۔ بیٹی! تیری کیا رائے ہے۔ ام البنین نے جب یہ سنا ”ور پیرھن نہ گنجد“ بے بے انتہا خوش ہوئیں اور کہا۔ ”اختیار در دست پدر است“ بابا جان آپ کو اختیار ہے۔ البتہ اتنا عرض کئے دیتی ہوں کہ میرے دل میں پہلے سے یہ تمنا تھی کہ میرا شوہر بے مثل و بے نظیر اور یکتا و بے ہمتا ہو خوش نصیب کہ ولی مراد بر آنے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ میں بالکل راضی ہوں۔ اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حزام گھر سے باہر آئے۔ حضرت عقیل نے پوچھا۔ ”حزام کیا کہتے ہو۔“ عرض کی ”جو کٹ فداک“ میں آپ کے قربان۔ کہنا کیا ہے علی سے رشتہ قائم کرنے میں سعادت ہے۔ اس سلسلہ سے علی کو فروغ نہ ہوگا۔ بلکہ شرف و افتخار ماباشد“ میری خوش قسمتی کا باعث ہے عقیل! جب دن تاریخ درست سمجھو میری نور نظر نخت جگر کو حضرت علی کی خدمت گزاری کے لئے لے جاؤ۔ جناب عقیل نے واپس آ کر صورت حاصل حضرت علی کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ فتزو جہا امیر المؤمنین اور ام البنین کے ساتھ عقد کر لیا۔ پھر چند عورتوں کو خانہ حزام میں بھیجا۔ کہ وہاں سے ام البنین کو لے آئیں۔

جناب ام البنین خانہ امیر المؤمنین میں:

عورتیں گئیں۔ اور جناب ام البنین کو آراستہ و پیراستہ کر کے لے آئیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔

ام البنین فرماتی ہیں کہ میں ساری دنیا کی عورتوں پر اس بارے میں فخر کیا کرتی تھی۔ کہ رع ”کنیز حضرت ہر اور زوجہ شاہم“ میں فاطمہ زہرا کی کنیز اور شاہ کی زوجہ ہوں۔

عالہ فتزدینی رقمطراز ہیں:

چوں قدم ہاستانہ حضرت نہاد آں عتبہ عالیہ کہ حضرت ام البنین نے حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی کو بوسہ دیا

را بوسید وارو جملہ شد اول حسنین اکہ بیمار

بودند نشانید۔ بدور ہر کدام سہ مرتبہ گردید۔  
 بعد صورتہا ایشان را بوسید۔ بوسید گریید۔  
 عرض کرد۔ آقا یان من و آقا زادگان من  
 مرا کنیزی خود قبول دارید۔ تصدق شما  
 شوم۔ من آمده ام خدمتگار شما باشم۔ رخت و  
 لباس شما بشویم دوست لبیدہ مشغول خدمت  
 شما باشم مرا سخا و می قبول کنید۔ (ریاض  
 القدس ج ۲ ص ۶۶ طبع ایران ۱۳۴۲)

اور داخل حجرہ ہو کر سب سے پہلے حضرت ام  
 حسن و حسین کو جو بیمار تھے اٹھا کر بٹھایا۔ اور  
 دونوں کے گرد تین دفعہ قربان ہوئیں۔ پھر  
 منہ چوما (رفیق سو گھیں) اور رو کر عرض کی۔  
 اے میرے آقا اور میرے آقا زادو۔ مجھے اپنی  
 کنیزی میں قبول کرو۔ میں تم پر شمار۔ میں تمہاری  
 خدمت کے لئے آئی ہوں۔ تمہارے کپڑے  
 دھوؤں گی اور بدل و جان تمہاری خدمت کروں  
 گی۔ تم مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کرو۔

ناظرین کرام! جناب ام المہین کے اس طرز عمل سے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ روح  
 فاطمہؑ ہر ابھی مسرور ہو گئی اس لئے کہ ان کی دلی تمنا یہی تھی کہ میرے بعد حضرت علیؑ علیہ السلام جو  
 عورت بھی لائیں وہ میرے بچوں کی نگہداشت کرنے والی ہوں۔

بعض تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے حضرت فاطمہؑ ہر کے بعد جناب ام المہین ہی کے ساتھ عقد کیا تھا  
 چنانچہ علامہ علی بن عیسیٰ اپنی کتاب اکسیر الخوارج المعروف بہ سیر لائم ترجمہ کتاب کشف الغمہ طبع ۸۵۱ھ کے ص ۶۲ پر  
 لکھتے ہیں۔ زنان آنحضرت بودہ اند۔ اول فاطمہ ہر علیہا السلام بودہا آن معصومہ زندہ بود زن دیگر خواست۔ بعد از وفات  
 آن حضرت ام المہین دختر حزام بن خالد از بنی کلب خواست۔ (ترجمہ) حضرت علیؑ کی نو بیویاں تھیں۔ سب سے پہلی حضرت  
 فاطمہ ہر تھیں۔ سیدہ عالیان کی زندگی میں آپ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد جناب ام المہین بنت  
 حزام سے عقد فرمایا۔ اربع مورخ اسلام مسند ذاکر حسین صاحب نے بھی اپنی تاریخ اسلام کی جلد ۳ کے ص ۲۳۹ پر امیر المومنین  
 کی بیویوں اور کنیزوں کی جو فہرست تیار کی ہے اس میں بھی حضرت ام المہین کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔ لیکن علامہ محمد باقر بن  
 محمد حسن خراسانی قاضی اس کے مخالف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ”وہ بعضے کتب معتبرہ آورده اند کہ ام المہین اول زنے بود کہ بعد از  
 وفات حضرت صدیقہ امیر المومنین بعد خود آورده۔ و آن را تذکرۃ الخواتین نیز حکایت کرده بعید است یا وصیت فاطمہ  
 بترویج (امامہ بنت زینب) (ترجمہ) بعض معتبر کتابوں میں یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے وفات سیدہ کے بعد سب سے پہلے  
 جناب ام المہین کے ساتھ عقد کیا ہے۔ تذکرۃ الخواتین میں بھی تحریر ہے۔ لیکن وصیت حضرت فاطمہؑ کو دیکھتے ہوئے یہ صحیح نہیں  
 معلوم ہوتا۔ یعنی آپ نے مرنے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد امامہ بنت زینب کے ساتھ عقد کریں۔

کبریٰ ابن ابرہن ص ۱۳۔ طبع ایران ۱۳۴۲ھ علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ  
 کے بعد جناب امامہ بنت زینب ہی کے ساتھ عقد کیا۔ (اصول کافی برعاشیہ مراۃ العقول۔ ج ۳ ص ۵۲۲)

## حضرت عباس علیہ السلام کی ولادت

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت ام البنین خاند امیر المومنین میں مقیم رہیں اور یصد مستعدی ہر خدمت کو فرض عین سمجھتی رہیں۔ امیر المومنین کی دعا اور تمنا بے اثر نہ ہو سکتی تھی۔ لہذا وہ وقت آیا کہ عمل کا اظہار ہوا۔ تقریباً ایک سال کی مدت گزرتے ہی ایک چاند سا بچہ آغوش مادر میں آ گیا۔ صدائق الانس ج ۲ ص ۶۷ طبع ایران۔ علامہ مامقانی رقمطراز ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے یہاں آنے کے بعد حضرت ام البنین کی گودی بھر گئی۔ واول ما ولدت العباس اور سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت علی کی تمناؤں کا مجموعہ تھا جس کا نام عباس بن علی رکھا گیا۔ تنقیح المقال ص ۱۲۸ باب العباس من ابواب العین طبع ایران۔

### حضرت عباس کی تاریخ ولادت:

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کا ۲۶ھ میں پیدا ہونا متفق علیہ ہے کسی معتبر مورخ نے سن ولادت میں اختلاف نہیں کیا۔ سب یک زبان کہتے ہیں۔ ولد ستہ سنت و عشرين من الهجرة۔ آپ ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ البصار الحین ص ۲۵ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ تنقیح المقال ص ۱۳۸ طبع ایران لیکن تاریخ ولادت میں سخت اختلاف ہے (۱) (۲) جناب مولوی سید محمد ضامن صاحب (کراری ضلع الہ آباد) نے اپنے رسالہ جواہر زواہر قلمی کے ص ۱۰۹ ۱۱۰ پر آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاول ص ۱۱۱ پر بقولے ۱۸ رجب المرجب تحریر فرمائی ہے (۳) جناب مولانا سید اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی اپنی کتاب جواہر البیان کے ص ۲۳ پر بحوالہ محرق الفوائد ۲۶ جمادی الثانیہ تحریر فرماتے ہیں (۴) جناب شاہ محمد حسن صاحب صابری چشتی (صوفی) نے اپنی کتاب آئینہ تصوف کے ص ۴۶ طبع راجپور ۱۳۱۱ھ پر ۱۸ رجب تحریر کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”حضرت عباس علمدار بن علی کرم اللہ وجہہ بتاريخ ۱۸ رجب المرجب بروز پنجشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔“

(۵) اہل ایران کے نزدیک آپ کی تاریخ ولادت ۴ شعبان المعظم ہے مشہد مقدس

کے علمی آرگن ندائے ترقی“ ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ کے ص ۲۲ پر مرقوم ہے۔ ”ولادت باسعادت باب الحوائج قمرینی ششم حضرت بوالفضل العباس را آقائیان نجف لیلہ چہارم ماہ شعبان از استاد معتبرہ مؤلفہ بدست آورده اند الخ“ (۶) جناب مولوی محمد ظفریاب صاحب زائر نے اخبار اثنائے عشری دہلی نمبر ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۱۱ کا لم ۲ پر ۳ جمادی الاول تحریر کی ہے۔

### تحقیق:

مذکورہ بالا اقوال پر جب تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے تو ۴ شعبان والے قول کو ترجیح نکلتی ہے۔ یعنی اس کے علاوہ دیگر غیر مستند ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہیں۔ اس لئے کہ اس جملہ علمہ میں علمائے نجف کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں غیر موثق اقوال قابل اعتناء نہیں ہو سکتے۔

دیکھئے علماء نے بوقت شہادت آپ کی عمر ۳۴ سال تحریر کی ہے۔ اگر پورے ۳۴ سال عمر شریف مانی جائے تو تاریخ ولادت ۱۰ ذی الحجہ ٹانٹا ناگزیر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو آپ کی ولادت کا ہونا کسی غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صاحب تاریخ آئمہ نے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ آپ کی عمر شریف ۳۴ سال چند ماہ تھی۔ ص ۲۹۶۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر عام علماء نے ۳۴ سال کیوں تحریر فرمائی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے عرف عام کے مطابق تحریر کیا ہے۔ اور ایسے استعمالات اردو میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

غرض کہ بوقت شہادت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال چند ماہ مانے بغیر چارہ نہیں۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اقوال مذکورہ بالا میں سے کونسا قول ایسا ہے جو ۳۴ سال چند ماہ والی تحقیق کی تصدیق کر سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ ۳۴ سال کے بعد ”چند ماہ والی مدت“ جو ہے وہ کم سے کم تسلیم کی جائے گی۔

اب ۴ شعبان ۲۶ھ کو تاریخ ولادت قرار دے کر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ تک آپ کی عمر کا حساب کیا جاتا ہے تو غالباً ۳۴ سال ۵ ماہ ۶ یوم ہوتے ہیں۔ جو دیگر تاریخوں کے حساب سے کم نہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت عباس علیہ السلام ۴ شعبان المعظم ۲۶ھ مطابق ۱۸ مئی ۶۲۷ء یوم سہ شنبہ کو پیدا ہوئے۔

### ۴ شعبان کو ارباب تحقیق نے مان لیا:

ناظرین اکرام! آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے ذکر العباس طبع اول ص ۲، ۱۳۵۵ھ کے ذریعہ سے اپنی تحقیق دنیا کے سامنے پیش کی۔ جس میں نمایاں طور پر یہ واضح کیا کہ حضرت عباس کی

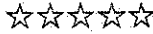


تاریخ ولادت ۲ شعبان ۲۶ھ ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے باشندوں نے میری تحقیق کو سراہا۔ اسی تاریخ کو عام شیعیان حیدر کرار نے محفلیں منعقد کیں اور ارباب تحقیق نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اسے لکھ کر اپنے ماننے کا ثبوت پیش فرمایا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں سلطان محققین جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ ایڈیٹر اصلاح مجبوعہ ضلع سارن و جناب مولوی سید عابد حسین صاحب ایڈووکیٹ۔ ایڈیٹر مسلم ریویو مدرستہ الواعظین لکھنؤ کے اسمائے گرامی پیش کروں۔ اول الذکر صاحب نے اپنی تاریخ آئمہ صفحہ ۲۹۳ طبع ۱۳۵۶ھ میں اور آخر الذکر نے مسلم ریویو۔ ج ۲۴ نمبر ۳ میں تسلیم فرمایا ہے۔ لکھنؤ جو شیعیت کا مرکز ہے وہاں بھی آپ کی محفل میلاد ۲ شعبان ہی کو ہوا کرتی ہے۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ تاجدار کربلا حضرت امام حسینؑ ۳ شعبان المعظم اور علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام ۲ شعبان المکرم کو پیدا ہوئے۔ حضرت نسیم امر و ہوی کہتے ہیں۔

تیسری کو تو نے پایا فاطمہ کا ماہتاب صاحب و انجم کی منزل کا پر انوار چاند  
وہ بنی ہاشم کا چاند آیا ہے چوتھی کو جسے کہتے تھے اوج وفا کا حیدر کرار چاند



## حضرت عباسؓ کی پیدائش پر حضرت علیؓ کا گریہ

علامہ صدر الدین قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ علیہ السلام ایک دن وارد خانہ ہوئے۔ فرمایا میرے نور نظر کو میرے پاس لاؤ۔ سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباسؓ آپ کی آغوش مبارک میں دیئے گئے۔ آپ نے چہرہ عباسؓ سے کپڑے کو ہٹایا۔ ”ماہے در سحاب دید“ چہرہ قمر بنی ہاشم پر نظر ڈالی اور فوراً پیشانی فرزند کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد اس پارچہ سے حضرت عباسؓ کے ننھے ننھے ہاتھوں کو نکالا اور دست و بازو کلائی و سر پنچہ کو بغور دیکھا۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے ”آغا زنا لہ دزاری کرد“ اور آپ نے رونا شروع کر دیا۔ آپ کا رونا تھا کہ چاہنے والی ماں کے منہ کو جگر آنے لگا۔ دست بستہ عرض کی۔ ”آقا مگر در دست و سر پنچہ پیرم عجبے مشاہدہ فرمودی کہ ایں قدر گریہ کر دی۔“ میرے مولا! آپ نے میرے اس فرزند دلہند کے ہاتھوں اور انگلیوں میں کیا دیکھا کہ اس قدر گریہ فرمانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ام البنین یہ مت پوچھو! ام البنین نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے اندر وہ راز ہے کہ تم اس کو معلوم کر کے تاب ضبط نہ لا سکو گی۔ لیکن ماں کے مضطرب دل کو کب سکون ہو سکتا تھا۔ اصرار پر اصرار کرتی گئیں۔ اور آپ یہی فرماتے رہے کہ ”تاب شنیدن نداری“ اے ام البنین! تم نہ سن سکو گی۔ الغرض آپ نے فرمایا اے ام البنین۔۔۔

یاد آمدم آن روز کہ عباس دلاور بے دست شود از ستم فرقہ اکفر

ارے آج وہ دن یاد آ گیا جس دن ہمارے اس فرزند کے دونوں ہاتھ بھا، جواور ستم پرور مسلمانوں کی تلواروں سے کاٹے جائیں گے۔ اس کے سر پر گرز آہنی اور سینے پر نیزا لگے گا۔ اور یہ تین دن کا جھوکا و پیاسا سر زمین کر بلا پر شہید کیا جائے گا۔ (ریاض القدس۔ جلد ۱ ص ۶۷)

## حضرت علیؓ کی پیشانی سجدہ خالق میں

بطن جناب ام البنین سے چاند سا بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے امیر المومنین حضرت علیؓ علیہ السلام کو مژدہ مسرت سنایا۔ کہ ”ام البنین فرزندے قمر منظر بوجود آورده“۔ کہ ام البنین کے عظم مبارک سے ایک ماہ رو بچہ پیدا ہوا ہے۔ حضرت علیؓ نے خبر مسرت اثر پاتے ہی اپنی پیشانی مبارک سجدہ خالق میں رکھ دی یعنی مطلب یہ تھا کہ خالق امیری ولی متنازعہ آئی۔ اب میرے حسین کی امداد ہو سکے گی۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۶۷)

## حضرت عباسؓ کی پہلی نظر چہرہ امام حسینؑ پر

تاریخ کے چہرہ پر نظر ڈالنے والے جانتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اپنی آنکھوں کو اس وقت تک بند رکھا تھا۔ جب تک کہ پیغمبر اسلام تشریف نہ لائے۔ جب آپ تشریف لائے اور اپنی آغوش مبارک میں تاجدار اسلام کو لیا۔ تو آپ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور چہرہ رسالت پر پہلی نظر ڈالی تھی۔ (راحۃ ذی الصلاۃ فی حجتہ الصحابہ قلمی) ۱

حضرت عباس چونکہ اسی وفادار اسلام کے فرزند تھے۔ لہذا آپ نے بھی وہی طرز اختیار کیا جو امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبر اسلام کے بارے میں عمل فرمایا تھا۔ آپ کی آنکھیں بھی اس وقت تک بند رہیں۔ جب تک کہ امام حسین علیہ السلام تشریف نہ لائے۔

شارح زیارت ناحیہ کی تحقیق ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو خبر ملی اور آپ تشریف لائے۔ اپنے بھائی کو آغوش امامت میں لیا۔ کان میں اذان و اقامت کہی۔ آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور سب سے پہلے چہرہ امام حسینؑ پر نظر ڈالی۔

### زبان امام حسین دہن عباس میں:

تاریخ شاہد ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے زبان مبارک دہن اقدس میں دے کر بزبان حال اقرارِ جان بازی لے لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ شیعہ رسالت پر ہر وقت پروانہ دار شمار ہونے کو تیار رہا کرتے تھے۔ کسی وقت آنحضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب نبرد آزمانی کا موقع آیا نہایت ہی بے جگری سے لڑے۔ جب جاں نثاری کا محل آیا۔ آنحضرتؐ کے پسینے پر اپنا خون بہا دیا۔ ہجرت کے موقع پر تلواروں کے سایہ میں مٹیھی نیند سو کے بتا دیا کہ حمایت اس کا نام ہے حضرت امام حسینؑ بہ نص قرآنی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے فرزند اور حضرت عباسؓ حضرت علیؑ کے نور نظر تھے آنحضرتؐ کا جو برتاؤ حضرت علیؑ کے ساتھ اور حضرت علیؑ کا جو سلوک حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے ساتھ تھا۔ بعینہ وہی برتاؤ حضرت عباسؓ کا حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ ہونا چاہئے۔

شارح زیارت ناحیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے بھی پیدا ہونے کے بعد نہ ماں کا دودھ پیا نہ دالی کا۔ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور آغوش مبارک میں لے کر دہن اقدس میں زبان لے امام کا کی لکھتے ہیں کہ جب علیؑ بن ابوطالب نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر ہمارے یہاں مولود لاؤ گا تو آپ کا غلام اور لڑکی ہوگی تو آپ کی کنیز ہوگی۔ رجب ۱۲ اسکندریہ میں جب حضرت علیؑ کعبہ میں پیدا ہوئے تو بہت اسد نے انہیں کپڑے میں لپیٹ رکھا۔ ابوطالب نے کہا اس کا منہ اس وقت تک نہ کھولنا جب تک محمدؐ نہ آجائیں۔ آنحضرتؐ تشریف لائے آغوش میں لیا اور علیؑ نام رکھا۔ (ارج المطالب ص ۴۸۷)

اطہر دی تو حضرت عباسؓ نے اسے چوسنا شروع کر دیا۔ گویا امام حسینؓ نے اسی طرح اقرار جانا بازی لے لیا جس طرح سرور کائناتؐ نے لعاب دہن چسا کر حضرت علیؓ سے عہد وفاداری لیا تھا۔ چنانچہ آپؐ تا عمر ”انا عبد من عبيد محمدؐ“ فرمایا کرتے تھے۔ (نور الانوار ص ۲۱۹)

**حضرت عباسؓ مسجد میں:**

حضرت امام حسینؓ لعاب دہن سے سیراب کرنے کے بعد حضرت عباسؓ کو لے کر عبا سے سایہ کئے ہوئے داخل مسجد ہوئے اور حضرت علیؓ علیہ السلام سے عرض کی۔ ”بابا جان یہ بچہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ لہذا اس کی پرورش اور پرواخت میں کروں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ بیٹا بڑی خوشی کی بات ہے۔

امام حسینؓ مسجد سے واپس ہوتے ہوئے پھر عرض کرتے ہیں۔ بابا جان! کیا وجہ ہے کہ جب اس کی محبت جوش مارتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھی بھر آتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ”بیٹا خاصان خدا کے لئے رنج و غم تو ام ہیں۔ آج یہ بچہ تجھیں سرور کر رہا ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم ”الان انکسر ظہری“ کہہ کر روتے ہو گے۔ امام حسینؓ نے اشارہ کی تفصیل چاہی۔ آپؓ نے فرمایا۔ بیٹا! جبریل امین تیری شہادت کا محضر لائے تھے۔ اس میں مرقوم تھا۔

الحسین سید الشهداء ۲۔ والعباس حامل اللواء ۳۔ کہ حسین شہداء کے سردار اور عباس علمبردار کر بلا ہوں گے۔ (علماء کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو بارہا کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسین تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں شہید ہوں گے۔) (یتا بیع المودۃ ص ۳۱۸) تحریر الشہادتین، شرح سر الشہادتین ص ۸۳۔ طبع لکھنؤ) اور عباس نہر فرات پر جا کر اپنے شانے قلم کرادے گا۔ اے حسین ذرا عباس کے شانے کھولو۔ شانے کھولے گئے۔ حضرت نے اس پر دو نشان دکھلائے فرمایا۔ ایک علم کا اور دوسرا سکیکینہ کی سوکھی مشک کا نشان ہے (واللہ اعلم)

(ریاض الشہد ص ۲۵۹، طبع دہلی ۱۳۵۲ء)

۱۔ محضر نامہ کے سلسلہ میں علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود انہیں درج فرمائی ہیں۔ ان حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے: حضرت صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ پر آسمان سے ایک وصیت نامہ نازل ہوا۔ جس میں حضرت آنکہ کرام پر گزرنے والے واقعات تحریر تھے پیغمبر اسلام ﷺ نے تمام واقعات کا مطالعہ فرمایا۔ جب واقعہ کربلا پر نظر کی۔ ”فارتعدت مفصل المینی“ آپ کے جوڑ بند کپڑے گئے۔ پھر حضرت علیؓ اور فاطمہؓ زہراؓ اور امام حسنؓ علیہم السلام نے ملاحظہ کیا۔ ان کے بعد امام حسینؓ نے پڑھا۔ ”تغیر مایاتی بھی“ اور آپ کو واقعہ شہادت کا علم ہوا۔ یہ وصیت نامہ ہر امام کے پاس کیے بعد ونگرے رہا۔ یہاں تک کہ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالہ کیا گیا۔ اور اب بھی حضرت امام محمدیؑ آخر الزماں کے پاس موجود ہے۔ (اصول کافی ص ۱۳۵، طبع ایران ۱۳۸۱ھ) رئیس الموحدین ملامہدی زرقی ص ۱۳۸۔ مقاصد الاسلام حصہ ۶ ص ۵۹ طبع حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

## حضرت عباسؓ کی رسم عقیقہ اور نام:

عقیقہ اسلامی نقطہ نظر سے سنت موکدہ ہے (مفتاح الشرائع قلمی ص ۱۲۴) آپ کی ولادت کے ساتویں دن یہ رسم عمل میں لائی گئی۔ اور عباس نام رکھا گیا۔

ناظرین کرام! اس بہادر فرزند کا عباس نام رکھنا نہایت ہی مناسب تھا۔ اس لئے کہ! شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا نام حیدر بھی تھا۔ عمدۃ الطالب ص ۴۱ میں ہے۔ یسمی امیر المومنین علی حیدر لانه حیدرہ من اسماء الاسد۔ امیر المومنین علیؓ کو حیدر اس لئے کہتے ہیں کہ آپؓ بڑے بہادر تھے۔ اور حیدر شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو جس طرح حیدر شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس طرح عباس بھی ہے۔ ”العباس من اسماء الاسد“ شیر کے ناموں میں سے ایک نام عباس بھی ہے۔

## حضرت عباسؓ کا اسم گرامی اور لغات:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کے نام نامی کے متعلق ارباب لغات کے بیانات پیش کئے جائیں تاکہ اس نام کی وقعت کچھ اور بلند ہو سکے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) مسر یو ایس مسیکی السجد ص ۵۰۳ میں لکھتا ہے کہ عباس کے معنی زیادہ ترش رو کے ہیں اور یہ شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

(۲) راجہ راجیشور این راجہ امانت راؤ اپنی کتاب افسر اللغات طبع حیدر آباد دکن ۱۳۲۳ء کے صفحہ ۶۷ پر لکھتے ہیں۔ عباس اسم فرزند علی مرتضیٰؓ کے معنی شیر درندہ اور سرد پہاڑوں۔

(۳) ملا عبدالعزیز بن محمد سعید اپنی کتاب لغات سعیدی طبع کانپور ۱۹۳۹ء کے ص ۳۵۶ پر تحریر کرتے ہیں عباس شیر ترش رو نام حضور سرور کائناتؐ کے چچا اور حضرت علیؓ کے ایک بیٹے کا۔

(۴) مصنف غیاث اللغات فصل عین مع الباء طبع لکھنؤ کے صفحہ ۲۸۰ پر لکھتے ہیں۔ ”عباس بالفتح وتشدید ثانی بمعنی شیر درندہ ونام عم بیغمبر کہ خلفائے عباسیہ منسوب باد مستند ونام فرزند علی کرم اللہ وجہہ کہ از زوجہ کہ بعد وفات حضرت فاطمہؓ بنکاح آوردہ بودند۔“

علامہ گنوری لکھتے ہیں۔ ان اصحاب الحسین الذین استشهدوا معہ کانت اسمائہم مکتوبہ فی العهد الذی جاء جبرئیلؑ، محضر شہادت میں تمام شہداء کے نام درج تھے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں۔ ان الحسینکان از الفی احدا من انصافی ذالک السفر فیہ بلا ذالک العهد۔ کرام حسین اس سفر کر بلا میں جب اپنے کسی مددگار سے ملے تھے تو وہ محضر شہادت دکھا دیا کرتے تھے۔ (کشتین ص ۳۶۵)

۲ حضرت امام حسینؓ کے تیز الشہداء ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن مولوی عبدالغفور صاحب لکھنؤ نے جو حدیث یہ کہ موع پر شک کرنے والے کے پیرو ہیں۔

(۵) صاحب لغات سر دری طبع لکھنؤ ۱۸۷۷ء کے صفحہ ۲۸۶ پر لکھتے ہیں۔ عباس نام عم آنحضرت و فرزند علی مرتضیٰ بمعنی درندہ شیر و مرد پہلواں۔

(۶) نور اللغات ج ۳ صفحہ ۵۳۷ طبع لکھنؤ ۱۳۴۲ھ میں ہے ”عباس بمعنی شیر درندہ“  
(۷) جامع اللغات محمد رفیع طبع الہ آباد ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۴ پر ہے۔ ”عباس“ آنحضرتؐ کے چچا کا نام جن کی اولاد سے خلفائے عباسیہ ہیں۔ حضرت علیؑ کے ایک صاحبزادے جو کہ بلا میں شہید ہوئے۔“

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاع تھے۔ علامہ شہر تحریر فرماتے ہیں کہ کمال شجاعت کی وجہ سے آپؐ کا اسم گرامی عباس رکھا گیا۔“ کبریت احمر ج ۳۔ ص ۲۴۲ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاعت علویہ کے درخشہ دار تھے۔ اور بمقاد۔ الولد سرلابیہ (ع) ”بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے“ آپؐ حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی جاگتی تصویر تھے۔

## ذہن عباسؑ میں معرفت باری کی ایک عاقلانہ لہر

غیاث الغات صفحہ ۳۴۵ میں ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ ۱۔ علم یقین ۲۔ عین یقین ۳۔ حق یقین۔ یہ ظاہر ہے کہ جو مدارج یقین میں سے جتنے درجے طے کر سکے گا وہ اسی قدر معرفت باری کی منزلوں پر بھی فائز ہوگا۔ انجیل یوحنا کے باب ۱۲ آیت ۲۶ طبع لاہور میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پانی پر چلتے تھے۔ الخ

۱۔ ایچ انجم سید الشہداء المحرم ۱۳۵۵ھ میں امام حسین کے سید الشہداء ہونے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ان کا انکار بالکل بے بنیاد ہے۔ کثیر علماء و اباب قائم آپ کے سید الشہداء ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر الفقیہ امرتسر لکھتے ہیں۔ بدر کے شہیدوں کے امتیاز سے حضرت امیر حمزہؑ سید الشہداء اکہلانے کے مستحق ہیں اور امام حسین تمام شہیدوں کے اعتبار سے سید الشہداء کے لقب کے مستحق ہیں۔ (الفقیہ امرتسر سرحدی الثانی ۱۳۵۵ھ)

۲۔ محبت الدین بغدادی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کشتی نوح کی تباری کے سلسلہ میں حضرت جبریلؑ ایک صندوق لائے جس میں ایک لاکھ اٹیس ہزار بیٹھیں تھیں۔ سب بیٹھیں کشتی میں جوڑ دی گئیں۔ جب آخری پانچ بیٹھیں رہ گئیں تو وہ چک اٹھیں جبریلؑ نے ہر ایک کو مناسب مقام پر لگایا۔ جب آخری بیٹھ اٹھائی تو جبریلؑ نے کہا ہذا مسافر حسین ابن علی سید الشہداء حسین بن علی کے نام کی کین ہے جو سید الشہداء ہیں تاریخ ابن تیمیہ بغدادی قلمی۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ چوں حضرت امام حسین سید الشہداء از دست اشعیاء شام عراق منصب شہادت پا فت تختہ شام عشریہ ۲۴۔ طبع لکھنؤ نو لکھنور پریس ۱۸۹۶ء (۴) عبدالرحمن جامی قصیدہ فروزق کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ قرۃ العین سید الشہداء اء است۔ زہرہ شام خود زہرہ است

پیغمبر اکرام ارشاد فرماتے ہیں ”لو اذداد یقینا لمشی علی الہوی“ اگر عیسیٰ کا یقین اور زیادہ کمال پر ہوتا تو یقیناً وہ ہوا پر چلتے۔ اب ذرا حدیث بساط کے ماننے والے اور خبر میں ہوا کے دوش پر علی کے قدم دیکھنے والے علی کے مدارج یقین کا اندازہ لگائیں۔ اگر انسانی طاقت اس کے اندازہ سے قاصر ہو تو علی ہی سے پوچھیں کہ حضرت آپ کا یقین کس حد کا ہے تو وہ فرمائیں گے۔ میں معرفت الہی کے بارے میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ لو کشف الغطاء لم ازددت یقینا کذاب اگر پردے ہٹا دے جائیں تو بھی میرے حد یقین میں اضافہ ناممکن ہے۔

ناظرین کرام! باپ کا اثر اکثر بیٹے میں ضرور ہوتا ہے۔ اب علی جیسے عارف باللہ کے صلب مبارک سے جو بچہ پیدا ہوا اس میں بھی علوی کمال کی جھلک ضرور ہونی چاہئے۔ علامہ برغانیؒ لکھتے ہیں کہ: دارودشد کہ عباس طفل بود۔ برزائوئے علی نشستہ و زینب ہم طفل بود بررائی دیگر نشستہ مروی ہے کہ حضرت عباس نہایت کسبی کے عالم میں حضرت علی کے ایک زانو پر بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے زانو پر زینب انشرف فرماتھیں۔ ”جناب علی فرمود۔ کہو۔ واحد۔ گفت واحد۔ فرمود بگو! اثنتین عرض گردانید کہ شرم می دارم بر زبانے کہ کے گفت ام دو گویم“ یعنی امیر المومنین نے دستور زمانہ کے مطابق تعلیم کے سلسلہ میں حضرت عباس سے فرمایا کہ نور نظریوں گنتی گو۔ کہو! ایک عباس نے کہا۔ ایک۔ پھر حضرت علی نے فرمایا۔ کہو۔ دو عرض کی گستاخی معاف! ع۔ ”میں ایک کا قائل ہوں کبھی دو نہ کہوں گا۔“ اسے بابا جان مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہہ کر وحدت باری کا اقرار کر چکا ہوں اب اسی زبان سے دو کیونکر کہوں۔ (یہ تو شرک ہے) آ حضرت علی را خوش آمد بوسہ داد حضرت علی نے اس معرفت میں ڈوبے ہوئے جواب کو سن کر عباس کے لبوں کا بوسہ لیا (جلاس المتقین صفحہ ۴۲۔ طبع ایران ۱۳۶۲ھ)

دیکھئے یہ ہے معرفت باری اور اس کو کہتے ہیں یقین خداوندی۔ گودیوں میں کھیلنے والا بچہ کس طرح پر قرآن مجید کی آیت ”لا تتخذوا الہین اثنین“ (دو خدا قرار نہ دو) پر عمل کر کے اپنے کمال عقیدہ اور اپنی معرفت کا ثبوت دیتا ہے۔ دراصل اسی آغاز کا انجام ہے کہ حضرت صادق آل محمد حضرت عباس کو خطاب نافذ البصیرت، صلب الایمان دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ عمدۃ الطالب ص ۳۲۳

۱۔ علامہ حسین قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ”الباب الثالث فی ذکر سید الشہداء“ وسیلہ النجاة ص ۳۵۹ طبع لکھنؤ ۱۳۹۵ھ (۶) محمد ابراہیم خاں اکبر آبادی تذکرہ حالات خواجہ معین الدین اجمیریؒ میں لکھتے ہیں ”حضرت امام زین العابدین ابن سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام (تذکرہ حالات خواجہ معین الدین اجمیری ص ۶ طبع آگرہ ص ۱۳۳۱) (۷) فاضل صوفی لکھتے ہیں کہ دربار یزد میں لوگوں نے جناب زینب کو پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جواب دیا۔ حضرت امام حسین سید الشہداء کی بہن ہیں۔ (ذکر الشہداء ص ۹۵ طبع کانپور ۱۳۹۲ء)

ناظرین کرام! یہ تو حضرت علی کے ایک زانو پر بیٹھنے والے کی معرفت کا ذکر تھا۔ اب ذرا اس دوسرے زانو کی طرف بھی نظر کر لیجئے۔ جس پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ لڑکا بھی علی کے صلب سے اور لڑکی بھی علی کے صلب سے۔ لڑکا اگر اثرات علویہ سے با معرفت ہے تو لڑکی بھی علوی اثر کی وجہ سے پر معرفت ہونی چاہئے۔

مولانا سید علی شاگرد جناب سلطان العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کی گفتگو تمام ہوتے ہی جناب زینب بنت علی نے عرض کی۔ بابا جان! کیا آپ کے دل میں ہم لوگوں کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک، عرض کی بابا جان! کیا ایک دل میں دو محبت جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ تو بظاہر ناممکن ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو بھی چاہیں اور ہم لوگوں کی محبت بھی اپنے دل میں رکھیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں اور ہم لوگوں پر شفقت و مرحمت فرماتے ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی بے انتہا خوش ہوئے۔ (محاسن علویہ باب ۹ ص ۹۳ طبع لکھنؤ ۱۲۹۲ء)

## حضرت عباسؓ کا بچپن اور حضرت سید الشہداءؑ کی خدمت

حسین محض نامہ دیکھ چکے تھے پیغمبر اسلام سے سن چکے تھے اور حضرت علی سے معلوم کر چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ واقعہ کربلا ہوگا اور ضرور ہوگا۔ (ذخیرۃ المال، علامہ عجیلی و مسند احمد ابن حنبل۔ ج ۱ صفحہ ۸۵) اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہی برا اور عزیز میرا پورا قوت بازو ہوگا۔ اسی بناء پر آپ حضرت عباس سے بہت محبت کرتے تھے اور وہ بھی اپنے اوپر تمام احسانات کو جو سید الشہداءؑ کی طرف سے ان کے متعلق تھے دیکھا کرتے تھے اور شمع امامت کے بجھنے ہی سے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ حضرت عباس فرط محبت سے امام حسین کے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگا لیا کرتے تھے۔

حضرت عباس کو یہ گوارا نہ تھا کہ حسین کی کوئی خدمت ایسی ہو جو ان کے علاوہ دوسرے بجا لائیں۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ آپ کے پہلوئے مبارک میں آپ کے دلہند حسین فروکش تھے۔ بادشاہ کربلا کو پیاس محسوس ہوئی۔

عشی عبد اللہ ابن خدا بخش لکھتے ہیں۔ ابن زیاد نے سب کو قید خانہ بھجوا دیا اور جناب سید الشہداءؑ کے سر مبارک کو کشر کوفہ کے چھانک پر لٹکا دیا۔ (اصلی سچا شہادت نامہ ص ۳۳ طبع لکھنؤ ۱۳۳۲ھ) حافظ محمد خالق حسوی جواز تقریر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ نقل العبادۃ روضہ سید الشہداءؑ علیہما السلام بناء المساجد جاز شریعا بکذا بناء اشعریہ (جواز اشعریہ طبع میرٹھ ۱۳۳۳ھ) (۱۰) مولانا محمد لطیف فرنگی بھی لکھتے ہیں سیدنا حضرت امام حسین کے لئے لفظ سید الشہداء کا استعمال کرنا صحیح ہے۔ اور اس کی محبت کے لئے صرف یہ دلیل کافی ہے کہ استاد الجند حضرت نظام الدین خطبہ جمعہ میں حسین کو سیدی الشہداء استعمال کیا کرتے تھے۔ (البصار الحیثین) ص ۲۵ لکھنؤ زینب سے مراد زینب مغربی بنت علی مراد ہیں جن کی عمر جناب عباس کے مساوی تھی جو حضرت علی کی ایک بیوی کے لطف سے تھیں انور الایضار ص ۹۳ تاریخ ابن النور دی۔ ج ۱ ص ۱۶۵۔ نور مبین علی محمد خاں آغا خانی ص ۳۷۔ کبریٰ ص ۱۶۔



ہوئی۔ قنبر سے جو آپ کے خاندانی غلام تھے۔ فرمایا۔ ”استغنی من الماء“ قنبر ذرا پانی تو پلانا۔ حکم پاتے ہی قنبر اٹھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت نہایت ہی کمسن تھے۔ قنبر سے فرمایا۔ ٹھہرو۔ اپنے آقا کے لئے میں پانی لاؤں گا۔

حضرت عباس پانی کے لئے گئے اور آپ سر و کا ایک جام بھرا۔ بچپنے کا عالم تھا۔ حسینی جام کو سر اقدس پر رکھا اور لے کر چلے۔ پانی چھلکا اور آپ تر ہو گئے۔ حسین کے پاس پہنچے۔ بدن مبارک پر چھلکا ہوا پانی دیکھا واقعہ کر بلا یاد آ گیا اور آپ اٹکبار ہو گئے۔ (چہل مجلس ص ۳۱۲ طبع لکھنؤ) اس واقعہ میں یہ ضرور کہا جاتا ہے کہ کمسن کی وجہ سے آپ نے سر پر پانی کا جام رکھا تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ عباس کو یہ دکھانا تھا کہ میں اپنے آقا کے کاموں کو سر آکھوں سے کرتا ہوں۔

## حضرت عباسؓ کے بھائیوں کی پیدائش

حضرت عباس کے حقیقی بھائی جناب عبد اللہ اور جناب عثمان اور جناب جعفر تھے۔ حضرت عباس کے تقریباً نو برس بعد وطن جناب ام البنین سے جناب عبد اللہ پیدا ہوئے۔ اور جناب عبد اللہ سے ۲ سال بعد جناب عثمان بن علی پیدا ہوئے۔ اور جناب عثمان سے تقریباً دو سال بعد جناب جعفر ابن علی پیدا ہوئے۔ جیسا کہ البصار العین وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

### عثمان کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علی نے آپ کا نام عثمان رکھ کر فرمایا۔ ”تسمیہ باسم اخی ابن مظعون“ میں نے اس کا نام عثمان اپنے قوت بازو عثمان ابن مظعون کے نام پر اس لئے رکھا ہے تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ (تحفہ حسینیہ ج ۱ صفحہ ۱۶۳ و مقل عوام ص ۹۳)

### جعفر کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علی نے آپ کا نام جعفر رکھا تاکہ جعفر طیار کی یاد قائم رہے۔ ”روی ان امیر المؤمنین مسماہ اخیہ جعفر لحبہ ایاء“ حضرت علی نے ان کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالب کے نام پر محض اس لئے رکھا تاکہ ان سے محبت کا ثبوت دیں حضرت علی جعفر طیار کو بے حد مانتے اور چاہتے تھے۔ (البصار العین ص ۳۵۔ طبع نجف اشرف)

حضرت عباس کا حال اللہ ہونا واضح ہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت علم لفظ حسینی آپ ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ اور آخر وقت تک آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ امام حسین فرمایا کرتے تھے یا اخی انت صاحب لوائی“ اے بھائی عباس تم میرے علمبردار ہو (ناج التواریخ ج ۶ ص ۲۰۸ تحفہ حسینیہ ص ۱۲۸ البصار العین ص ۲۹ مقل عوام ص ۹۴ بحار الانوار جلد ۱ مناقب ابن شہر آشوب۔ ج ۳ ص ۹۸)

## حضرت عباس کی ماں کا نام اور کنیت

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی مادر گرامی کا نام نامی فاطمہ کلابیہ تھا اور کنیت ام البنین تھی۔ لیکن اس امر میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ آپ کی کنیت ام البنین (بیٹوں کی ماں) کب سے قرار پائی۔ اکثر مورخین کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت عباس اور عبداللہ اور جعفر پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ام البنین قرار دی گئی۔ لیکن علامہ کثوری کہتے ہیں کہ ”کناہا بہا ابوہا تفاؤلاً“۔ کہ ام البنین کی ماں لیلیٰ بنت شہید اور باب حزام نے پہلے ہی آپ کی کنیت ام البنین قرار دی تھی۔ یعنی شگون کے طور پر آپ کو بیٹوں کی ماں کہا تھا۔ تاکہ اس سے اس بات کا مظاہرہ ہو کہ ہم لوگوں کے دل میں تمنائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے صاحب اولاد اور بچوں کی ماں قرار دے۔ (مائیس کثوری ص ۴۴۰) میرے خیال میں دونوں صورتیں قرین قیاس ہیں۔

## جنگ صفین اور حضرت عباسؓ

صفین نام اس مقام کا ہے جو فرات کے غربی جانب رقعہ اور بلس کے درمیان ہے۔ (معجم البلدان ص ۳۷۰ باب ۳ ص ۱۸۶) یہیں اسلام کی وہ قیامت خیز جنگ عالم وقوع میں آئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ کے اسباب میں معاویہ کی چیرہ دستیوں اور ترمذی سرکشی کو پورا دخل ہے۔

معاویہ زمانہ حضرت عمر سے شام کے گورنر تھے۔ وفات عثمان کے بعد جب حضرت علی ظاہری خلیفہ تسلیم کئے گئے اور عثمان حکومت آپ کے دست حق پرست میں آئی۔ تو آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ پر جو قتل عثمان کی سازش کا الزام لگا کر شامیوں کو برا فروختہ کر رہے ہو اور اپنے کو رسول اللہ ﷺ کا منصوص خلیفہ مشہور کر رہے ہو۔ (سیرا لائمہ ص ۴۵) یہ تمہاری حرکت ناشائستہ اچھی نہیں ہے۔ آپ کے متعدد وارثادات کے بعد بھی جب معاویہ کے کان پر جوں نہ رہی تھی۔ اور آپ کو اس کا بھی علم قطعی ہو گیا کہ وہ مجھ سے برسر پیکار ہونے کے اسباب فراہم کر رہا ہے تو آپ نے برسر منبر فرمایا ”عزلت المعاویۃ من حکومت الشام“ میں نے حاکم وقت ہونے کی حیثیت سے معاویہ کو معزول کر دیا۔ اور اب اسے حاکم شام تسلیم نہ کیا جائے۔ (اکسیر التواریخ ص ۴۵) معاویہ جو خود حضرت علی کو معزول کرنے کے لئے ہمتن فکر بنا ہوا تھا۔ اسے جب اس معزولی کی خبر ملی تو اس نے آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ چنانچہ جنگ جمل اسی کا ایک شاخسانہ تھا۔

جنگ جبل کے بعد آپ نے اس کے سمجھانے میں بڑا مبالغہ کیا۔ معاویہ اب کھل کر میدان میں آنے کے لئے بے چین تھا۔ اسی حوصلہ اور بے چینی میں ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر حضرت علی پر حملہ آوری کے لئے چل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ مقام صفین میں آپ پہنچا۔ علامہ دیمیری فرماتے ہیں کہ اجمعوا علی فتالہ قاتلہم اللہ اللہ تعالیٰ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کو غارت کرے کہ ان لوگوں نے (عین ایمان) سے جنگ کرنے کو طے کر لیا۔

(حیورۃ الجنان ج ۱ ص ۵۶)

### مقام صفین کی طرف حضرت علی کی روانگی:

جب حضرت علی کو علم ہوا کہ معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار (بقولے ایک لاکھ ساٹھ ہزار) تاریخ اسلام ص ۲۰ کا لشکر لے کر آ گیا ہے تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی اور نوے ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر مقام صفین کی طرف روانہ ہو گئے۔

### حضرت علی کا کر بلا میں ورود:

ابن جریر مکی لکھتے ہیں کہ آپ صفین کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ جب نیوے کے قریب پہنچے تو بروایت شعبی ”سال عن اسم هذه الارض فقيل كربلا فهكي حتى بل الارض دموعه“ آپ نے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں۔ کہا گیا۔ اس کا نام کر بلا ہے۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ ”ثم قال دخلت علی رسول اللہ وهو یسکی فقلت ما یکیک فقال عندی جبرئیل انقوا اجزنی ان ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع بقال له کربلا ثم قیض جبرئیل قبضة من تراب فشمی ایاه فلم املك عینی ان قاضاه“ پھر آپ نے فرمایا۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہیں روتا ہوا پا کر میں نے پوچھا حضور کو کس چیز نے رلا دیا۔ فرمایا ابھی ابھی جبرئیل آئے تھے۔ اور مجھ سے کہا کہ کر بلا کی زمین پر فرات کے کنارے آپ کے نور نظر حسین شہید کر دئے جائیں گے۔ اے علی سنو! جب سے یہ سنا ہے آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ کہنے کے بعد جبرئیل نے مجھے ایک مٹھی خاک دی اور کہا اسے سونگھو۔ اس کا سونگھنا تھا کہ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ (مواعظ محرقہ ص ۱۱۵ طبع مصر ۱۳۲۲ھ منار الہدیٰ بحرانی ص ۲۹۴ رواتح القرآن ص ۴۹۸)

امد ابن حنبل کہتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ بھی فرمایا تھا: فقیة من آل محمد

یقتلوا بہذا العرصہ تنبکی علیہم السماء والارض۔ اسی سرزمین پر آل محمد کا ایک برگزیدہ گروہ قتل کیا جائے گا جس کے غم میں زمین و آسمان (خون کے آنسو) روئیں گے۔ مسند احمد ابن حنبل ج ۱۔ ص ۸۵ طبع مصر سر الشہادتین شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۷ طبع لدھیانہ اخبار الدول ص ۱۰۷ حیوۃ النبی ان۔ ج ۱ ص ۵۱۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ بہ زہد کی نینواریسیدند آب ہائے عسکر آجانب تمام شدہ قشکی برایشان غلبہ نمود۔ ”غینو کے نزدیک پہنچے تو آپ کے لشکر کا پانی ختم ہو گیا تھا اور تمام لوگوں پر پیاس کا حد درجہ غلبہ تھا۔ انتہائی کوشش کے بعد بھی پانی نہ ملا ناگاہ ایک دیر راہب نظر پڑا اس سے پانی طلب کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں سے دوفرخ کے فاصلہ پر پانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے رو بقبلہ ہو کر ایک مقام کی طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ کو کھودو۔ تعمیل حکم کی گئی۔ ایک چشمہ نودار ہوا۔ لیکن اس کا منہ ایک بڑے گرانبار پتھر سے بند تھا۔ لشکریوں نے لاکھ ہٹایا مگر اس پتھر نے جنبش نہ کی۔ پھر ید اللہ۔ حضرت علیؑ خود بڑھے اور انگشت مبارک سے اسے سرکا دیا۔ شیریں پانی کا چشمہ جوش زن ہوا۔ سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ مشکیزے بھر لئے گئے۔ چشمہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ راہب نے ماجرا دیکھا۔ کلمہ پڑھ کر دست امیر المؤمنین کو بوسہ دیا اور وہ ہمرکاب ہو لیا۔ اس کے بعد قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ ”چوں آپ جناب بہ کر بلا رسیدند گرسنید“ جب آپ کر بلا ہوئے تو بے حد روئے۔ (کشف الانوار ص ۱۹۲) حبیب السیر ج ۱ ص ۵۶۔ جامع التواریخ ص ۲۳۸

### شہادت حضرت عباسؑ کا تصور:

کر بلا پہنچ کر آپؑ ٹھہرے اور آپ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب دیکھا کہ ایک باغ ہے ایک جماعت آئی اور اس نے باغ کو قطع کر ڈالا۔ پھر ایک خون کا دریا جوش زن ہوا۔ امام حسینؑ اس میں شادری کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی واقعہ کر بلا کے تمام واقعات سامنے آ گئے۔ اب کیا تھا علیؑ نے ہونے والے واقعات کے عمل میں آنے سے قبل نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔ (کشف الانوار ترجمہ بجا ج ۹ ص ۱۹۲)

### صفین میں حضرت علیؑ کا ورود:

اپنے فرزند پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد آپ صفین کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر آپ

نے معاویہ کے لشکر کو بکھا۔ اپنی ساری فوج کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ سارا لشکر معاویہ کے مقابل آ گیا۔  
**آپ کے لشکر پر بندش آب:**

مسرڈا کر حسین لکھتے ہیں۔ کہ اب علی کی تمام فوج معاویہ کے لشکر کے مقابل پہنچ گئی۔ ابن ابوسفیان نے صفین کی طرف متوجہ ہو کر علی کے پہنچنے سے پہلے ہی ابوالاعور کو مامور کر دیا تھا۔ کہ فرات کے گھاٹ پر (جو اس علاقہ میں ایک ہی تھا) قبضہ کر لے۔ جناب امیرؓ نے معاویہ کے مقابلہ میں چھاونی ڈالی۔ پانی کی روک کی خبر ہوئی۔ تو حصہ ابن صوجان اور شیت ابن زبعی کی معرفت معاویہ کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ کہ تیرے لشکر نے پانی روک دیا ہے۔ لشکر کے ساتھ ضعیف کمرور اور بوڑھے بھی ہیں۔ مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی کو روکا جائے۔ اگر ہم تجھ سے پہلے وارد ہوتے تو ہرگز منع نہ کرتے۔ ہم لوگ پانی پر لڑنے نہیں آئے۔ بلکہ دین پر لڑنے کو آئے ہیں۔ تاکہ خلق خدا پر حجت پوری ہو۔ مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے ہٹا لے۔ اور پھر لڑ۔ حق و باطل کا فرق لڑائی سے ظاہر ہو جائے۔ اور اگر تیری مرضی یہی ہے کہ جو گھاٹ کو لے لے فتح اسی کی سمجھی جائے۔ تو ہم اس پر بھی رضا مند ہیں۔ اس پیغام کے پہنچنے پر معاویہ نے اپنے اصرار سے مشورہ لیا۔ عمر و عاص نے کہا کہ اے معاویہ کیا تو اپنے خیال میں ساقی کو شکر کنار آب فرات پر پیسا رکھ سکتا ہے۔ ”زہے تصور باطل زہے خیال محال“

ولید ابن عقبہ نے کہا۔ کہ ان لوگوں میں اکثر قاتلان عثمان ہیں۔ ان لوگوں نے کئی دن آں جناب پر پانی روک رکھا۔ مناسب ہے کہ ہم بھی ان کو پیاس کی تکلیفیں پہنچائیں۔ معاویہ نے ولید کی بات پسند کی۔ اور سفیر ولید ابن عقبہ کو برا بھلا کہتے ہوئے بے نیل و مرام واپس آئے۔ جناب امیرؓ کے لشکر کی پیاس سے سخت بے تاب ہوئے۔ حضرت کے لشکر گاہ سے اس دوسرے مقام تک جہاں پانی دستیاب ہو سکتا تھا دوفرخ کا فاصلہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اشتراور اشعث جناب امیر کے پاس آئے۔ اور کہا۔ یا امیر المومنین تمام لشکر پیاسا ہے اور معاویہ معاہدے کے سیراب ہو رہا ہے۔ ہم لوگ کب تک خاموش رہیں۔ اجازت دیجئے کہ ہم لڑیں اور پانی چھین لیں۔ امیر المومنین نے فرمایا۔ کہ اگر تم دشمنوں سے مغلوب و مقہور ہو کر جے تو یہ زندگی عین موت ہے۔ اور اگر دشمن پر مظفر و منصور ہوتے ہوئے مر گئے تو یہ عین حیات ہے۔ الغرض آپ اپنے آقا و سردار سے اجازت پا کر دس ہزار فوج لے کر گھاٹ کی طرف رخ کیا اور ناچار لشکر اعدا پر حملہ آور ہوئے۔ زور و شور کی لڑائی کے بعد گھاٹ ابوالاعور سے چھین لیا۔ (تاریخ اسلام ج ۳ صفحہ ۱۹۹)

## بندش آب توڑنے کے لئے امام حسینؑ کی روانگی:

علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی نظر میں یہ لشکر کچھ کمزور پڑتا ہوا دکھلائی دیا۔ ”فضاق صدرہ الشریف“ آپ کچھ گھبراے گئے۔ ”فقام الیہ الحسین وقال یا اہبت انا امضی الیہ“ یہ دیکھ کر حضرت امام حسینؑ کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور خدمت پدر بزرگوار میں عرض کی ابا جان! پھر اب تو میں بھی جاتا ہوں۔ ان کو اجازت ملی۔ آپ روانہ ہوئے۔ اور میدان جنگ میں پہنچ کر بڑی بے جگری سے جنگ کی۔ اور کامیاب پلٹے۔ گھاٹ پر قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے امام حسینؑ کی اس پہلی کامیابی پر حضرت علیؑ کو مبارکباد دی۔ آپ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا۔ مولا! یہ تو خوشی کی بات ہے آپ گریہ کیوں فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ”انہ سیققل بطف کربلا غربا وحیدا عطشاناً فریداً“ مجھے اس وقت وہ وقت یاد آ گیا کہ یہ میرا نور نظر مستقبل قریب میں زمین کر بلا پر یکہ و تنہا بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔

(شجرہ طوئی نجف اشرف ۱۳۵۴ھ الواح الاحزان - ج ۱ صفحہ ۲)

## حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے جلو میں:

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ”عباس عضد عون برادرش امام حسینؑ بود و روزیکہ لشکر معاویہ را از کنار فرات دور کرد و شریعہ را بہ تصرف صحاب امیر المومنین واوند۔“ انحضرت عباسؑ اس دن اپنے بھائی امام حسینؑ کے جلو میں معین و مددگار کی حیثیت سے تھے۔ جس روز معاویہ کے لشکر کا فرات سے قبضہ اٹھانا اور اپنا قبضہ بٹھانا مقصود تھا۔ (کبریٰ ۱۰ ص ۶۵ طبع ایران ۱۳۳۳ھ)

ما قبل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ جب لشکر اسلام پر بندش آب توڑنے کے لئے اپنے آقا کے ساتھ گئے اور کمال جانفشانی سے نبرد آزمائی کے بعد پلٹے تو حضرت علیؑ کے لشکر کی تشنہ لہی یا چشم تریان کرنے لگے۔ حضرت علیؑ کا دل بھرا آیا اور ہونے والے واقعات کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا آپ نے حضرت عباسؑ کو اپنے قریب بلا کر فرمایا۔ اے فرزند تو آج کے دن تشنہ لہی سے اتنا متاثر ہے۔ کل وہ دن آنے والا ہے کہ تو اپنے تمام اعزاء و اقرباء و برادر سمیت کئی روز کی بھوک اور پیاس میں سرزمین کر بلا پر شہید کیا جائے گا۔ (واقعات مقتل قلمی ۱۲۳۲ھ)

الغرض لشکر امیر المومنین کے قبضہ میں پانی آ گیا۔ مسرژا کر حسینؑ لکھتے ہیں۔ لشکر امام نے دریاب پر چھاؤنی ڈال دی۔ اور فریق مخالف کو پانی لینے سے روک دیا۔ معاویہ نہایت مضطرب

ہوا۔ عمرو عاص نے اسے ملامت کرنی شروع کی۔ اور کہا کہ میں کیا کہتا تھا۔ بتاؤ اب اگر علی تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں جو کل تم نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ تو تمہارا کیا حال ہو معاویہ نے کہا پھر اب کیا ہوگا؟ عمرو نے کہا کہ محصور عثمان کو پانی کی مشکیں بھجوانے والا (علی) تمہاری طرح ہرگز پانی روکنے والا نہیں۔ نجل وشرمندہ ہو کر معاویہ نے اپنے اراکین دولت میں سے ۱۲ اشخصوں مثل ضحاک ابن قیس، بسر ابن ارطاة، مقاتل ابن زید، داؤد بکری، موشب ابن ذی ظلم وغیرہ کی معرفت امیر المومنین کی خدمت میں عرض کرا بھیجا کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے۔ خاطر جمع رکھو۔ اس خبر کے پاتے ہی اپنے سرداروں کو کہلا بھیجا پانی نہ روکو۔ اور منادی کرا دی۔ پانی حلال ہے کسی کو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو آدمیوں اور جانوروں کے لئے پانی لے جائے۔ (تاریخ اسلام۔ ج ۳۔ صفحہ ۱۹۸) صاحب تاریخ ائمہ لکھتے ہیں کہ معاویہ کے جواب میں عمرو عاص نے کہا۔ ”حضرت علی تم جیسے نہیں ہیں۔ وہ کفو کریم ہیں۔ وہ ایسا نہیں کریں گے“ ص ۲۶۷۔

مختصر یہ کہ ذی الحجہ میں یہ جنگ شروع ہوئی اور محرم ۳۷ھ میں ملتوی رہ کر یکم صفر سے سات شب وروز گھسان کی لڑائی رہی۔ امیر المومنین نے اپنی روائتی بہادری سے دشمن اسلام کے چھکے چھڑا دیے عمرو بن العاص اور بشر بن ارطاة پر جب آپ نے حملے کئے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر برہنہ ہو گئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا۔ یہ اٹھ کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو عاص پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا۔ درپناہ عورت خود گرد بن گئی۔ تو نے اپنی شرمگاہ کے صدقہ میں جان بچالی۔ عمرو نے کہا۔ یہی عین علفندی تھی۔ (سیرۃ آل ائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۲) جب بشر بن ارطاة نے اپنی برہنگی کا واقعہ بیان کیا۔ تو معاویہ نے کہا۔ ”باکے نیست عمرو عاص ہا تو شریک است“ کچھ مضائقہ نہیں یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ کل عمرو بن العاص نے بھی تو یوں ہی اپنی جان بچائی تھی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں وقوع میں آئیں۔ ۱۱ روز تک فریقین کا قیام مقام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو صلح ہو گئی۔ (تاریخ ائمہ ص ۲۷۱)

### تبدیلی لباس کی بحث:

حضرت علی جن کی تلوار کا لوہا مانا ہوا تھا۔ ان کے متعلق علامہ دمیری لکھتے ہیں۔ ”اذا غسل قد واذ اعترض قفا“ جب طول میں تلوار لگاتے تھے تو جسم کے دو حصے کر دیتے تھے۔ اور جب عرض میں تلوار مارتے تھے تو دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ (حیوة النبی ان۔ ج ۱ ص ۵۲) اس

صفین کی اہم اور تاریخی جنگ میں اکثر ایسے مواقع بھی آپ کو درپیش ہوئے تھے کہ آپ نے بھی بدل کر جنگ کی اور لباس تبدیل کر کے نبرد آزما کی فرمائی۔ یعنی اگر کوئی بہادر مبارز طلب ہوا تو آپ نے اپنے کسی صحابی یا عزیز کا لباس پہن لیا اور مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے یہ محض اس لئے کرتے تھے کہ جب مقابل کو معلوم ہوگا کہ نبرد آزما کی کے لئے علی آئے ہیں تو وہ واپس چلا جائے گا اور قتل ہونے سے بچ جائے گا۔

(۱) صاحب تاریخ آنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے پکار کر فرمایا کہ اے ہر ہند کیوں مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو۔ خود میدان میں نکلو۔ اور ہم تم فیصلہ کر لیں۔ مگر معاویہ کو میدان میں نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب حضرت بھی بدل کر میدان میں آئے اور مبارز طلبی کی۔ عمرو عاص نے حضرت کو نہ پہچانا اور سامنے آ کر رجز پڑھا حضرت نے بھی رجز پڑھ دیا۔ عمرو عاص کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ہیں وہ بھاگا۔ (ص ۲۶۹)

(۲) علامہ عیسیٰ اریلی لکھتے ہیں۔ کہ جب لشکر معاویہ سے محراق ابن عبد الرحمن نکلا تو اس کے مقابلے کے لئے موہل بن عبید اللہ آئے اور شہید ہو گئے۔ پھر مسلم نامی صحابی تشریف لے گئے وہ بھی شہید ہو گئے۔ تب حضرت علی بھی بدل کر تشریف لے گئے اور اسے واصل جہنم کیا۔ پھر اس کے بعد لشکر معاویہ سے سات جوان جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور حضرت سب کو قتل کرتے رہے۔ معاویہ نے اپنے غلام حرب سے کہا کہ اب تو جا اور اس جوان کو قتل کر اس نے تلوار کی برش دیکھ کر معافی چاہی۔ پس امیر المؤمنین مغفراز سر برداشت تا لشکر معاویہ دانستند کہ امیر است۔ آنگاہ مراجعت فرمود۔ تب آپ نے اپنے چہرہ کو ظاہر کر دیا۔ اور لوگوں نے جان لیا کہ علی ہیں۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔ (سیر النعمۃ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۵)

(۳) حضرت علی جناب ابن عباس کے لباس میں:

علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں۔ ایک وقت در جنگ صفین حضرت علی لباس ابن عباس را پوشیدہ جنگ رفت۔ بسیارے راکشت۔ معاویہ گفت ایں عباس نیست۔ ابن عباس ایں قدر شجاعت ندارد۔ گفتند در جوابش کہ ہماں ابن عباس است۔ علامہ شیخ جعفر شوستری لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علی نے ایک موقع پر ابن عباس کا لباس پہن کر جنگ کی۔ اور بہتوں کو قتل کیا۔ معاویہ نے پکار کر کہا۔ یہ ابن عباس نہیں ہو سکتے۔ ابن عباس اتنے بہادر کہاں۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ ابن عباس ہی ہیں۔ معاویہ نے کہا



معاویہ گفت میخو اہید بدانید ابن عباس این قدر با قوت نیست۔ لشکر یک دفعہ حرکت کند۔ پس ہمہ لشکر یک دفعہ حملہ کروند۔ بسوئے او و حضرت در ہاں مکان ایستادہ و حرکت نکرو۔ لشکر دانستند کہ حضرت امیر المومنین است انخ (فوائد المشاہد ص ۸۱ م ۹ طبع بمبئی ۱۳۲۷ھ)

نہیں نہیں! ابن عباس نہیں ہیں۔ وہ اتنے شجاع کہاں ہیں۔ اگر تم چاہو تو آزمائش کر لو۔ اچھا ایک دفعہ سب مل کر حملہ کرو۔ سب نے مل کر حملہ کیا۔ حضرت نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔ تب لوگ سمجھے کہ ابن عباس نہیں ہیں بلکہ علی ہی ہیں۔

### (۴) حضرت علی عباس بن ربیعہ کے بھیس میں:

علامہ ابن طلحہ و علامہ اربلی وغیرہ لکھتے ہیں کہ لشکر معاویہ سے ایک زبردست سوار برآمد ہوا۔ جناب عباس بن ربیعہ بن حارث ہاشمی اس کے مقابلہ میں میدان جنگ کو گئے۔ ”و با ہم درآو یختند“ اور آپس میں گتھ گئے۔ عباس نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اور اپنے شامی گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے۔ معاویہ نے اپنے لشکریوں سے پکار کر کہا۔ ”ہر کس اس جوان ہاشمی را یکشد۔“ اور مال و افروہم، جو اس جوان کو قتل کرے گا اسے کافی مال دوں گا۔ یہ سن کر لشکر معاویہ سے قبیلہ بنی شحم کے دو زبردست دلیر میدان قتال میں آکھڑے ہوئے۔ اور لکار کر کہا۔ اے جوان (عباس) ہم تجھ سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔ ”عباس گفت۔ من بروم و از امیر خود رخصت حاصل کنم۔“ عباس نے کہا۔ ذرا اپنے دامن کو ملک الموت کے چنگل سے بچائے رکھ کہ میں امیر المومنین سے اجازت لے آؤں۔ (سیر آلہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۸)

”و جاء الی علی لیستاذنہ فقال له علی اون منی فلم ادنی منه۔ اخذ سلاحه و اخذ فرسه و خلع علی لباسه و لبس سلاح العباس و ما کان علیہ و یرکب فرس العباس و خرج الی بین الصفین کانه العباس“ (مطالب السؤل ص ۱۵۰ طبع لکھنؤ)

یہ کہہ کر حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اذن جنگ چاہا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ میرے قریب آ۔ جب وہ قریب آگئے تو آپ نے ان کا سلاح جنگ اور گھوڑا لیا۔ اور اپنا لباس اتار کر عباس کا لباس اور سلاح جنگ وغیرہ خود پہنا۔ اور عباس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں اس حال میں جا پہنچے کہ لوگ آپ کو عباس ہی جان رہے تھے۔

جب آپ میدان میں پہنچے مقابل نے پوچھا اپنے مالک سے اجازت لے آئے اور انہوں نے اجازت دے دی۔ حضرت علی نے آیہ ”اذن لسلدن یقاتلون بانہم ظلموا۔ الفح کل تلاوت

کی۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر حضرت پر شمشیر کا حملہ کیا۔ آپ نے اس کے وار کو خالی دے کر اس کے پیٹ پر تلوار لگائی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر دوسرے نے بڑھ کر حملہ کیا۔ آپ نے اسے بھی جہنم رسید کیا جب یہ دونوں قتل ہو گئے تو معاویہ نے پکار کر کہا۔ لشکر یو ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

### (۵) حضرت علی عباس بن حارث کے روپ میں:

علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں۔ کہ جب معاویہ کے لشکر سے ایک زبردست حمزہ نامی بہادر نکلا۔ اور اس کے مقابلہ کے لئے عباس ابن حارث ابن عبدالمطلب لشکر حضرت علی سے نکل کر چلے تو حضرت علی نے عباس بن حارث کو قریب بلایا اور ان کا لباس خود پہنا۔ اور میدان جنگ میں جا کر اسے واصل جہنم کیا۔ (شجرہ طوہی ص ۸۹ طبع نجف اشرف ۱۳۵۲ھ)

### (۶) حضرت علیؑ اپنے فرزند عباس کے لباس میں:

علامہ عینیؒ اربلی کہتے ہیں۔ کہ پس از لشکر معاویہ کریب ابن صباح بیروں آمد و مبارک زخواست۔ مبرقع خولانی از لشکر امیر بیروں رفت و آں شامی ملعون آں مومن را شہید کرد۔ پس دیگرے بیروں رفت اور انیز شہید کرد۔ لشکر معاویہ سے کریب نامی ایک زبردست بہادر نکلا مبارک طلی کی۔ اس کے مقابلہ کے لئے مبرقع خولانی نکلے اور شہید ہو گئے۔ پھر ایک دوسرے صحابی نکلے وہ بھی شہید کر ڈالے گئے۔ (سیر آلہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۴۶) ”فسرذ امیر المومنین ستسکرا“ یہ دیکھ کر امیر المومنین نے اپنی ہیبت بدلی اور اس کے مقابلہ کے لئے آ نکلے۔

(شجر طوہی۔ ج ۲۔ ص ۸۹)

علامہ موفق ابن احمد خوارزمی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کریب ابن صباح حمیری سے جنگ کے موقع پر اپنے فرزند عباس علمدار کا لباس اور گھوڑا بدلا تھا۔

حضرت علیؑ نے اپنے نور نظر حضرت عباس کو بلایا جو کم سن کے باوجود مرد کامل تھے اور حکم دیا کہ اپنے گھوڑے سے اتر آؤ اور اپنے لباس کو اتار دو (آپ نے تعمیل حکم کی) پھر حضرت علی جناب عباس کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ تاکہ کریب خبردار زمانی سے بھڑکے نہیں۔ (اور بھڑکے جنگ کرے)

فدعا علی علیہ السلام ابنہ العباس  
وکان قاسما کاملا من الرجال فامرہ  
بان یسزل عن فرسہ وینزع ثیابہ و  
رکب فرسہ و البس ابنہ العباس  
ثیابہ و ارکبہ فرسہ لثلاثا یحس  
کریب عن مبارزتہ۔ (مناقب  
اخطب خوارزمی ص ۱۹۶ قلمی)

حضرت علی علیہ السلام تیار ہو کر عازم میدان ہوئے تو عبداللہ ابن ابی حازب نے عرض کی کہ مولا آپ توقف فرمائیں اس سے میں جنگ کروں گا۔ چنانچہ آپ اجازت کے بعد میان جنگ میں گئے اور شہید ہو گئے (مناقب ص ۱۹۶) ”چوں امیر المؤمنین مشاہدہ حال نمود متوجہ حرب آں شفی شد و اول اور الصیحت فرمود۔ چوں اثرے بر آں مترتب نہ شد بہ یک ضرب ذوالفقار ہلاک ساخت۔“ حضرت امیر المؤمنین نے جب صورت حال کا مشاہدہ کیا تو آپ خود ہی جنگ کے لئے نکل پڑے اور پہلے اسے نصیحت کی۔ جب نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپ نے ذوالفقار کی ایک ضرب سے اسے داخل دارالبوار کر دیا۔ (سیرہ آلئمرہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۲۶ طبع بمبئی)

ان تحریروں سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی نے جنگ صفین میں کئی دفعہ تبدیلی لباس فرمائی ہے۔ کرب سے جنگ کے موقع پر آپ نے اپنے فرزند عباس کا لباس تبدیل کر کے جنگ کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کوتاہ نظر مورخین اور بعض موجودہ زمانہ کے حضرات اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ عباس ابن علی تھے یا اور کوئی عباس تھے۔ (کبریٰ ص ۲۵)

ان حضرات کے اشتباہ کو دور کرنے کے لئے چند مفصلہ ذیل چیزوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر ۲ خوارزمی کی حیثیت اور ان کی روایت کا تجزیہ حضرت عباس کا قد و قامت۔

### (۱) جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر:

تاریخوں سے ثابت ہے کہ جنگ آخر ۳۶ھ سے شروع ہو کر ۳۷ھ میں ختم ہوئی ہے اور حضرت ۳۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ۳۷ھ میں سے ۲۶ گئے گیارہ بچے یا ۲۶ میں ۱۱ جوڑ دینے سے ۳۷ھ ہو جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر ۱۱ سال تھی۔

### (۲) علامہ خوارزمی کی روایت کا تجزیہ:

علامہ خوارزمی کی جلالت قدر میں شبہ نہیں۔ وہ فریقین کی نظر میں مدوح سمجھے جاتے ہیں۔ جس صراحت کے ساتھ انہوں نے تبدیلی لباس کے متعلق تحریر کیا ہے وہ خود اس چیز کو واضح کر رہا ہے کہ موصوف نے بلا تحقیق نہیں لکھا۔ پھر عبارت کا تجزیہ بتایا ہے کہ آپ نے درست لکھا ہے (۱) ابنہ العباس یعنی علی نے اپنے بیٹے عباس کو بلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں عباس کا ذکر ہے جو علی کے بیٹے تھے۔ (۲) وکان تاما حضرت کنسی کے باوجود تام تھے۔ اس کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ۱۱ سال کے تھے۔ لیکن قد و قامت وغیرہ میں متوسط حیثیت کے انسان کی طرح تام

الخلق تھے۔ (۳) کاملاً من الرجال وہ مردوں سے کامل تھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ گو وہ کس تھے لیکن عام مردوں سے زیادہ کامل تھے۔ کسی شخص کے انسان ہونے میں دو چیزیں دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ ایک مرد کامل ہو، دوسرے علم و فضل کا مالک، خوارزمی نے ان دونوں چیزوں پر روشنی ڈال کر بتایا ہے کہ حضرت عباس کسنی کے باوجود انسان کامل تھے وغیرہ وغیرہ۔

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں۔ ابو الفضل بروایت خوارزمی در مناقب در صفین مرد تام کاملے بدو۔ (حضرت عباس جنگ صفین میں مرد تام کامل انسان تھے۔ کبریت احمر ص ۲۵) اس کے علاوہ جناب صدر المحققین حضرت ناصر المائتہ علی اللہ مقامہ سے جب میں نے جنگ صفین میں حضرت عباس کے وجود کا سوال کیا تھا تو آپ نے اسی عبارت کا حوالہ دیا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ ہی کے فرمانے پر اس قلمی کتاب سے اس عبارت کو نقل کیا تھا جو علامہ سید تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے کتب خانہ میں تھی۔

### (۳) حضرت عباس کا قد و قامت:

کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عباس صرف گیارہ سال کے تھے تو حضرت علی کا لباس بدلنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کیا حضرت عباس کا لباس حضرت علی کے جسم پر اور حضرت علی کا لباس حضرت عباس کے بر میں ٹھیک اتر سکتا تھا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ مقتل عوالم ص ۹۲، البصار الحین ص ۲۶، تحفہ حسین ص ۱۷۸، تاریخ ج ۶ ص ۲۸۹ میں ہے کہ ”یرکب فرس المظہم ورجلہ یحطان فی الارض“ جب آپ دور کا بگھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ (نظام العلماء مرزا رفیع طباطبائی کہتے ہیں کہ ”در بلندی قامت از اہل زمان خود ممتاز بود“ حضرت عباس بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔ (مفتاح الکونین ص ۴۲ طبع ایران ۱۲۹۸ھ علامہ محمد مہدی زراقی لکھتے ہیں کہ ”در جسامت و بلندی قامت از اہل زمان خود ممتاز بود“ حضرت عباس جسامت اور بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔ محرق القلوب قلمی۔ ان عبارات سے واضح ہے کہ آپ نہایت ہی طویل القامت اور لمبے قد کے انسان تھے۔ اور آپ کا طویل القامت ہونا اس لئے تعجب حیز نہیں ہے کہ بقول لسان الملک اسلام میں دس آدمی ایسے گزرے ہیں جن کا طول قامت ہمارے لحاظ سے تقریباً ۲۵ ہاتھ تھا۔ جن میں حضرت عباس کے اجداد میں ماں کی طرف سے ابن ربیعہ اور ابن طفیل اور باپ و زوجہ کی طرف سے عباس ابن عبد المطلب (عم رسول) بھی تھے۔ ”یقال یقبل المیزۃ وہی فی ہود جہا۔“ تہذیب سے لے اوت پر سوار شدہ عورت کی تقبیل ان کے لئے آسان تھی۔ تاریخ التواریخ ج ۳ ص ۷۵

تو اب عرض یہ کرنا ہے کہ اول تو حضرت عباس کے آباد اجداد میں اتنے لمبے آدمی گزر چکے تھے جن کی نظیر ناممکن سی تھی۔ دوسرے ان کے قریبی زمانہ میں بھی انہیں دس میں سے ایک قیس ابن سعد ابن عبادہ موجود تھے جو معاویہ کے دربار میں رہا کرتے تھے۔ (ناخ التوارخ) تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ آپ کے پاؤں دور کا بہ گھوڑے پر سے زمین پر خط دیتے تھے۔ اب اگر حضرت عباس کے قد و قامت کو دیکھا جائے اس لحاظ سے کہ اس زمانہ کے قریب میں بھی بچیس ہاتھ کے آدمی تھے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ نموکا خیال کرتے ہوئے یوں تو وزن قائم کیا جائے کہ مثلاً چالیس سال کا آدمی ۲۵ ہاتھ کا لمبا ہوگا۔ تو بیس سال کا آدمی ساڑھے بارہ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور گیارہ سال کا آدمی تقریباً ساڑھے چھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور پھر بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ ”یسر کب فرس المظم و کانه کالطود العظیم“ حضرت عباس جب دور کا بہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے کی پشت پر ایک بہت بڑا ٹیلہ رکھا ہوا ہے۔ اس سے بھی آپ کے نشوونما کی ارتقائی منزل کا پتہ چلتا ہے اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ جنگ صفین میں آپ کا قد ساڑھے چھ ہاتھ لمبا تھا تو یہ ماننا بہر صورت ناگزیر ہوگا کہ آپ اس وقت اچھے خاصے ذیل و ذول کے انسان تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی کا قد اگر پست نہ تھا تو طویل بھی نہ تھا جیسا کہ اسد الغلیہ ج ۷ ص ۵۳ میں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ میانہ قد والے انسان کا لباس اس کے جسم پر جو کمسنی کے باوجود کافی طویل القامت ہو اور اس کا لباس اس میانہ قد والے انسان کے جسم پر ٹھیک اترے گا۔

ان تمام تحریری کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس گیارہ سال کی عمر کے باوجود تقریباً اتنے قد و قامت کے مالک تھے کہ جتنا ایک میانہ قد کا انسان ہوتا ہے۔ لہذا حضرت علی کا حضرت عباس کے لباس بدلنے والی روایت غلط نہیں ہے۔ یعنی حضرت علی نے کربلا نامی پہلو ان سے جنگ کرنے کے لئے اپنے فرزند عباس کا لباس بدلا تھا۔

## جنگ صفین میں حضرت عباس کی نبرد آزمائی

جبکہ یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس علیہ السلام موجود اور بہر صورت اس قابل تھے کہ اچھی طرح نبرد آزمائی فرما سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسی جو روایتیں ملیں جن سے حضرت عباس کے جنگ کرنے کا پتہ چلتا ہو تو انہیں باسانی رو کر دیا جائے۔

حضرت عباس کے حوصلہ جنگ کی شہادت:

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ جنگ کربلا سے ”قبل آنجناب در حروب و غزوات

باشجاعان عرب محاربه و مبارزه نمود و دادر دگر دادہ۔“ حضرت عباس اکثر لڑائیوں میں بڑے بڑے شجاعان عرب سے لڑ کر دادر دگر حاصل کر چکے تھے۔ (کبریت احمر ص ۲۴) پھر فرماتے ہیں۔ ”عباس نامدار و شجاع بغایت عالم قدار بود۔ جرات و قوت از حیدر کرار میراث داشت و پیوستہ در معارک مقاتلہ راایت نصرت بر میافراشت۔“ حضرت عباس بڑے بہادر اور ہمت والے تھے جرات و قوت حضرت علی سے وراثت میں پانچکے تھے۔ کثیر جنگوں میں آپ نے رایت نصرت بلند کیا۔ اور دلیرانہ امداد کی تھی۔ ص ۲۵

علامہ محمد مہدی نراقی لکھتے ہیں۔ و بسیارے از ابطال عرب راکشتہ بود و پیوستہ در غزوات و حروب نوائے فتح و ظفر برداشتہ۔“ حضرت عباس نے اکثر بہادران عرب کو قتل کیا تھا اور بہت سی جنگوں میں نوائے فتح و ظفر کو بلند کیا تھا۔ (محرر القلوب م ۲۴ قلمی)

### جنگ صفین میں حضرت امام حسین کی روانگی اور حضرت عباس کی جانبازی:

صاحب تحفہ یوسفیہ لکھتے ہیں کہ اسی جنگ صفین میں ایک مرتبہ محمد حنفیہ جنگ کرنے کے بعد اپنے حضرت علیؑ نے پھر حکم مجاہد دیا۔ محمد حنفیہ نے عرض کی بابا جان! آپ مجھ کو امر مجاہد دیتے ہیں اور حسین کو حکم جہاد نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا۔ اے بیٹے تم میرے فرزند ہو اور حسین فرزند رسول ﷺ ہیں۔ انہیں حکم جہاد کیسے دیا جائے۔ یہ کلام امام حسینؑ کے گوش زد ہو گیا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے جنگ کی اجازت چاہی۔ (تحفہ یوسفیہ صفحہ ۵۵۔ طبع لکھنؤ ۱۳۱۱ھ)

”سید الشہداء التماس و اصرار کرو۔ امیر بعلم امامت می دانست کہ دریں واقعہ آسپہ بوجہ فرزندش حسین نمی رسد۔ اجازت داد“ حضرت علیؑ کے انکار جنگ پر سید الشہداء نے التماس و اصرار شروع کیا۔ حضرت علیؑ کو علم امامت سے معلوم ہو گیا تھا کہ فرزند رسول ﷺ کو اس جنگ میں کوئی صدمہ و گزند نہ پہنچے گا۔ لہذا آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت امام حسینؑ عازم جنگ ہوئے۔ جب امام حسینؑ کے بھائیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپس میں کہا کہ اللہ اللہ! ہم لوگ بیٹھے رہیں اور حسین ابن فاطمہؑ عازم میدان جنگ ہوں۔ غرض کہ سب بھائی آگئے اور تادور ہمرکاب رہے۔ (ریاض القدس ص ۱۲۵)

مگر مظلوم کربلا کے جاں نثار حضرت عباس نامدار نے جو دیکھا کہ میرا آقا ﷺ کے لئے جا رہا ہے۔ دل بے چین ہو گیا۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت کم سن تھے لیکن دلیرانہ حیثیت سے امداد امام حسینؑ کے لئے بڑھے۔ اصحاب امیر المومنین کا بیان ہے کہ ناگاہ ایک برق سامنے سے چمک گئی۔ یعنی ایک سوار اس طرح ایک سمت سے نکلا۔ یہ نہ معلوم ہوسکا۔ وہ کون ہے اور دیکھا کہ

درمیان صفوف لشکر در آیا۔ نیزہ اس جہاز کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کمال غیظ میں نیزہ کو حرکت دی اور جوانان لشکر شقاوت اثر کو نیزہ کی انی پراٹھا کر پھینک دیا۔ یعنی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر میں نوے اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ ان شیرانہ حملوں کی وجہ سے لشکر میں غل مچ گیا۔ یہ دلیل کون ہے۔ معلوم ہوا۔ قمر بنی ہاشم فرزند حیدر صفدر عباس حق شناس ہیں۔ الخ (تحفہ یوسف ص ۵۵)

### ابن شعثا سے حضرت عباس کی جنگ:

علامہ محمد باقر خراسانی تلمیذ ملا حسین نوری لکھتے ہیں۔ کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک دن حضرت عباس (چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے) میدان جنگ میں پہنچے۔ آپ کی ہیبت و سطوت کو دیکھ کر اصحاب معاویہ نے مقابلہ کی جرات نہ کی۔ ”پس معاویہ گفت بہ مرد شجاع اصحابش کہ اور ابن شعثا می گفتند کہ بیرون رو بمبارزت ابن جوان۔“ تو معاویہ نے اپنے اصحاب میں سے ایک بہادر کو چنانچہ اس کا نام ابن شعثا تھا۔ اور اس سے کہا کہ اس نو جوان سے جنگ کے لئے تو چلا جا۔ اس نے جواب دیا کہ اہل شام مجھے دس ہزار سواروں کے برابر جانتے ہیں۔ اس ایک نو جوان کے مقابلہ میں میرا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں تعمیل حکم کے لئے اپنے فرزند کو بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک فرزند کو عازم جنگ کیا۔ جب وہ پہنچا۔ واصل جہنم ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لڑکے کو بھیجا۔ وہ بھی اس نو جوان کے ہاتھوں قتل ہوا یہاں تک کہ اس نے پے در پے اپنے ساتوں لڑکوں کو بھیج دیا۔ اور وہ یکے بعد دیگرے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے۔

”پس ابن شعثا خود بمبارزت قدم جرات برداشت و آں جوان براوجملہ نمود۔“ اب تو ابن شعثا سے نہ رہا گیا۔ اس نے خود قدم جرات بڑھایا۔ نقاب پوش بہادر نے اس پر مثل عقاب شکستہ بازو حملہ کیا اور ٹھکانے لگا دیا پھر کسی نے جرات اقدام نہ کی۔ لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہوگا کہ ”ہذا علی ابن ابی طالب۔“ یہی علی ابن ابی طالب ہیں۔ ”حضرت علی اس جوان نقابدار کے قریب تشریف لائے اور اس کے چہرہ سے نقاب سر کاٹی۔ اب لوگوں نے دیکھا۔ یہ تو علی نہیں بلکہ ان کی شجاعت کے ورثہ دار حضرت عباس علمدار ہیں۔“ کبریٰ حر۔ ج ۳ ص ۲۵ طبع ایران ۱۳۲۳ھ

### جنگ صفین میں حضرت عباس کی پیاس:

صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ ”جنگ صفین میں جب حضرت عباس نہر دآ زمان تھے تو آپ پر پیاس کا زبردست غلبہ ہوا آپ تاب ضبط نہ لاسکے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں

عرض کرنے لگے۔ بابا جان! پیاس ہلاک کئے دیتی ہے۔ حضرت علی نے آپ سر کا ایک جام اپنے نور نظر کے لئے مہیا کر دیا۔ حضرت عباس نے پانی پی کر عطش بجھائی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جب آپ پانی پی چکے تو دیکھا کہ حضرت علی کے گریہ گلو گیر ہے۔ دست بستہ عرض کی۔ بابا جان! رونے کا کیا سبب ہے۔ فرمایا۔ بیٹا! تمہاری اس عطش کے غلبہ نے ایک اور موقع کی پیاس کی یاد دلادی۔ جس میں دریا کی روانی کے باوجود تیرے لبوں تک ایک قطرہ نہ پہنچ سکے گا۔

حضرت عباس: ”بابا وہ کونسا زمانہ ہوگا۔ اور کس سن میں واقع ہوگا“

حضرت علی: ”بیٹا! وہ ۶۱ھ میں درپیش ہوگا۔“

حضرت عباس: ”کیا اس وقت آپ نہ ہوں گے؟“

حضرت علی: ”بیٹا! ہاں۔ میں نہ ہوں گا۔“

حضرت عباس: ”بابا! ہمارے بھائی حضرت حسن اور حسینؑ تو ہوں گے۔“

حضرت علی: ”بیٹا! حسن تو نہ ہوں گے۔ لیکن تمہارا آقا حسینؑ ہوگا اور وہ بھی تمہارے ساتھ

پیاسا ہوگا۔“

حضرت عباس: ”بابا! ہماری کونسی خطا ہوگی کہ ہم پر پانی بند ہوگا۔ اور دریا کی موجوں کے

باوجود ہم پیاسے رہیں گے۔“

حضرت علی: ”بیٹا! تیری کوئی خطا نہ ہوگی۔ تو صرف رفاقت حسینؑ میں پیاسا رہے گا۔“

حضرت عباس: ”بابا! کیا حسینؑ فرزند رسول ﷺ پر بھی پانی بند رہے گا۔“

حضرت علی: ”بیٹا! وہ اسی گروہ کے لوگ ہوں گے جو آج بھی تیرے سامنے ہیں۔ تم لوگوں

پر یہ پانی بھی بند کریں گے اور تمام اصحاب حتیٰ کہ اقرباء اور چھوٹے چھوٹے

بچوں کو بھی شہید کر ڈالیں گے۔“

حضرت عباس: ”بابا! اس وقت ہمارا کیا فریضہ ہوگا۔“

حضرت علی: ”بیٹا! اس وقت تو اپنی جان کو فرزند رسول ﷺ اور اہل بیتؑ پر نذر کر دینا۔“

(فضائل الشہداء باب ۲۔ ف ۲ ص ۱۱۰)

غرض کہ ۱۳ صفر ۶۱ھ کو یہ جنگ ختم ہوئی اور تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس

گئے۔ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی رفاقت میں رہے اور اس موقع کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں

تک کہ ۶۰ھ و ۶۱ھ آگیا اور آپ نے وہ کارہائے نمایاں کئے جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں۔



## جنگ صفین میں حضرت علی کے دو شیر

(۱) ابوالفضل (۲) ابوالحارث

یہ واضح ہے کہ عباس کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔ آپ امداد حسینی کے لئے کتم عدم سے حیز وجود میں تشریف لائے۔ حسین کی امداد فرمانا آپ کا فرض عین تھا۔ آپ کے پرورش کی غرض ہی یہ تھی کہ امام حسین کے کام آئیں۔ چنانچہ آپ نے اسے بدرجہ اتم پورا کیا۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔ آپ طفلی میں جس بے جگری سے جنگ صفین میں لڑے اور حسینی امداد کی ہے اس کی ایک مثال اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ آپ ہی کی کثرت ابوالفضل تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوالحارث کون تھے اور ان کے تذکرے کا یہاں کیا مطلب ہے۔ چنانچہ گزارش ہے کہ حضرت علی نے تو عباس جیسے فرزند کو حسین کی امداد کے لئے معین فرمایا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ عباس اسی وقت تک امداد فرما سکتے تھے جب تک جان میں جان باقی رہے۔ مرنے کے بعد تو بظاہر امداد نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ حضرت علی جناب عباس کی شہادت کے بعد کا بھی کوئی ایسا نظام کریں کہ حسین کی امداد کا سلسلہ بند نہ ہو۔ چنانچہ اسی خیال سے حسب تحقیق علامہ محمد باقی نجفی، حضرت علی نے بموقع جنگ صفین ایک بچہ شیر کو ایک گرگ کے حوالہ کیا۔ ”اور ابرز گرگ کندو باں بچہ شیر وصیت کرد کہ در زمین نینوا قرار بگیرد۔ ہر وقت حسنین دریں بیابان بے سراقاد۔ در آں وقت حراست بدن فرزندش کمبند۔“ الخ۔ مرقات الایقان ص ۷۳ طبع نجف اشرف۔ (ترجمہ) کہ وہ اسے پال پوس کر جو ان کرے۔ اور اس بچہ شیر سے وصیت کی کہ وہ زمین نینوا پر قیام پذیر ہو۔ اور جب میرا حسین اس جگہ پر آئے اور دشمنوں کے ہاتھوں بے سر ہو جائے تو ان کے بدن کی حفاظت کرنا۔

نوٹ: کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ادائے وصیت کا وقت آیا تو اس نے پورے انہماک سے ادا کی۔ جناب فضہ کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ اپنے سرد۔ ارس میت شہید ہو چکا تو ان دشمنوں نے اپنے کشتوں پر نمازیں پڑھیں اور روانگی کا انتظام کر رہے تھے کہ ابن زیاد کا تازہ حکم پہنچا کہ وہیں ٹھہرو اور تازہ نعل بندی کے بعد حسینی لاشوں کو سم اسپان سے پامال کر دو یہ خبر وحشت اثر حضرت زینب کے کانوں تک پہنچی۔ آپ کمال اضطراب سے کبھی اٹھیں اور کبھی بیٹھتی تھیں۔ گاہے دست بدست میرد گاہے دست بزا نو میزد۔ کبھی منہ پیٹتی تھیں۔ کبھی کف افسوس ملتی تھیں۔ کبھی زانو کوٹی تھیں۔ میں (فضہ) نے جب یہ حال دیکھا دوڑتی ہوئی خدمت عالیہ میں گئی۔ اور عرض کی بی بی! اگر اجازت ہو تو میں ابوالحارث نامی شیر کو بلاؤں وہ اس وقت حسین کی مدد کرے گا۔ جناب زینب نے اپنی ماں

کی نہایت ضعیف خادمہ کو اجازت دی وہ ایک طرف گئیں اور یا ابوالحارث کہہ کر آواز دی۔ ایک شیر ہمبہمہ کرتا ہوا جنگل سے برآمد ہوا اور فضاء کے سامنے نظریں جھکا کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فضاء نے فرمایا: ”یا ابا الحارث اقدری ما یریدون ان یعملوا غدا یا بی عبد اللہ یریدون ان یوطنوا الخیل علی ظہرہ۔“ اے ابوالحارث تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ یہ دشمن کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ارے یہ ہسین کا لاشہ پامال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شیر اٹھا۔ ”فاقبل یدور القتلٰی حتی وقف علی جسد الحسین“ اور شہداء کی بوسوگھٹا ہوا جسد حسینی تک جا پہنچا۔ فضاء یہ علیٰ جسدہ وجعل یرغ خدہ بدمہ فیکبکی“ اور بہت سنبھال کر جسد حسینی پر ہاتھ رکھا اور خون میں اپنے رخسار ملنے لگا۔ اور روتا جاتا تھا۔ الخ مرقات الایقان و بھار الانوار۔ ج ۲ ص ۷۲۔ جب تک شیر حفاظت میں رہا کسی کی ہمت نہ پڑی۔ لیکن جب شیر واپس چلا گیا۔ ان حضرات کے جسم گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر ڈالے گئے۔ صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”لقد اوطئہ الخیل بعد ذالک“ پھر حسین کا جسم پامال کر ڈالا گیا۔ اسی لئے حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں۔ ”تطنونک الحیل بحوافرها“ الخ اے حسین! تم کو گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں سے پیس ڈالا۔ (ومعہ ساکیہ ص ۳۵۰)

علامہ برغانی لکھتے ہیں۔ ”واقول قد تقدم انهم لعنهم الله قد اوطاه الخیل ولا منافاة بينهما بعوازان یکون فی يوم عجمی الاسد لم یطئوه الخیل و اوطئوه بعد ذالک“ میں کہتا ہوں کہ رواستوں میں یہ موجود ہے کہ گھوڑوں نے آپ کے جسم کو ٹاپوں سے چل ڈالا۔ اور شیر والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم مبارک پامالی سے بچ گیا۔ دراصل ان دونوں روایتوں میں منافات اور اختلاف نہیں ہے۔ یعنی جس دن شیر حفاظت کے لئے آیا تھا۔ اس دن گھوڑے پامال نہ کر سکے اور جب وہ چلا گیا تو پامال کر ڈالا۔ ”معدن البرکاء“

## حضرت علیؑ کی شہادت اور عباسؑ

۲۱ رمضان المبارک کی وہ حشر انگیز اور قیامت خیز تاریخ ہے جس میں اسلام کے مالک دین و ایمان کے سردار۔ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی جاں نثار و جانشین نے مسجد کوفہ میں زہر سے بھیجی ہوئی تلوار سے شہادت پائی۔ آپ کی شہادت واقع ہونے میں کس کا ہاتھ تھا۔ اور کون آپ کی وفات کا سبب اعظم تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی کہتے ہیں کہ ابن محم مرادی کا ایک دن کوفہ کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔ اس نے ایک مکان میں کثیرہ رخان عالم کو آتے جاتے

دیکھا اور عمدہ باجوں کی آوازیں سنی۔ اس مکان کے قریب گیا جس میں سے عورتوں کا ایک گروہ نکلا۔ اس کی نظر قظام نامی عورت پر پڑی۔ اس کے حسن نے اس کے کمینہ دل میں جگہ کر لی۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کہ کیا تو شوہر رکھتی ہے؟ اس نے جواب دیا چونکہ میری پسند کا شوہر نصیب نہیں ہوتا اس لئے میں نے اب تک شادی نہیں کی۔ ابن نجم نے کہا کہ کیا ہو سکتا ہے تو مجھے قبول کر لے۔ اس نے کہا کہ میرے عزیزوں سے کہو۔ عزیزوں سے جب تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے قظام کی مرضی پر چھوڑا۔ قظام جو بہت آراستہ غرفہ بیت (کھڑکی) میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا کہ اگر تم تین قسم کے مہر کا انتظام کر سکتے ہو تو مجھے تم سے ہمکنار ہونے میں کوئی عذر نہیں ہوگا (۱) تین ہزار درہم نقد ادا کرو (۲) ایک اچھی گانے بجانے والی کنیز خدمت کے لئے لاؤ۔ (۳) حضرت علی کا سر کاٹ کر لاؤ۔ یہ سن کر ابن نجم نے کہا اڈل دو شرطیں تو منظور اور ممکن ہیں مگر تیسری شرط سے میں عاجز ہوں۔ علی وہ جس کی شمشیر کا لوہا مغرب و مشرق کے بہادروں کے قلوب مانے ہوئے ہیں۔ بھلا مجھ سے یہ کیونکر ہو سکے گا کہ ایسے بہادر شخص کا سر کاٹ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو دراصل سر ہی درکار ہے۔ میں نے پہلی دو شرطیں تجھ سے اٹھا لیں۔ اب صرف مہر میں علی کا سر چاہتی ہوں۔ ”اگر وصال من خواہی اس کار را قبول کن۔ وگرنہ (ع) پندار کہ ہرگز مندی“ اگر تو مجھ سے لطفِ حیات اٹھانا چاہتا ہے تو علی کا سر لاؤ نہ تو میری صورت بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس بد بخت مرادی نے اس زن نامراد کی شرط منظور کر لی۔ اور مہر میں علی کا سر دینے کا وعدہ کر لیا۔ قظام کی مدد سے چند آدمیوں کو لے کر ”روئے بخدمت امیر نہا“ حضرت علی کے قتل کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

(روضۃ الشہداء ج ۵ ص ۹۸)

صاحب تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ طبری ج ۵ ص ۸۶ لکھتے ہیں کہ واقعہ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے کی کہ تین شخصوں (معاویہ، عمرو عاص اور حضرت علی) کی وجہ سے انتشار ہو رہا ہے۔ ان کو قتل کر دیا جائے اس کے لئے ۱۹ رمضان مقرر ہوئی۔ چنانچہ تینوں خارجی اپنی تلواریں زہر میں بچھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معاویہ کے لئے دوسرا قسطنطامصر میں عمرو عاص کے لئے تیسرا ابنِ ملجم حضرت علی کے لئے۔ معاویہ اور عمرو عاص توبہ گئے۔ مگر ابنِ ملجم جب اس ارادہ سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں جا کر چھپ رہا۔ حضرت علی ایک شب حضرت امام حسن کے پاس اور دوسری شب حضرت امام حسین کے پاس افطار کرتے۔ اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ کرتے۔ جب ۱۹ رمضان ۴۰ھ کو حضرت نماز صبح کے لئے گھر سے جانے لگے تو گھر کی سطحیں چیختی لگیں حضرت پر اس کا اثر ہوا۔ اور مسجد میں تشریف لائے۔ اذان دی۔ جب نماز میں مشغول ہوئے۔ تو سجدہ کی

حالت میں ابن ملجم نے سر پر تلوار ماری جس سے مغز تک شگافہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ”فزت برب الکعبۃ“ بخدا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ تاریخ آخر ص ۲۴۲۔ ان حضرات کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت یا تو قسام کی حرکت سے عمل میں آئی۔ یا ان خاریجوں کی سازش اس کا سبب قرار پائی ہے۔ لیکن جب آپ کی شہادت کے متعلق محققانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

**علی کی شہادت میں حکومتِ شام کا ہاتھ:**

معاویہ اور عمرو عاص، جنگِ جمل و صفین کی حشر انگیز اور قیامت خیز جنگ دیکھ ہی نہیں بلکہ ہلکت چکے تھے۔ وہ بخونچل جانتے تھے کہ علی کی زندگی میں چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ لہذا کسی نہ کسی صورت سے انہیں راہی جنت کر دیا جائے۔ تاکہ اطمینان کی سانس لینا ممکن ہو۔ اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور کامیاب کیوں نہ ہوتے جب کہ سازش کرنا ان کا ”طبیعتِ ثانیہ“ بن گیا تھا۔ معاویہ نے ابن ملجم مرادی کو قتلِ امیر المومنین کے لئے تیار کیا۔ چونکہ وہ خوارج میں سے تھا اس لئے فوراً قتلِ امیر المومنین پر راضی ہو گیا۔ اور اس نے مسجد کوفہ میں حضرت علی کو شہید کر دیا۔

صاحبِ مناقب مرتضوی نے لکھا ہے کہ قدوۃ المحققین حکیم ثنائی جنہیں تحقیقِ نمودہ کہ بموجب گفتہ معاویہ بن ملجم امیر المومنین را بدرجہ شہادت رسانیدہ۔ چنانچہ ایں مضمون را در حدیقتہ الحقائق منظوم ساختہ

”پسرِ ملجم آں سگِ بے دین۔ آں سزاوارِ لعنت و نفرین۔ برز نے عاشقِ آں شدہ میثوم۔ آں گول سارتر ز راہبِ روم بود آں زن ز آلِ یوسفیان۔ منعمِ مالدار و خوب و جوان۔ گشت ازیں سر معاویہ آگاہ۔ مردِ را گشت جملہ کار تباہ گفت کار تو با کمال شود۔ ایں چنین زن ترا حلال شود۔ گرتو در کار خویش شیر دلی۔ ہست کا بینِ حرہ خونِ علی۔“ یعنی ملجم کا بیٹا وہ بے دین کتا جو لعنت و نفرین کا سزاوار ہے۔ ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اور اس بد بخت کے لئے کیا کہا جائے۔ راہبِ روم سے بھی زیادہ کمینہ تھا۔ وہ عورت معاویہ کے عزیزوں میں سے تھی اور خوشحال و مالدار اور خواہ صورت و جوان تھی۔ معاویہ کو ابن ملجم کی عاشقی کا راز معلوم ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ تباہ ہو گیا۔ معاویہ نے اس سے کہا۔ اے ابن ملجم اگر تو چاہتا ہے کہ در مقصود ہاتھ آئے اور قسام جیسی حسین عورت تیرے لئے حلال ہو جائے تو سن۔ ایک ذرا بہادری تو کرنا پڑے گی اور حضرت علی کا سر لانا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس کا مہر خونِ علی ہے چنانچہ اس نے حضرت کے سر اقدس پر ضرب لگا دی۔ جب لوگوں نے پوچھا۔ ایسا

کیوں کیا تو اس نے جواب میں کہا۔ ”مرا میں معاویہ فرمود۔ کارکردم کنول نہ دارو سوؤ“ میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کہ کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا۔“ (مناقب مرتضوی ص ۱۲۷)

الغرض سر اقدس پر ضرب لگی۔ منادی فلک نے ”الا قتل امیر المومنین“ کی ندا دی۔ آپ کی اولاد اور اصحاب مسجد کوفہ میں جا پہنچے۔ اپنے آقا کو خون میں غلطاں دیکھ کر فریاد فغاں کی آوازیں بلند کیں۔ پھر حسب الحکم مکان لے چلے کا سامان کیا۔ ایک گیم میں لٹا کر آپ کو اس صورت سے لے چلے کہ سر ہانا امام حسنؑ پابندی امام حسینؑ اور وسط میں حضرت عباسؑ لگے ہوئے تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ نے صبح کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ”اے صبح تجھے اسی اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس کے حکم سے تو برآمد ہوئی ہے۔ مجھے جاگتا ہوا پایا۔ بارالہا تو گواہ رہنا کہ میں تیرا حکم بجالایا تو نے جس چیز سے روکا اس سے باز رہا۔ جس کا حکم دیا اس پر عمل کیا۔ تیرے پیغمبر ﷺ کے خلاف کوئی بات دل میں نہ لایا۔“ (الکرام ص ۴۰۲ طبع بنارس ۱۳۲۷ھ۔ اس کے بعد آپ کو دورہ ہوا۔

”فلما افاق ناولہ الہمن قعبا من لبن فشرب منه قليلاً ثم نحاہ من فیہ وقال احمלוہ الی اسیر کہ۔“ جب دورہ سے افاقہ ہوا حضرت امام حسنؑ نے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ ٹھوڑا سا پی کر آپ نے منہ ہٹا لیا اور فرمایا اسے اپنے اسیر ابن جرم کو دے آؤ۔

(اخبار ما تم صفحہ ۱۴۲۔ و کتب تواریخ)

## حضرت علیؑ کا دست امام حسینؑ میں علمدار کر بلا کا ہاتھ دینا

اب حضرت علیؑ علیہ السلام کی عمر کے آخری لمحات گزر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹوں کا انتظام شروع فرمایا۔ اور ہر ایک کو مناسب امور و احکام سے باخبر کیا۔ سب سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ تم لوگ فرزند رسول ﷺ الثقلین حسنؑ و حسینؑ کی نصرت و اطاعت سے منہ نہ موڑنا۔ پھر امام حسنؑ کے ہاتھوں میں تمام اولاد کا ہاتھ دیا اور امام حسینؑ کے ہاتھوں میں دست حضرت عباسؑ دیا۔

## حضرت علیؑ کا اپنی اولاد کو وصیت فرمانا:

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عباسؑ اور دیگر اولاد کو جو طعن فاطمہ سے نہ تھی طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ ”وصیت میکنم شمارا آباں کہ مخالفت نہ کنید حسن و حسینؑ را خدا شمارا صبر و ہد در مصیبت من۔“ میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ فرزند ان رسول ﷺ الثقلین صلعم حسنؑ و حسینؑ کی ہمیشہ یاری کرنا۔ اور کبھی ان کی مخالفت دھیان میں بھی نہ لانا۔ میں تم سے

رخصت ہوتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا کرے۔ (حشف الانوار ترجمہ بحار ج ۹ ص ۲۱۷)  
 علامہ کلینی چھ سندوں سے ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے  
 بارہ بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا۔ ”ان ہذین ابنا رسول اللہ ﷺ فاسمعوا لہما واطیعوا  
 واذروہما“ دیکھو یہ میرے دونوں نور نظر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ ان کے فرمان  
 کو گوش دل سننا اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا اور ہر قسم کی امداد میں سینہ سپر رہنا۔

(اصول کافی ص ۳۱ طبع ایران ۱۳۸۱ھ)

حضرت علی نے امام حسن کے ہاتھ میں سب بیٹوں کے ہاتھ دے دئے:

وصیت فرمانے کے بعد آپ نے حضرت عباس کے علاوہ اپنے تمام فرزندوں کے  
 ہاتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دئے۔ یعنی آپ نے سب کو امام حسن کے سپرد  
 کر دیا۔ (کتب توارخ و مقاتل)

جناب ام البنین کا اضطراب:

جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس نے جب یہ دیکھا کہ اپنے سب فرزندوں کو  
 حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا ہے مگر میرے نور نظر ”عباس“ کو کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ تو  
 آپ بے انتہا پریشان ہوئیں اور کمال اضطراب میں گہرا کر عرض کیا۔ میرے سر تاج! میرے آقا!  
 میرے مالک! کیا اس ناچیز کینفر سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے۔ یا حسین کے خادم عباس سے کوئی  
 قصور ہو گیا ہے؟ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے دریافت فرمایا۔ کیوں ام  
 البنین کیا بات ہے۔ عرض کی مولا! آپ نے سب بیٹوں کو امام حسن کے سپرد فرمایا ہے اور خادمہ  
 زادہ ”عباس“ کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جا رہا ہے۔

حضرت علی کا گریہ:

جناب ام البنین کے اس مضطربانہ سوال پر حضرت علی رو پڑے۔ فیکسی امیر  
 المومنین وقال یا ام البنین لو تعلمین وما تقولینی۔ اور فرمایا۔ اے ام البنین! اگر تم  
 اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ عرض کی۔ مولا آگاہ فرمائیے۔ میں تو یہی چاہتی  
 ہوں کہ میرے فرزند کا ہاتھ بھی حسن کے دست مبارک میں دے دیا جائے۔

دست حسینؑ میں علمداز کا ہاتھ:

حضرت علی نے تاجدار کر بلا امام حسین علیہ السلام کو قریب بلایا اور عباس علمدار کو بھی

طلب فرمایا اور امام حسینؑ کے دستِ مبارک میں ان کے قوت بازو علمبردار کر بلاعباس بن مرتضیٰ کا ہاتھ دے کر ارشاد فرمایا۔ بیٹا یہ تمہارے سپرد ہے۔ میں اسے تمہاری غلامی میں دیتا ہوں۔ پھر حضرت عباس سے فرمایا۔ بیٹا یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی رفاقت اور ان کی امداد تمہارا عین فریضہ ہے۔ جب یہ کر بلا کے میدان میں دشمنوں کے زمرہ میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا۔ (ریاض القدس ص ۶۹۔ خلاصۃ المصاب ص ۱۰۰ طبع نو لکھنؤ ۱۲۹۳ھ۔ فضائل الشہداء باب ۲۔ ف ۹۔ ص ۱۱۱)

علامہ کثوری لکھتے ہیں۔ ”وفوض امر العباس الی الحسین ولم يفوض الی غیرہ“ حضرت علیؑ نے جناب عباس کو امام حسین علیہ السلام کے سپرد کیا اور کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ (پانچین ص ۳۴۱۔ مرقات الایقان ج ۱۔ صفحہ ۴۰) جناب ام البنین اس خصوصی اعزاز کو ملاحظہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔

### شہادت حضرت علیؑ پر جناب عباس کا سر ٹکراتا:

حضرت امیر المومنین وصیت سے فارغ ہو چکے اور تمام ضروری امور سے فرصت کے بعد خالق کائنات کی طرف روائی کے حالات ظاہر فرمانے لگے اور ۲۳ سال کی عمر میں شب جمعہ ۲۱ رمضان کو نصف شب گزرنے کے بعد تمام اعزاء و اقربا احباب خادم اور اولاد کو ہاتھ ملتا چھوڑ کر راہی جنت ہو گئے۔ ”انا لله وانا الیہ راجعون“ آپ کا انتقال فرمانا تھا کہ اہل بیت کرام نے فلک شکاف نالے شروع کر دیے۔ کوفہ کی ہر گلی کو چہرے سے صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ تمام بی بیایاں بے حال تھیں۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ مچوٹا تھا۔ ہر ایک اپنے احساس کے موافق رونے میں مشغول تھا۔

ملا محمد حسین واعظ لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عباس فرط غم کی وجہ سے اپنے سر کو بار بار دیوار خانہ سے ٹکراتے تھے۔ (اخبار ماتم ص ۱۵۲ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ)

### صعصعہ بن صوحان کا ادائے تعزیت کے لئے آنا:

آپ کی شہادت واقع ہو چکی۔ آپ کی اولاد اور شیعوں نے غسل و کفن کے بعد آپ کی خریدی ہوئی زمین نجف اشرف میں آپ کو دفن کر کے حسب وصیت قبر کو پوشیدہ کر دیا۔ (ناخ) اس کے بعد گھر واپس آئے۔ لوگوں نے تعزیتیں ادا کیں چنانچہ جناب صعصعہ بن صوحان جو حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ دولت سرائے امامت پر حاضر ہوئے اور ”فرداں گبریت۔ آل گاہ امام حسن و امام حسین و محمد و جعفر و عباس و یحییٰ و عیون و عبید اللہ و دیگر فرزندان امیر

المومنین علیہ السلام را تعزیت بگفت۔“ بے انتہا گریہ کے بعد حسین اور عباس وغیرہ کو تعزیت ادا کی اور بصدرِ نوح و الم واپس گئے۔ (ناخ التوارخ۔ ج ۳۔ ص ۶۸۱)

اللہ اکبر! حضرت علی شہید ہو گئے اور ان کے ہمدرد تعزیت ادا کر رہے ہیں۔ مگر معاویہ خوشیاں منارہے ہیں۔ خبر شہادت پاتے ہی سجدہ شکر ادا کیا۔ (مرقات الایقان۔ ج ۱۔ ص ۱۶۱)

**حضرت علی کی شہادت کا قطعہ تاریخ:**

ملاحمہ عبد الجلیل حنفی ساکن یوسف زئی ضلع مردان من مضافات پشاور نے آپ کی تاریخ وفات اپنی کتاب سیف الملقین علی اعناق المکرین۔ ج ۲۔ طبع لکھنؤ ۱۲۱۸ھ باب ۵۔ سلسلہ چہارم کے ص ۲۴۷ پر آپ کا قطعہ تاریخ شہادت لکھا ہے۔

آنکہ زوج بتول حق بودہ ابن عم رسول حق بودہ  
گر تو سال شہادتش جوئی۔ سراپا تم چرائی گوئی

ایں سخن بس بود بصاب غم کہ سرا تم است ایں ماتم  
باز سال شہادتش رجلی است یگماں آخری دو حرف علی است

پھر لکھتے ہیں:

صدائے غیب بگو شمع رسیدائے ناظم  
سن شہادت حیدر زیم ”احمد“ گیم

## شہادت حضرت علی اور جناب ام المومنین

جس طرح جناب خدیجہ کی حیات میں پیغمبر اسلام ﷺ نے کوئی عقد نہیں فرمایا اسی طرح حضرت علی نے بھی حیات فاطمہ زہرا علیہا السلام تک کوئی عقد نہیں کیا۔ شہادت جناب فاطمہ کے بعد آپ نے آٹھ عقد کئے ہیں ان آٹھ بیویوں میں سے پانچ نے حضرت کی حیات میں ہی انتقال کیا۔ اور بعد از شہادت امیر المومنین ستن زندہ بود تختین اسماء عیسیٰ (مادر محمد بن ابی بکر) دوم ام المومنین (مادر حضرت عباس) سہ دیگر خولہ حنیفہ (مادر محمد ابن حنیفہ) ناخ۔ ج ۳ ص ۷۰۴۔ یحییٰ۔ ان بیویوں نے یہ احساس رکھتے ہوئے کہ حضرت علی ان سب کا بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کو چاہا کرتے تھے۔ یہ طریقہ زندگی رکھا کہ حضرت کی شہادت کے بعد ”لم یزوجن بعده“ ان بیویوں نے اپنا پھر کوئی عقد نہیں کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب مازندانی ج ۲۔ ص ۲۲ طبع بمبئی)



جہاں تک تاریخی تحقیق کا تعلق ہے۔ آزادی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تین بیویوں میں جناب ام البنین کو فوقیت ہے یعنی ان سب بیویوں نے جو بعد امیر المومنین عقد نہیں کیا ان میں قابل مدح صرف ایک ام البنین تھیں۔ اس لئے کہ ان میں یہی ایک بیوی ہیں جن کا عقد حضرت علی کے ساتھ پہلا عقد تھا اور دوسری بیویوں کا پہلا عقد نہ تھا۔

ناخ۔ ج ۳ ص ۷۰۲ میں ہے کہ خولہ حنفیہ پہلے مکمل غفاری کے عقد میں رہیں۔ ان سے ایک لڑکی۔ عمو نہ نامی پیدا ہوئی۔ پھر حضرت علی کی خدمت میں آئیں ان سے محمد ابن حنفیہ (متوفی ۸۱ھ پیدا ہوئے۔ صفحہ ۷۰۳ پر مرقوم ہے کہ اسماء بنت عمیس سب سے پہلے جعفر ابن ابی طالب کے عقد میں رہیں۔ ان سے عبد اللہ۔ عون۔ محمد پیدا ہوئے۔ جعفر بن ابی طالب کے بعد حضرت ابوبکر کے عقد میں آئیں۔ ان سے محمد بن ابوبکر وغیرہ پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علی سے تزویج کی۔ اور ان سے یحییٰ ابن علی پیدا ہوئے۔

جناب ام البنین کا یہ عقد حضرت علی کے ساتھ پہلا عقد تھا۔ اب شہادت حضرت علی کے بعد خولہ حنفیہ اور اسماء بنت عمیس کا عقد نہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ جناب ام المومنین مامور حضرت عباس کا عقد ثانی نہ کرنا امتیازی شان رکھتا ہے۔

## حضرت علی کی نسل اور حضرت عباسؓ

اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کی نسل پانچ فرزندوں سے بڑھی۔ (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳) محمد ابن حنفیہ (۴) عباس ابن علی (۵) عمر ابن علی۔

(ناخ التواریخ ۳/۷۰ طبع بمبئی وغیرہ)

۱۔ امام حسن ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۲ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے آٹھ فرزند تھے۔ (۱) زید (۲) حسن ثنی (۳) عمر (۴) قاسم (۵) عبد اللہ (۶) عبد الرحمن (۷) حسن اثرم۔ (۸) طلحہ۔

۲۔ امام حسین ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ (۱) امام زین العابدین (۲) حضرت علی اکبر (۳) جعفر (۴) علی اصغر

۳۔ محمد حنفیہ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں انتقال کیا۔ آپ کے چودہ بیٹے تھے (۱) علی (۲) جعفر سے نسل بڑھی۔

۴۔ حضرت عباس ۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے تین بیٹے تھے۔ (۱) فضل (۲) قاسم (۳) عبید اللہ۔ افضل وقاسم کربلا میں شہید ہوئے۔ عبید اللہ سے نسل بڑھی۔

عبید اللہ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) عبداللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔  
 ۵ عمر: ان کی ماں ام حبیبہ تھیں۔ اور بہن رقیہ۔ یہ ۸۵ سال تک زندہ رہے۔ ان کے ایک فرزند محمد  
 نامی تھے۔ جن سے مدوح کی نسل چلی۔ (نوٹ) (۱) حضرت علی کی اولاد کا شمار سادات میں ہے۔  
 لیکن انہیں بنی فاطمہ کا درجہ نصیب نہیں (۲) حضرت علی کی اولاد کی طرف اعران کا انتساب غلط اور  
 بے بنیاد ہے۔ (منہ)

## حضرت عباسؓ کی شادی خانہ آبادی

گیارہ سال کی عمر میں معرکہ صفین جھلا۔ تقریباً چودہ سال کے سن میں باپ کے سایہ سے محروم  
 ہوئے۔ دن گزرے۔ راتیں گزریں۔ نام خدا پورے طور پر جوان ہوئے۔ ماں کے دل میں شادی کی  
 تمنا تو تھی ہی۔ امام حسین سے کہا۔ سلطان دو عالم! کیا اچھا ہوتا اگر میرے نور نظر کا گھر آباد کر دیا جاتا۔  
 حضرت امام حسین علیہ السلام نے شادی کے انتظامات شروع کر دیئے۔ اور جناب عبید اللہ ابن عباس  
 بن عبد المطلب سے ان کی دختر نیک اختر لبابہ نامی کی خواستگاری کی، منظور ہوئی۔ اور عقد ہو گیا۔

جناب مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی نے آپ کی زوجہ کا اسم گرامی ذکیہ تحریر  
 کیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا  
 نام نامی لبابہ تھا۔ لسان الملک اولاد حضرت عباس کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ”وآزرا لبابہ دختر  
 عبید اللہ ابن عباس بن عبد المطلب دو پسر بود۔“ یکے فضل و دیگر عبید اللہ نام داشت۔ کہ حضرت عباس  
 کے لبابہ سے دو فرزند تھے۔ ایک فضل دوسرے عبید اللہ۔ الخ۔ ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۹ بمبئی  
 علامہ ابن قتیبہ عبید اللہ ابن عباس علمبردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”امہ لبابہ بنت عبید  
 اللہ بن عباس“ عبید اللہ کی ماں کا نام لبابہ تھا۔ المعارف ص ۹۶ طبع مصر ۱۳۵۳ھ کبریت احمر

## حضرت عباسؓ علیہ السلام کی تعداد اولاد

حضرت عباس علیہ السلام کی اولاد میں سخت اختلاف ہے (۱) علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں  
 کہ حضرت عباس کے ایک ہی فرزند عبید اللہ تھے۔ (المعارف ص ۹۶ مصری) ۲ لسان الملک تحریر  
 فرماتے ہیں کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک فضل دوسرے عبید اللہ (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۹  
 طبع بمبئی) و شجرہ طوبی ج ۱ ص ۱۲۶ (۳) جناب خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق  
 بلگرامی رقمطراز ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی۔ صاحبزادوں میں ایک  
 کا نام فضل اور دوسرے کا عبید اللہ تھا (ذخ عظیم ص ۲۱۰ طبع دہلی)۔

## تبصرہ:

نمبر ۱ کے متعلق عرض ہے کہ حضرت عباس کے صرف ایک فرزند تسلیم کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی اولاد کر بلا میں بھی شہید ہوئی۔ اور ان کی نسل بھی بڑھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ابن شہر آشوب، البصار العین، تلخیص المقال۔ عمدۃ الطالب وغیرہ۔ ایک ہی فرزند کا کسی میں شہید ہو جانا اور پھر اس سے نسل کا بڑھنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ کی اولاد ایک سے زائد تھی۔

نمبر ۲ کے بارے میں عرض ہے کہ انہوں نے حضرت عباس کی اولاد کو صرف دو میں منحصر کر دیا ہے یہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک فرزند کا مدینہ میں ہونا اور دو کا کر بلا میں شہید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نمبر ۳ کے بارے میں عرض ہے کہ آپ نے مرثیوں کے بھر دوسہ پر دو فرزند اور ایک دختر تحریر کر دی ہے۔ علامہ محمد باقر قاسمی خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض قراء مرثیٰ می خوانند کہ ابالفضل را دخترے بود نامزد حضرت علی اکبر۔ پس آں علی الظاہر از جعلیات است۔ بعض مرثیہ خوان پڑھتے ہیں کہ حضرت عباس کی ایک لڑکی تھی جو علی اکبر سے منسوب تھی۔ بالکل جعلی اور فرضی ہے۔ (کبریٰ احرص ص ۲۳)

الضیاح: ناظرین کرام! ابن قتیبہ نے آپ کی اولاد ایک اور صاحب نامخ نے دو بتلائی ہیں میں واضح کر چکا ہوں کہ دو سے زیادہ کا احتمال ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ ابواسحق اسرافیلی نورالعین فی مشہد الحسین کے صفحہ ۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس جب رخصت آخری کے لئے تشریف لائے تو ان کے دو بچے دامن سے لپٹ کر پانی کی فریاد کرنے لگے۔ ”وکان لہ زوجۃ وولدین“ الخ پھر ص ۶۱ پر تحریر کرتے ہیں کہ خیمہ سے دو ماہر بچے نکلے۔ ”احدہما ابن العباس والثانی اخیه القاسم“ ایک حضرت عباس کے بیٹے اور دوسرے انہیں کے بھائی قام اور امام حسین علیہ السلام سے اذن جہاد مانگنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ ”کفما قتل والدکم“ تم دونوں کے لئے تمہارے باپ کا قتل ہی کافی ہے۔ غرض کہ پھر حضرت عباس کے ایک فرزند کو اجازت ملی اور وہ میدان میں گیا۔ رجز پڑھی۔ (۲۵۰) آدمیوں کو قتل کیا اور شہید ہو گیا۔ پھر دوسرا بھائی نکلا۔ رجز پڑھی ۲۸۰ آدمیوں کو قتل کیا۔ اور شہید ہو گیا۔

پھر ان کے علاوہ علامہ محمد باقر بن محمد حسن خراسانی قاسمی کبریٰ احرص کے تیسرے جزمی بہ مبین الاساس فی احوال ابی الفضل العباس کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔ ”پس دو جوان از خیمہ بیرون آمدند مثل دو ماہر یکے محمد بن عباس و دیگرے برادر او قاسم بن عباس بود۔“ کہ خیمہ سے دو نو خیز لڑکے باہر آئے جو ماہر و تھے۔ ایک محمد بن عباس اور دوسرے ان کے بھائی قاسم بن عباس امام حسین نے

فرمایا۔ تم دونوں کے لئے تمہارے باپ عباس کی شہادت کافی ہے۔“  
علامہ شبیر نے اپنی کتاب البصار العین میں حضرت عباس علیہ السلام کے بعد دو کسمن بچوں کی شہادت کا حوالہ دیا ہے۔ ترجمہ البصار العین ص ۲۸ طبع حیدر آباد) علامہ قزوینی اپنی کتاب ریاض القدس وحدائق الآس ج ۲ کے صفحہ ۳۵۸ پر لکھتے ہیں کہ جب شام سے اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ پہنچا اور بشیر ابن جزم خبر لے کر داخل مدینہ ہوا تو حضرت عباس کے ایک فرزند سے ملاقات کی۔ الخ

ان تمام اقوال پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک فضل۔ دوسرے قاسم۔ تیسرے عبید اللہ۔ فضل جن کو بعض مورخین نے محمد لکھا ہے۔ (ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۹۹ و توضیح غرر ص ۲۲۰ طبع دہلی ۱۲۱۷ھ) اور قاسم کربلا میں شہید ہو گئے۔ (نور العین و ریاض القدس) اور عبید اللہ باقی رہے جن سے حضرت عباس کی نسل چلی۔ واللہ یعلم۔ واضح ہو کہ میری تحقیق کی تصدیق علامہ قزوینی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں ”عباس بن امیر راسہ پسر بود“ حضرت بن علی کے تین بیٹے تھے۔ (ملاحظہ ہو ریاض القدس ۲ ص ۶۲ طبع ایران ۱۳۳۲ھ)

## حضرت عباسؓ کی کنیت

مورخین کا اجماع ہے کہ آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ ”کان العباس بکنی ابنا الفضل“ مقتل عوام ص ۹۴ طبع ایران۔ تحد حسینہ ج ۱ ص ۱۷۵۔ الخ ج ۶ ص ۲۸۹ وغیرہ) یعنی فضل کے باپ ”حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اس کنیت سے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ کو یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سید الشہد نے بعد شہادت حضرت عباس مرثیہ کے طور پر یہ شعر پڑھا۔  
اخى كنت عوفى فى الامور جميعها ابا الفضل يا من كان بالنفس باذلا  
انے میرے قوت بازو ابو الفضل (العباس) تم ہی میرے تمام معاملات اور امور کے مختار اور مالک و گراں تھے تم نے میری رفاقت میں اپنی جان اسلام پر قربان کر دی۔

## وجہ کنیت:

کنیت کا استخراج دو ہی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اول اپنے بڑے بیٹے کے نام سے جیسے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کنیت آپ کے فرزند قاسم کی وجہ سے ”ابو القاسم“ تھی۔ تفسیر صافی۔ اور حضرت علی کی کنیت ابو الحسن تھی۔ دوسرے خصوصیت سے جیسے بقول علامہ قسطلانی آنحضرت ﷺ کی

کنیت ابو القاسم اس لئے تھی کہ تقسیم الحجۃ بین اہلھا۔ مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۱۹۵ المعنی حضور سرور کائنات صلم کی کنیت ابو القاسم اس لئے تھی کہ آپ جنتیوں کو جنت تقسیم فرمائیں گے۔ اخبار الفقہ امرتسر ۱۴/۷ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۲ کالم ۳۔) اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً حضرت عباس ہی کی کنیت (ابو القریبہ) اس لئے تھی کہ آپ کو مشک سیکنہ سے خصوصیت حاصل تھی۔ ابصار العین ص ۲۹۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابو الفضل کس طرح قرار پائی۔ میرے خیال میں آپ کی کنیت اس حیثیت سے بھی کہ آپ کے بڑے فرزند کا نام فضل تھا۔ اور اس حیثیت سے بھی کہ آپ فضائل و کمالات کے مالک تھے۔ ابو الفضل قرار پائی۔ علامہ عبدالرزاق قرطبی ہاشم صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک کنیت ابو القاسم بھی تھی جیسا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کی زیارت الرعین سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ السلام علیک یا القاسم السلام علیک یا عباس بن علی۔

## حضرت عباس علم الرجال میں

علم الرجال با علم درایہ ہی وہ علم ہے جس پر تمام روایات کی صحت و توثیق کا دار و مدار ہے۔ حضرت عباس اپنے کمال علمی میں اور نفس ذکی اور شرافت نفسی اور معرفت حقیقی کی وجہ سے اس منزل اہم میں بھی اعلیٰ درجہ رکھتے تھے علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ ”مکان عدلا، ثقة، تقیاً“ تقیاً“ حضرت عباس عادل اور ثقہ۔ متقی اور شریف طہیت و پاک سرشت تھے۔ (شیخ المقال۔ باب العین ص ۱۲۸۔ طبع ایران علامہ نے جو صفات حضرت کے لئے رقم فرماتے ہیں۔ روایت کی توثیق اور واجب القبول ہونے میں بس انہیں صفات کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

## حضرت عباس اور علم فقہ

علم فقہ و اصول ہی وہ علم ہے جو حلال خدا و حرام خدا اور دیگران چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جو ان کی معاشرتی زندگی میں مفید اور انسان کو احکام خدا پر عامل اور منہیات خدا سے روکنے والا ہے۔ دنیا میں سینکڑوں قسم کے علوم موجود ہیں۔ اور با فہم انسان ان میں کمالات حاصل کرتے ہیں۔ لیکن کسی کو مجتہد نہیں کہا جاتا۔ انسان اسی وقت مجتہد کہا جاتا ہے جبکہ اس علم فقہ میں اور اصول میں کمال تام رکھتا ہو۔ اور استنباط مسائل میں پوری صلاحیت کا مالک ہو۔

آج بھی علمائے کرام نجف اشرف جا کر باب العلم سے اسی علم فقہ و اصول کے جواہرات سے بالامال ہوتے اور مرتبہ اجتہاد حاصل کرتے ہیں۔

دنیاے اسلام کا اتفاق ہے کہ آج تک دنیا میں علی سے بڑا کوئی عالم نہیں گزرا۔ بعض

مورخین کہتے ہیں کہ ”علوم علی“ کے مظاہرہ کا موقع دیا گیا ہوتا تو دنیا علم کی وسعت کو سنبھال نہ سکتی۔ خود رسول اکرم ﷺ کی حدیث میں اعلمہم واقضائہم علی موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے آپ ہی کو باب مدینہ علم فرمایا ہے۔ حضرت علیؑ خود بھی فرمایا کرتے تھے۔ ”سَلَوْنِی قَبْلَ ان تَفْقِدُونِی“ ارے میرے دنیا سے اٹھ جانے سے قبل جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔ معزز مورخین مثلاً علامہ اجل فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا یہ وہ دعویٰ ہے جس کی جرات کسی اور اسلام یا غیر اسلام والے نے نہیں کی۔ اور نہ قیامت تک کر سکتا ہے۔ (اسد الغابہ۔ ج ۳ ص ۲۲ آپ فرماتے تھے: ”لَوْ ثَبِتَ لِی الْوَسَادَةُ“ الخ اگر میرے لئے مسد قضا (فیصلہ) بچھا دی جائے تو میں تورات والوں کو تورات سے، انجیل والوں کو انجیل سے، زبور والوں کو زبور سے، فرقان والوں کو فرقان سے تسلی بخش اور قطعی جواب دیدوں اور فیصلہ کر دوں۔

حضرت عباس اسی باپ کے فرزند ہیں۔ دنیا یہ نہ سمجھے کہ حضرت عباس صرف ایک وفادار اور شجاع انسان ہی تھے بلکہ وہ امیر المومنین کی طرح میدان وفا میں وفادار۔ میدان قتال میں شجاع۔ میدان علم میں زبردست عالم تھے۔ اور علم بھی کیسا علم فقہ جو سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ علامہ ماقالی لکھتے ہیں۔ ”قَدْ كَانَ مِنْ فَقَهَاءِ اَوْلَادِ الْاَئِمَّةِ“ حضرت عباس آئمہ طاہرین علیہم السلام کی فقیہ اولادوں میں ایک زبردست فقیہ تھے۔

(شیخ المقال۔ باب العن۔ ص ۱۲۸۔ طبع ایران)

علامہ قاضی خراسانی لکھتے ہیں۔ ”بَدَا لَکَ اَبُو الْفَضْلِ اِذَا کَانَ رَافِضِیًّا فَضْلُ فَقَهَاءِ وُعُلَمَاءِ اَهْلِ بَيْتِ بُود۔ بلکہ عالم غیر محتمل بود۔“ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عباس فقہائے آل محمد ﷺ اور علمائے اہل بیتؑ میں بڑی حیثیت کے مالک تھے بلکہ وہ عالم غیر محتمل تھے۔ (کبریٰ احمر ج ۳ ص ۳۵)

## کیا حضرت عباسؑ میں امامت کی صلاحیت تھی

حضرت عباس کی جلالت قدر کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرنا بجا نہیں کہ ان میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ آئمہ طاہرین کی امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کسی کو اس عہدے کے قبول کرنے کا اختیار نہ اپنے بعد کسی کو سپرد کرنے کا اختیار۔ اگر حضرت علیؑ جیسے بصیر انسان بھی یہ چاہتے کہ اپنے بعد مثلاً حضرت عباس کو امام بنادیں ”لَمْ یَکُنْ لِیْ فِعْلٌ“ یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ لطف رب عہدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص بندوں کے لئے معین ہے۔ (اصول کافی ص ۱۳۹ طبع ایران ۱۲۸۱ھ) حدیث مذکور سے جہاں حضرت عباس کی جلالت قدر کا پتہ چلتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمد ﷺ کا میدان امامت میں حضرت عباس کا ذکر فرمانا ہی صلاحیت کو واضح کرتا ہے۔ جناب

سر مہاراجہ علی محمد خاں صاحب مرحوم والی ریاست محمود آباد فرماتے ہیں۔  
مثل بسطین انہیں عالم کی ریاست ملتی بطن زہرا سے جو ہوتے تو امامت ملتی

## حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عباسؑ

۴۰ھ میں حضرت علیؑ نے شہادت پائی۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت حسن علیہ السلام ظاہری خلیفہ قرار پائے۔ ان چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی جنہوں نے جنگ معاویہ کے لئے علی سے بیعت کی تھی۔

دفعۃً معاویہ نے آپ پر چڑھائی کر دی اور چھ ہزار کی فوج لے کر مقام مسکن میں اتر پڑا جو بغداد ہے دس فرسخ تکریب کی جانب اوانا کے قریب ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے جب اس چڑھائی کی خبر سنی مجبوراً اس کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑھے۔ فوج کا بڑا حصہ اپنے ہمراہ لے کر کوفہ سے ساباط میں جا ٹھہرے اور بارہ ہزار کی فوج قمیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی طرف روانہ کر دی۔ اسی دوران میں معاویہ نے خفیہ طور پر یہ فریب شروع کر دیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیج کر امام حسن کی فوج میں مشہور کر دیا کہ حضرت حسن کے سپہ سالار قمیس نے معاویہ سے صلح کر لی۔ دونوں فوجوں میں اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ بغاوت شروع ہو گئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ دوش پر سے روا اتاری۔ بعض گمراہوں نے رشوت کے زور پر حضرت کو معاویہ کے حوالہ کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت کمال صدمہ کی حالت میں وہاں سے گورنر مدائن سعد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک خارجی نے راستہ میں موقعہ پا کر آپ کی ران میں ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک اتر گیا۔ آپ اسی حال میں قصر مدائن تک پہنچے۔ سعد نے دوا دوش کی۔ حضرت اچھے ہو گئے۔ آپ ۶۱ ماہ ۳ یوم خلافت کے بعد ۲۴ ربیع الاول ۴۱ھ کو مدائن کا زمانہ دشمن اہلیت سے صلح کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ (تاریخ آئمہ ص ۳۳۲)

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کو چین سے رہنے نہ دیا گیا۔ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے جو امام حسن کی زوجیت میں تھی۔ حضرت کو شہد میں زہر ملا کر دیا۔ آپ بچ گئے۔ پھر خرمہ میں زہر دیا لیکن آپ اچھے ہو گئے مگر طبیعت صاف نہ ہوئی۔ تبدیل آب و ہوا کی سخت ضرورت تھی۔ لہذا آپ موصل کی جانب روانہ ہوئے۔

## حضرت عباس کا امام حسن کی معیت میں ہونا:

اب نام اللہ تعالیٰ حضرت عباس کم و بیش چندرہ سال کے ہیں۔ بھائی کو موصل کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر عرض کی۔ بھائی! خادم بھی ہمراہ ہی چلے گا۔ تاکہ خدمت گزاری کا شرف حسب

دستور حاصل کرتا رہے۔ بھائی نے اجازت دی۔ حضرت عباس علیہ السلام ہمراہ روانہ ہوئے۔  
فاضل شہر لکھتے ہیں:

”با عباس برابر با جان خویش جمع شیعہ باموصل تشریف برو۔“ آپ حضرت عباس اور کچھ شیعہوں کو لے کر موصل تشریف لے گئے۔ اور ایک مدعی محبت کے گھر میں قیام فرمایا۔ چند دنوں کے بعد معاویہ کی سازش سے اس کی بھی نیت بدل گئی اور اس نے بھی زہر دے دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا کی۔ پھر ایک ملعون نے عصا کی آہنی انی کو زہر میں بچھایا اور اسے لے کر مسجد کے باہر چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو اس نے وہ زہر میں بچھی ہوئی عصا کی انی حضرت کے پاؤں میں چھو دی جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی۔ اصحاب نے اسے گرفتار کر لیا اور پوچھا کہ اسے سزا دی جائے۔ آپ نے فرمایا جانے بھی دو۔ یہ قیامت میں اندھا محسوس ہوگا۔ جب زہر نے زیادہ زور کیا اور جراح نے زخم کو خطرناک بتلایا۔ تو اصحاب نے ملزم کے چھوٹ جانے پر اظہارِ افسوس کیا۔

### حضرت عباس نے سزا دے دی:

ایک دن وہی ملعون موصل سے کہیں باہر جا رہا تھا۔ حضرت عباس کی نظر پڑی۔ شیر کے سامنے رو باہ آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں عصا بھی وہی تھا۔ حضرت کو جلال آ گیا۔ اور عصا پھینک کر اس کے سر نجس پر لگایا۔ سر شگافہ ہو گیا۔ الخ ”طوفان بکا“ (شعلہ چہارم طبع ایران ۱۳۱۵ھ)

### شہادت امام حسنؑ پر عباسؑ کی حالت:

۵۰ھ کا ماہ صفر آ گیا۔ معاویہ کی سازش سے جعدہ بنت اشعث نے ایسا زہر دیا جس نے آپ کو جانبر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ آپ ۲۸ صفر ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء شہید ہو گئے۔ (معتمد الساکبہ ص ۲۴۰) آپ کی شہادت پر تمام مدینہ منورہ میں کھرام برپا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کے گھر میں ماتم برپا نہ ہو۔ فاضل شہید لکھتے ہیں۔ جہاں تمام متولین آپ کی شہادت سے گریاں تھے حضرت عباس بھی رورہے تھے۔ اور کمال رنج کی وجہ سے ”رنگ از روئے عباس پر بدہ“ آپ کے چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اور آپ بے پناہ گریہ کر رہے تھے۔ (طوفان بکا۔ شعلہ دوم طبع ایران ۱۳۱۴ھ)

### نوٹ:

علمائے اہل سنت و اہل تشیع کا اس پر اتفاق ہے کہ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو یہ لالچ دلائی کہ اگر تو امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دے اور یزید کے واسطے خلافت کا راستہ صاف کر دے گی تو ایک لاکھ درہم دوں گا۔ اور یزید کے ساتھ عقد کر دوں گا۔ پھر اس نے زہر بھیجا۔ جعدہ نے روزہ دار امام کو زہر دے دیا۔ (تاریخ ابوالفداء ج ۱۔ ص ۱۸۳۔ مروج الذهب بر حاشیہ کامل۔



ج ۶ ص ۱۵۵۔ تاریخ اٹھم کوئی ص ۳۵۵۔ روضۃ الصفاق ج ۳ ص ۷ حبیب السیر ج ۲ ص ۱۸  
 تاریخ طبری فارسی ص ۶۰۴۔ تاریخ اوکلی ص ۳۳۶) آپ کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ امام  
 حسین نے پوچھا۔ بھائی اللہ تعالیٰ کے لئے بتاؤ کس نے زہر دیا۔ ”قسال مسا سوالک عن  
 هذا“ امام حسن نے فرمایا: اے حسین! یہ کیوں پوچھتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس سے دنیا میں عوض  
 لوں۔ پھر آپ نے پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کرنے کی وصیت کی۔ اور فرمایا کہ اگر لوگ مانع  
 ہوں تو پھر جنت البقیع میں دفن کر دینا امام حسین غسل و کفن سے فارغ ہو کر جنازہ کو دفن کرنے کے  
 لئے لے چلے۔ (اسد الغابہ۔ مروج الذهب مسعودی۔ ارجح المطالب۔ روضۃ الشہداء) آپ کو  
 پہلوئے رسول ﷺ میں دفن کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے روکا جو چالیس سواروں کے  
 ساتھ خنجر پر سوار موقعہ پر موجود تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں کہ میں اجازت نہیں دیتی۔ کیوں میرے گھر  
 میں گھسے آتے ہو۔ (روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل ج ۱۱ ص ۱۳۳۔ تاریخ اوکلی ص ۳۳۶۔ تاریخ  
 ابوالقد۔ ج ۱ ص ۱۸۳۔ تاریخ ایردگ ص ۱۹۷) ابن عباس نے کہا۔ ”تجملت تبغلت ولو  
 عشت تضلیت۔ لک التسع من الثمن و بالکل تملکت“ اے عائشہ تمہارا حجب حال  
 ہے۔ کبھی تو اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؓ سے لڑنے جاتی ہو۔ کبھی خنجر پر سوار ہو کر فرزند رسول  
 ﷺ کے دفن سے مانع ہوتی ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر تم کچھ اور دن زندہ رہیں تو ہاتھی پر  
 بھی چڑھ کر جنگ کرو گی۔ آج تم سارے روضہ رسول ﷺ کی مالک بن بیٹھی ہو۔ حالانکہ  
 ازواج والے آٹھویں حصہ میں سے نویں حصہ کی مالک ہو۔ (مناقب شہر آشوب۔ ج ۵ ص ۶۵  
 و شمار الانوار اور روضۃ الصفاق ج ۳ ص ۷ غرضکہ عائشہ و مروان والوں نے امام کے لاشے پر تیر  
 برسائے۔ ستر تیر آپ کے تابوت میں پیوست ہو گئے (روضۃ الفصا) ج ۳ ص ۷) علماء نے لکھا  
 ہے کہ اس وقت حضرت عباس کے تیور بدل گئے اور آپ جوش علوی دکھانے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن  
 امام حسین علیہ السلام نے آپ کو روکا۔ اور لاشہ کو جنت البقیع میں لے کر چلے اور وہیں دفن کر دیا۔  
 بنی امیہ میں سے کوئی بھی آپ کے دفن میں شریک نہ ہوا۔ (روضۃ الشہداء ج ۳ ص ۲۳۳۔ ارجح  
 المطالب ص ۳۵۵۔ اسد الغابہ) آپ کی خبر شہادت جب معاویہ کے کانوں تک پہنچی تو اس نے  
 تکبیر کہی اور سجدہ شکر ادا کیا۔ (ارجح المطالب ص ۳۵۶۔ تاریخ طبری۔ نزل الابرا ص ۵۔ عقد  
 الفرید ج ۲ ص ۲۱۱ تاریخ ترمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۸ حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۵۱)

۱۔ اس سے واقعہ جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے نکلی  
 تھیں۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے بعد آپ سخت نام ہوئیں اور اپنے اس سنگین جرم پر اس قدر روپا کرتی تھیں کہ آپ  
 کی اور صفیٰ تر ہو جایا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو عبد اللہ محمود مکی کی کتاب الاعتقاد و تغیر بحر محیط ص ۲۳۰ و ارجح المطالب ص ۷۰۰

## حضرت عباس اخلاق کی دنیا میں

علما کا بیان ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام رعب و جلال کے باوجود خلق عظیم کی تصویر اور خلق حسن کے مرقع تھے۔ اپنے اور پرائے سب سے اخلاق کے ساتھ پیش آنا آپ کی سرشت میں داخل تھا لیکن حضرت امام حسین کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق برتتے تھے۔ علامہ قزوینی لکھتے ہیں۔

سلوک عباس بن علیؑ بابرادراں بود کہ در حضور برادر می نشست۔ و بیچ وقت برادر را برادر خطاب نہ کرو۔ ”حضرت فرمود اے برادر۔ چرا مرا برادر نمی خوانی۔ عباس عرض کرد۔ فدایت شوم من و تو گر نسل یک پدرم۔ اماماد من کثیر مادر تست۔ یعنی حضرت عباس کا اخلاقانہ برتاؤ اپنے بھائی کے ساتھ یہ تھا کہ آپ کبھی اپنے بھائی کو بھائی کہہ کر مخاطب نہ کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک دن یہ فرمایا بھیا عباس کیا وجہ ہے کہ تم مجھے کبھی بھائی کہہ کر نہیں پکارتے۔ عرض کی میری جان آپ پر ثار۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ میں اور آپ ایک نسل پدری سے ہیں۔ لیکن میری ماں آپ کی مادر گرامی کی خادمہ ہے۔ کہاں میں اور کہاں آپ کی ذات والا صفات۔

(ریاض القدس۔ ج ۲۔ ۶۷)

علامہ خراسانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ میں ”جمع فضائل و اخلاق حسنہ نجو اتم و مکمل در وجود آن سرور و مہتر عالم مجتمع بود۔“ تمام فضائل و اخلاق حسنہ پورے طور پر موجود تھے۔ (کبریت احرص ۳۷)

## حضرت عباس علیہ السلام کی بصیرت

حضرت صادق آل محمدؑ حضرت عباسؑ کی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”کان عننا العباس بن علی علیہ السلام ناقد البصیرت صلب الایمان الخ“

(عمدة الطالب ص ۳۲۳۔ ومعة الساکبہ ص ۳۳۷۔ مقاتل الطالبین)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان صفات سے یاد فرمانا اور اس کی تصدیق کرنا واضح کر رہا ہے کہ حضرت عباسؑ انسان کامل اور بڑے مستقل مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ہوشیار و فادار جانیاز اور بہادر تھے۔

علامہ کثوری لکھتے ہیں کہ بصیرت نام ہے امور دین اور مسائل اعتقادیہ میں تبصرہ اور

غور و فکر کا اور نافذ کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے والے کے ہیں۔ ”فالمراد بناقد البصيرة انه كان ميزابين الحق والباطل من الامور الاعتقادية“ حضرت عباس علیہ السلام کے ناقد البصيرة ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اعتقادی امور میں حق و باطل کے اندر کامل تمیز رکھنے والے تھے اور ایمان کے تمام مدارج پر فائز تھے۔ امام علیہ السلام نے اسی کو لفظ صلب الایمان سے یاد فرمایا ہے ”و هو نتیجہ کونہ ناقد البصيرة فانه من كان يديم النظر في المعارف الالهيه فلا محالة ينكشف عنده الحقائق الايمانية“ دراصل صلب الایمان ہونا ناقد البصیرت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ جو معارف الہیہ میں ہر وقت غور و فکر کرتا رہے گا۔ اس پر لامحالہ ایمانی حقائق روشن ہو جائیں گے (ماثنین فی مقتل الحسین ص ۴۴۴) پھر علامہ کنوری آگے چل کر لکھتے ہیں کہ صلب الایمان اور ناقد البصیرت ہونا ”فہی بینة علی کون العباس فائزا باعلی درجۃ المعرفت والعمل“ یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام معرفت اور عمل کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ (ماثنین ص ۴۶۲)

## حضرت عباس کی عصمت کی بحث

### عصمت کے لغوی معنی:

عصمت کے لغوی معنی۔ المنع یا ملکہ اجتناب معاصی اور خطا کے ہیں المنجد ص ۵۳۳۔ صاحب مجمع البحرین لکھتے ہیں: ”المعصوم الممتنع من جميع محارم الله“ معصوم اسے کہتے ہیں جو تمام محارم اللہ تعالیٰ سے باز رکھا گیا ہو۔ (مجمع البحرین۔ ع۔ م۔ طبع ایران۔

### عصمت کے اصطلاحی معنی:

عصمت اس شخص لطف الہی کو کہتے ہیں جو ان خاص بندوں پر کیا جاتا ہے جنہیں امکانات خطا و معاصی کی پوری طاقت کے باوجود اجتناب کی کامل اور حتمی صلاحیت ہوتی ہے۔ (شرح باب حاوی عشر صف ۵۳ طبع نولکشور) علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ معصوم ترک گناہ پر مجبور نہیں لیکن خداوند عالم اس پر ایسا لطف خفی کرتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ترک معصیت کو لازم جاننے لگتا ہے۔ یا قوت عقل۔ فطانت ذکاوت اور صفائی باطن اور اخلاق حسنیہ کی وجہ سے وہ محبت خداوندی کا مالک بن کر ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ شہوات نفسانی اور خیالات شیطانی اس کے پاس نہیں آنے پاتے۔ اور جمال ایزدی اور جلال و عظمت الہی اس کے دل پر جلوہ فگن ہو جاتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے کو منظور نظر پروردگار عالم جانتے ہوئے معصیت سے پرہیز کرتا

اور رضائے الہی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس کے دل میں کسی وقت معصیت کا خیال آ جاتا ہے تو وہ جلال الہی کے خوف کی وجہ سے باز رہتا ہے۔

(حقائق باب ۴۔ صفحہ ۲۷۷۔ طبع ایران)

عالم اہل سنت فاضل روز بہان نے ابطال الباطل میں عصمت کو ملکہ لکھا ہے یعنی ایسا ملکہ جس کے ذریعہ سے گناہان کبیرہ سے اکثر بچتا رہے۔ گاہے ماہے۔ میں مضائقہ نہیں کیونکہ کلیات ابی البقا۔ جو اہل سنت کے نعت کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی کے مذہب کے موافق عصمت نام ہے معصیت کی قدرت نہ ہونے کا۔ اور ایسی بات کے پیدا ہو جانے کا جو معصیت سے مانع ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجبور نہ کیا جائے۔ اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اختیار نہ رہے۔ اسی قول کا مطلب بدایہ میں مرقوم ہے: ”معناہ یعنی قول ابو منصور انہا لا تجبرہ علی الطاعت ولا تعجزہ عن المعصیت بل ہی لطف من اللہ یحمل العبد علی فعل النخیر ویزجرہ عن فعل الشرع بقاء الاختیار“ یعنی عصمت وہ صفت ہے جو اطاعت گزاری پر مجبور نہ کرنے۔ اور نہ معصیت کرنے سے عاجز بنائے۔ بلکہ یہ ایسا لطف ہے جو اختیارات کے باوجود امور خیر پر ابھارتا اور برے کاموں سے ڈراتا رہے۔ بہر حال یہ وہ صفت اور ایسا لطف ہے جو خداوند عالم کے خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن میں انبیاء و اوصیاء وغیرہ داخل ہیں۔ ان لوگوں کے نفوس ان کے قابو میں ہوتے ہیں۔

(بھگوت گیتا ۵/۲۵)

### حضرت عباس کا معصوم ہونا:

اب رہ گیا یہ کہ حضرت عباس معصوم ہیں یا نہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ علامہ مجلسی نے کشف الانوار ترجمہ بحار۔ ج ۹ ص ۴۲۳ طبع ایران ۱۳۹۵ھ) اور علامہ محمد باقر خراسانی نے کبریٰ تاحر کے تیسرے جزیں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ”الان انکسر ظہری“ فرمانے کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ ”امام مظلوم اور شہادت آں معصوم فرمود: ”الان انکسر ظہری“ کہ حضرت امام حسین نے اس معصوم (عباس) کی شہادت پر فرمایا۔ اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (کین الاساس فی احوال ابی الفضل العباس ص ۲۸) اس سے بھی آپ کی عصمت کا پتہ چلتا ہے)

علامہ درندی حضرت عباس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ”ان بعض الفقہرات من بعض الزیادات الماثورہ بفیدہ انہ کان من اہل العصمت و من ملومہ من العلوم

السُّلَیْمِیَّةُ“ ان زیارات کے بعض فقروں سے جو آئمہ معصومین علیہم السلام سے مروی واثور ہیں۔ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عباس معصوم بھی تھے اور علم لدنی کے بھی مالک تھے۔ اسرار الشہادت ص ۳۷۰ جواہر الاقبال در بندی۔ علامہ ہروی نے موعظہ حسنہ کے ص ۲۵۶ پر حضرت علی اکبر کو بھی داخل معصومین تحریر کیا ہے۔

### حضرت عباس علیہ السلام کی عصمت کا مطلب:

بعض علماء نے حضرت عباس علیہ السلام وغیرہ کو معصوم تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں ایسے مواقع پر عصمت سے حفاظت اور معصوم سے محفوظ مراد ہوگا اس لئے کہ عصمت اصطلاحیہ کے لئے اجماع اور نفس کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان کی عصمت پر نہ نص ہے اور نہ اجماع علماء ناچیز مؤلف نے اپنے رسالہ ”پیغمبر اسلام ﷺ کے بارہ جانشین“ میں آئمہ اثنا عشری کی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب ”تخفہ اثنا عشریہ“ ص ۳۹ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی دیگر علماء اہل سنت کی طرح عصمت آئمہ کے قائل ہیں جس کی تعبیر لفظ محفوظ سے کی ہے۔ اور محفوظ اصطلاح شرعی میں ان لوگوں کو کہتے ہیں۔“  
”فلا یصدر عنہم الذنب والخطاء مع جواز الصدور“ جن سے امکانات گناہ کے باوجود گناہ اور خطا وغیرہ صادر نہ ہوں۔ (دراسات اللیب ص ۲۰۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ معصوم اور محفوظ قریب قریب ایک چیز ہیں۔ صرف الفاظ کا فرق ہے۔ لیکن ہمارے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ محفوظ سے خطا و نسیان اور کمزوریاں کا صادر ہونا ممکن اور جائز ہے۔ البتہ محرمات صادر نہ ہوں گے۔

علامہ در بندی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”ولیس مرادنا من العصمت ہینا العصمت التي كانت فی رسول اللہ والائمة الطاہرین حتی یردان هذا مما یرفع الاجماع والضرورت من المذهب علی خلافہ۔ بل المراد منها القوة التي تتمتع بها عن المعاصی من منها فصاحب هذه العصمت یرد منه الخطاء والنسیان وكذا ترك الاولی والمکروهات ولا یصدر منه فعل المحرمات حتی الصفات فاثبات مثل هذه العصمة لمثل العباس علی بن الحسین وزینب وام کلثوم و سلمان مالا یمیر و غائلة فیہ“ کہ اس عصمت سے ہماری وہ عصمت مراد نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت علیہم السلام کی تھی۔ کہ اس پر اعتراض

ہو۔ بلکہ اس عصمت سے وہ قوت مراد ہے جو گناہوں سے روکے۔ اس وقت کے مالک سے خطا نسیان۔ ترک اولیٰ، مکروہات کا صدور ممکن ہے۔ لیکن محرمات کا صادر ہونا چاہے وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ناممکن۔ اب معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کی عصمت کا حضرت عباسؓ، حضرت علی اکبرؓ، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمان فارسیؓ میں تسلیم کرنا نہ کوئی نقصان رکھتا ہے اور نہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ (اسرار الشہادت۔ ص ۳۷۰۔ طبع ایران)

اسی قسم کی عصمت کی تعریف علامہ عبد الاحد اور عبد الرزاق یحییٰ نے یہ کی ہے کہ۔ آلودگی گناہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنا۔ ”یعنی معصوم وہ ہے جو اپنے سے گناہ سرزد نہ ہونے دے اور اپنے کو محفوظ رکھے۔“ (شرح بیچ رقعہ صفحہ ۲۲ طبع نولکشور ۱۸۲۸ء ہم اسی کی تعبیر لفظ محفوظ سے کرتے ہیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔)

## حضرت عباسؓ نفسِ مشتعلہ کے مالک تھے

حضرت عباسؓ جو کمالاتِ نفسیہ کے مالک اور افعالِ مدوحہ کے تاجدار تھے۔ جب ان کے شجاعت سے بھرے نفس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ حمیت و غیرت اور نخوتِ شہادت میں ایک ایسے نفس کے مالک تھے جس کی شعلہ فشانہ میدانِ شجاعت میں تھامے۔ تھم نہ سکتی تھی۔

علامہ حمد آعارف الزین مصری لکھتے ہیں۔ ”العباس تملك النفس المشتعلة حمية و نخوة و الملتبهة مماسة و بطولة“ عباس ایک ایسے نفس کے مالک تھے جو حمیت و غیرت اور نخوتِ شجاعت و شہادت کے موقع پر شعلہ دیتا تھا۔ اور بہادری و جانفشانی کے موقعوں پر بھڑک اٹھتا تھا۔ ”ولیس کا العباس مقداما مقلد حامما ذو ودا عن الشرف“ اور عباس جیسا بہادر میدانِ جنگ میں بڑھنے والا اور چہرہ شرافت سے دشمن کو گردوغبار کی طرح پاک کرنے والا مادرِ گیتی کی آغوش میں کوئی نہ تھا۔ الخ (رسالہ الفرقان ص ۲۰۳ ماہ صفر ۱۳۵۰ء طبع مصر)

## حضرت عباسؓ کی سعادت

قرآن مجید کی آیت سے واضح ہے کہ سعادت وہ صفت ہے جو ظنِ مادر میں عطا ہوتی ہے اور جو چیزِ ظنِ مادر سے ملے وہ عطیہ الہی ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دعائے یومِ انجیس میں فرماتے ہیں ”والسعيد من اسعدت“ سعادت اسی کے لئے ہے جسے تو سعید بنائے۔ (صحیفہ علویہ ص ۳۵۶۔ طبع دہلی) علامہ کشوری حضرت عباسؓ علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں۔ ”کسان

العباس يهوى الحسين من يذو عمره لانه السعيد الذى سعد فى بطن امه “ کہ آپ امام حسینؑ پر بچنے سے ہی مرے جاتے اور ان کی حمایت میں پل پڑتے تھے۔ اس لئے کہ یہ بطنِ مادر ہی سے صفتِ سعادت سے متصف پیدا ہوئے تھے۔ (مانئین) گویا آپ کی کمال سعادت یہ تھی کہ آپ فرزندِ رسولؐ پر نثار ہونے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں اڑنے کے لئے زمرہ کے پر پرواز ملے ہیں۔ اور سعادت و خوش بختی کی بلند پروازی نے آپ کو شہداء کی نظر میں قابلِ غبطہ بنا دیا ہے۔

## حضرت عباسؑ کی عبادت گزاری

عبادت نام ہے اپنے خالق کے سامنے سر نیاز جھکانے کا۔ وہ لوگ جو معرفت میں کمال رکھتے ہوں اور اعترافِ الوہیت میں بھی پورے ہوتے ہیں۔ اور اقرباءِ عہودیت میں کامل ہوتے ہیں ان کے سر نیاز خالق بے نیاز کی بارگاہ میں اکثر زمین بوس رہا کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اُفتی پیشانی پر سجدہ کے آفتابی نشان کا ہویدا ہونا بھی لازمی ہے۔ تاریخوں میں موجود ہے کہ حضرت آئمہ معصومین علیہم السلام کی مقدس پیشانیوں پر آفتاب کو شرمندہ کرنے اور ماہتاب کو جلا دینے والے سجدہ کے نشانِ ضوفشاں تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام بھی اسی مبارک سلسلہ کی کڑی ہیں۔ ان کی رگوں میں بھی عصمت کا لہو اور طہارت کا خون دوڑ رہا تھا۔ آپ معرفت میں کامل اور اعترافِ الوہیت میں مکمل تھے آپ کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔ ”کسان بین عینہ اثر السجود لکثرة عبادة ملك العلام، الخ“ آپ کی پیشانی اقدس پر کثرتِ سجدہ ملکِ علام کی وجہ سے سجدہ کا نشانِ ضوفشاں تھا۔

(تحفہ حسینہ صفحہ ۱۷۵۔ طبع ایران۔ ومعہ سا کہ ص ۳۳۷ ریاض القدس ص ۶۴)

## حضرت عباسؑ کا ”قمر بنی ہاشم“ ہونا

حضرت عباسؑ حضرت علیؑ اور جنابِ ام المئین سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات حسن و جمال میں اپنے اپنے قبیلہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ملاحظہ ہو (مناقب ابنِ شہر آشوب ج ۳۔ صفحہ ۱۳۔ و ریاض القدس ج ۱ ص ۶۶) اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ حسین و جمیل مالِ باپ کے بیٹے خوبصورت ہی ہوتے ہیں۔ تمام مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عباسؑ حسن و جمال اور چہرہ کی تابندگی میں ایک حیثیت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو ”قمر بنی ہاشم“ کہا جاتا تھا۔ علماء لکھتے ہیں۔ ”ان عباس علی کان رجلاً و سیما جمیلاً“ یقال له قمر بنی ہاشم

لحسنہ و بہائہ، الخ“ حضرت عباس بن علیؓ مرو تا بندہ روادرجیل و خوشخو تھے۔ آپ کو خوبصورتی اور چہرہ کی تابندگی کی وجہ سے قبرنی ہاشم، قبیلہ بنی ہاشم کا چاند کہا جاتا تھا۔

(مقتل عوالم ص ۹۴ طبع ایران، شرح زیارت ناحیہ ناخ التواریخ، جز ۶ صفحہ ۲۸۹ طبع بمبئی)  
علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی خبر ولادت جو امیر المؤمنین کو دی گئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”ام المؤمنین فرزندے قمر منظر بوجود آورده“ (ریاض القدس ج ۱، صفحہ ۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حسن و جمال وقت ولادت ہی سے ”قمر بنی ہاشم“ بننے کی خوشخبری سن رہا تھا۔

## حضرت عباسؓ اور شجاعت

### تعریف شجاعت:

شجاعت نام ہے اس قوت قلب اور جرات و ہمت کا جو انسان کو ان منزلوں اور مقامات پر لے جائے اور ثابت قدم رہنے میں مدد دے جن کی طرف عام انسانوں کے قدم نہ بڑھ سکتے ہوں۔ علامہ کمال الدین طحی بن شافعی لکھتے ہیں۔

الشجاعة عبارة عن قوة في القلب  
يبعث على الاقدام على ارتكاب  
الافعال فكل من حصلت له  
هذه الحالة فقد الصف بالشجاعة  
فيسمى شجاعا.

شجاعت اس قوت قلبی کا نام ہے جو انسان کو  
انتہائی خطرناک اور خوفناک امور کے کر  
گزرنے پر ابھار دیا کرے۔ جس کے قلب  
میں یہ قوت پائی جائے۔ اسے بہادر اور شجاع  
کہتے ہیں۔

(مطالب السؤل ص ۱۱۹ طبع لکھنؤ)

ع۔ اس کی تصدیق حضرت زینب کے واقعات سے ہوتی ہے۔ ابوالکلام آزاد ابن زیاد کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیریں انہیں سچ میں لے ہوئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا یہ کون بیٹی ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبید اللہ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیر نے کہا۔ ”یہ زینب بنت ہاشم ہیں“ عبید اللہ شامت کی راہ سے چلا یا۔ ”اس اللہ تعالیٰ کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا اور تمہارے نام کو بد لگا یا۔ اس پر حضرت زینب نے جواب دیا۔ ہزار ستائش اس اللہ تعالیٰ کی جس نے ہمیں محمد اسے عزت بخشی۔



اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شجاعت قلبی قوت اور جرات نفسی کا نام ہے تو اب یہ امر غور طلب ہے کہ کسی کو اگر شجاع کہا جائے تو اس کا معیار کیا ہے اور کسی کو شجاعت سے منصف جانے کی پہچان کیا ہے کیا وہ شخص جس کے لئے شہرت ہو جائے اور جس کی شجاعت کا پرمیٹیکڈے کی وجہ سے ڈنکا بجنے لگے۔ کیا ارباب نظر بھی اسے شجاع اور بہادر کہنے اور ماننے لگیں گے۔ اس کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے۔

**شجاعت کیونکر پہچانی جاسکتی ہے:**

شجاعت کے پہچاننے کے لئے ظاہری آنکھیں درکار نہیں بلکہ دل کی آنکھیں مطلوب ہیں۔ اس کی لذت کا محسوس و معلوم کرنا حس ظاہری سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے جاننے اور پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آثار کا مطالعہ کیا جائے مثلاً اگر کوئی یہ جانتا چاہتا ہو کہ زید شجاع ہے یا نہیں تو اس کے افعال اور آثار کو دیکھے اور اس سے رائے قائم کرے۔

فہی قدرک بالبصیرۃ لا بالبصر ولا  
یمکن معرفتها بالحق مشاہدۃ  
لذاتها بل طریق معرفتها والعلم  
بها مشاہدۃ آثارها فمن اراد ان  
یعلم ان زیدا موصوف بالشجاعة  
فطریقته ان ینظر ما یصدر منہ  
الخ (النفس المہوم ص ۱۸۱ طبع  
نجف اشرف ۱۳۳۵ھ)

اور ہمیں پاک کیانہ کہ جیسا تو کہتا ہے فاسق رسوا ہوتے اور فاجروں کے نام کو بد لگتا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو نے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا۔ حضرت زینب بولیں ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے اور انہیں جمع کر دے گا۔ اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے۔ ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمر بن حریث نے کہا۔ اللہ تعالیٰ امیر کو سنوارے۔ یہ تو مجھے ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات

۱۔ شیعوں کی سیاسی شجاعت کا اعتراف چودھری حلیق الزماں صاحب انیم۔ ایل۔ اے رکن مسلم لیگ فرماتے ہیں موجودہ ہندوستان میں جو اسلامی کلچر کھلاتا ہے وہ تعمیر اور ترقی میں شیعوں ہی کا ممنون کرم ہے۔ میراثیں اور مرزاویر کے مرثیوں اور میر وغالب کے کلیات کو اگر اردو سے علیحدہ کر دیا جائے تو اردو فنا ہو جائے۔ اس وقت تمام اہل اسلام نے ایک شیعہ کو قاتل اعظم نام رکھا ہے۔ موصوف کی سرداری کو مان لیتا ہی اہل سنت کے احساسات کا آئینہ ہے جو شیعوں کے متعلق ان کے ہیں۔ اس ہندوستان میں کفر و اسلام کا مقابلہ ہے اور یہ مقابلہ ہمیشہ رہے گا۔ اس بناء پر شیعہ کی اختلافات کا امکان نہیں ہے۔ پاکستان کے کشل نے تمام مذہبی اختلافات کو مردہ کر دیا ہے۔ کچھ دنوں قبل کانگریس نے نئی اور شیعہ کو لڑانے کے لئے طرح صحابہ اور تبرا کا ڈھونڈ رکھا تھا۔ شیعوں کو اس بارے میں فخر حاصل ہے کہ جب بھی کفر و اسلام کی ٹکڑی ہوئی تو شیعوں نے اپنے تمام جزوی اعتقادی اختلافات کو ہالائے طاق رکھ کر اور باہم مل کر اقوام اسلام کے دوش بدوش داد شجاعت دی۔ الخ اخبار زمیندرج ۳۶ شمارہ نمبر ۳۔ ص ۲۲ کالم ۳۔ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۴۷ء

کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ اس پر جناب زہب اپنے تئیں نہ سنبھال سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا ”واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑیں اکھاڑ دیں۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔“ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ یہ شجاعت ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ زہب نے کہا عورت کو شجاعت سے کیا سروکار۔ میری مصیبت نے شجاع کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں۔ یہ تودل کی آگ ہے۔ اسے رسالہ انسانیت موت کے دروازہ پر) ص ۱۱۳

### شجاعت کے اقسام:

اس میں شک نہیں کہ انسان جس طرح اپنی مادی تشکیل میں آگ، پانی، ہوا، مٹی کا محتاج ہے۔ اسی طرح روحانی تشکیل میں حکمت، عدالت، عفت، شجاعت کا بھی محتاج ہے۔ اب چونکہ انسانیت کا دار و مدار صفت شجاعت پر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقسام لکھ دیئے جائیں۔ علامہ ابو منصور ثعالی لکھتے ہیں کہ شجاعت جو انسانیت کا جزو اعظم ہے اس کی گیارہ قسمیں ہیں:

(۱) ”اذا كان شديد القلب رابط الجيش فهو ”مزير“ جو بہادر میدان جنگ میں نہایت بے جگری سے لڑنے والا ہو۔ پہلو میں نہایت ہی قوی اور مضبوط دل رکھتا ہو۔ یعنی اس کا قلب اتنا مضبوط ہو کہ میمنہ و میسرہ اور قلب لشکر کے فنا کر دینے کی اس میں اچھی خاصی جرأت موجود ہو تو اس کو ”مزیر“ کہتے ہیں۔

(۲) ”واذا كان لزوماً للفرقان لا يفارقه فهو حليس“ اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو اس کے قصہ وجود کو پاک کئے بغیر جو چین نہ لے اسے ”حلیس“ کہتے ہیں۔

(۳) ”واذا كان شديد القتال لزوماً لمن طالبه فهو غلت“ جو شخص اپنے دشمن سے بھڑپڑنے کے بعد اسے قتل کئے بغیر اس کا پیچھا نہ چھوڑے اس کو ”غلت“ کہتے ہیں۔

(۴) ”واذا كان جريئاً على اليل فهو فحش و مخشف“ جورات میں بھی جنگ آزمائی پر دلیری کے ساتھ تیار ہو۔ اسے فحش و مخشف کہتے ہیں۔

(۵) ”واذا كان مقصدماً على الحرب عالمًا باحوالها فهو محرب“ جو فنون جنگ سے واقف ہو۔ اور بڑھ چڑھ کر حملے کرنے والا ہو۔ اسے ”محرب“ کہتے ہیں۔

(۶) ”واذا كان منكراً شديداً فهو زمر“ جو بہادر بڑے بڑے پہلوانوں کے دانت

کھٹے کر دے اسے ”زمر“ کہتے ہیں۔

(۷) ”واذا كان به عيوس الشجاعة والغضب فهو ”باسل“ اور جس کے ماتھے پر شجاعت کی شکن اور رگوں میں بہادری کے غصہ کا خون دوڑ رہا ہو۔ اس کو باسل کہتے ہیں۔

(۸) واذا كان لا يدري من اين يوتى لشدّة باسه فهو ”بهمة“۔ جس بہادر کے متعلق اس کی بہادری کی وجہ سے یہ نہ سمجھ میں آئے کہ کس طرف سے حملہ کر کے اُسے زیر کیا جا سکتا ہے۔ اُسے ”بہمتہ“ کہتے ہیں۔

(۹) ”واذا كان يبطل الاشداء والدماء فلا يدرك عنده ثار فهم ”بطل“ جو بڑے بڑے خونخواروں کے جی چھڑا دے اور جو بھی سامنے آئے اسے کسی خوں بہا کا موقع نہ دے اسے ”بطل“ کہتے ہیں۔

(۱۰) ”واذا كان يركب راسه لا يشينه شيء عما يريد فهو غششم“ جو اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے حصول مقصد کے لئے اس طرح جنگ آزما ہو کہ اس کو کوئی قوت اس کے ارادہ سے باز نہ رکھ سکے اسے ”غششم“ کہتے ہیں۔

(۱۱) ”واذا كان لا يخاش شيء فهو ايهم“ جو بہادر نہ در آزمائی کے موقعہ پر کسی چیز کی پرواہ نہ کرتا ہو اسے ”ايهم“ کہتے ہیں۔ فقہ الملقہ ج ۱ ص ۴۴۔ طبع مصر

حضرت عباس جو دنیا سے شجاعت کے تاجدار تھے جب ان کے واقعات زندگی پر ہلکی سی نظر ڈالی جاتی ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شجاعت کے جتنے بھی اقسام ہیں حضرت عباس ان سب کے بدرجہ اتم جامع تھے۔ دیکھئے حضرت عباس علیہ السلام کا امام حسینؑ کے ساتھ اس طرح رواں دواں بن کر رہنا کہ حضرت کا پورا پورا اعتماد آپ ہی کی شجاعت آگین ذات پر ہوا اور حسین یہ کہتے ہوئے دکھلائی دیں کہ اسے اسد اللہ کے شیر تیرے وجود اور بقا پر ہمارے لشکر کا وجود ہے۔ اس سے حضرت عباسؑ کے ”مزیر“ ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور مادواہن صدیف سے بے نظیر انداز میں جنگ کرنا جلس، غلت، محرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ اور آپ کا تیس سوار اور تیس پیادے لے کر نہر فرات پر جانا اور قیامت خیز جنگ، جدل کے بعد پانی لانا آپ کے محس اور خفیف ہونے پر دال ہے۔ اور کربلا میں روز عاشورا نہایت بے جگری سے جنگ کرنا اور ہزاروں کو فنا کے گھاٹ اتار دینا اور اس سلسلے میں اپنے ہاتھ بھی کٹوا دینا۔ آپ کے زمر اور باسل ہونے پر شاہد ہے۔ اور آپ کا اکثر اعزاء و انصار کی مدد کو جانا اور بے پناہ جنگ کرنا آپ کے ”بہمتہ“ ہونے کا گواہ ہے اور سینکڑوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نہر فرات پر قبضہ جمانا۔ پانی بھرنا اور کسی

دشمن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خیمہ کی طرف برابر بڑھتے ہوئے چلے جانا آپ کے یطل، عشم، اور اسہم ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ (الواعظ محمد نمبر۔ یکم مارچ ۱۹۳۹ء)

تاریخ عالم کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ انسان جو موت سے ڈرتا نہ ہو اور پروردگار عالم کی پوری معرفت کا مالک ہو وہی بہادر اور شجاع ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام جن کا قول تھا۔ ”لو كشف العطاء لما اردت يقيناً“ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آ پڑے گی۔ یا میں موت کے منہ میں جا گھروں گا۔ حضرت عباسؓ بھی انہی امام العارفین کے عارف کامل فرزند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے بے خوف اور لاکھوں پر پھٹ پڑنے والے تھے۔ اور دنیا آپ کی شجاعت کا لوہا ماننے پر مجبور تھی۔

هذا الشجاع هو الذي من باسه فرالكمامة فراد كل جها

”یہ وہ بہادر تھے جن کے زور شجاعت کے بڑے بڑے پہلوان میدان جنگ سے جی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔“ ملا قاسم بحرانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کی وہ ہیبت و سطوت تھی کہ جس نے دشمنوں کے قلوب کو تاریک اور دلوں کو جلا ڈالا تھا۔ ”واعمت عیونہم“ اور اندھا کر دیا تھا۔ (شرعہ المصابیہ۔ صفحہ ۷۷ جلد ۲ طبع لکھنؤ) غرض کہ شجاعت کے لئے عارف باللہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی مقصد کو شیخ بوعلی بن سینا نے اپنی کتاب ”مقامات العارفین“ میں لکھا ہے۔

علامہ عبدالرزاق مدنی تحریر فرماتے ہیں: ”العارف شجاع و کیف لا وهو بمعزل عن تقیة الموت“ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ رکھتا ہو۔ وہ زبردست بہادر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ موت سے بچنا نہیں جانتا۔ یعنی اس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ موت مجھ پر آ جائے گی یا میں موت پر جا پڑوں گا۔ (سرمایہ ایمان صفحہ ۹۳۔ طبع بمبئی)

شجاعت کی پسندیدگی:

سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ”ان الله يحب الشجاعة ولو على قتل حية“ ا خداوند عالم شجاعت کو دوست رکھتا ہے چاہے اس کا مظاہرہ ایک سانپ ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔ (سراج المنیر ص ۳۳ طبع بمبئی ۱۳۰۶)

سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشاد سے دنیا سمجھ سکتی ہے کہ شجاعت کتنی پسندیدہ اور کس قدر قابلِ تعریف صفت ہے۔ مسرتی۔ الیں رنگا آئے اپنے مضمون ”حسین کی حیات جاودانی“ میں شجاعان

کر بلا کی مدح سرائی کرتے ہوئے لارڈ وزیر کے نقل قول ”خراج تحسین شجاعوں کے لئے ہے“ کے بعد لکھتے ہیں۔

”وہ بادشاہ جو حسین کے ساتھ جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی رہے۔ تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع تھے۔“ (دی مون لائٹ لکھنؤ۔ محرم نمبر ۱۳۶۰ھ)

علامہ کتوری شجاعت کو معجزہ کا رنگ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ”آنحضرت ﷺ نے اپنا دوسرا معجزہ شجاعت کا بھی اپنے خاص جہادوں میں دکھلایا۔ جس کا انکار کوئی شخص آج نہیں کر سکتا۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ شجاعت میں ہمارے نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی آدمی تھا۔ اور یہ معجزہ شجاعت کا حضرت ﷺ سے لے کر تازمانہ خلافت علی بن ابی طالب مجاہدات صفین، نہروان اور آخر کو ۶۱ھ واقعہ کربلا میں آپ کے فرزند امام حسین علیہ السلام نے ایسا دکھلایا جس کو مورخین یورپ بھی پر زور الفاظ میں لکھ رہے ہیں۔ الخ (انتصار الاسلام ص ۷۰ طبع بنارس)

### حضرت عباس کا مبشر بالشجاعة ہونا:

حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت آپ کے پیدا ہونے سے پہلے دی جا چکی ہے۔ علامہ کتوری لکھتے ہیں۔ ”وانسہ کسان مبشرا بالشجاعة قبل میلادہ“ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی شجاعت کی بشارت دی جا چکی تھی۔ (امائین) جناب الیاس صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شجاعت کی بشارت آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ (قمر بنی ہاشم ص ۳۳ طبع لاہور) اس واقعہ سے حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لے نوٹ: ناظرین کرام ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ آج کل کی دنیا شجاعت کس کو کہتی ہے؟

مسز وڈل دگی ماسکو نے روسیوں کی شجاعت کی تعریف کے زیر عنوان بیان دیا ہے کہ اب کی موسم سرما میں گو کہ روس میں سامان خوراک کم ہوگا۔ اور جلانے کو ایندھن نہ ملے گی اور کپڑے نایاب ہوں گے۔ اور ضروری ادویات کا وجود نہ ہوگا لیکن اس پر بھی رومی ہمت نہیں ہارے ہیں اور انہوں نے ملے کر لیا ہے کہ وہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا لڑ کر ختم ہو جائیں گے۔ اب کی جاڑوں میں سامان غذا بھی یہاں بھیجے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو لاکھوں آدمی بھوکوں مر جائیں گے ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ روسیوں کے لئے دو انیس بھی بھیجے کی ضرورت ہے (اخبار سر فرما ۳۰ ستمبر ۱۹۳۳ء)۔ مسز وڈل نے کی اشیاء کی حالت میں جنگ کرنے کا نام شجاعت رکھا ہے اور زیادہ بھوک کی حالت میں جنگ کرنے والے کو شجاع خیال کیا ہے۔ چنانچہ اس کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ لیکن موصوف نے یاس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ دنیا جاتی ہے کہ بھوک کے عالم میں لڑا بھی جاسکتا ہے چنانچہ زبردست حملہ آور بہادر کے حملہ کو (شیر کر سنہ) کے حملے سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر یاس کا نام ایک منٹ بھی نہیں لڑ سکتا۔ یہ تو صرف کر بلا والوں ہی کا جگر تھا اور ان کی روحانیت تھی کہ تین دن کی بھوک یاس میں ایسی جنگ کی جس کا اثر آج تک باقی ہے۔ منہ

## حضرت عباس کی شجاعت:

ملاقا علی صاحب بحرانی لکھتے ہیں۔

”انہ کان فارساً ہماماً و بطلاً ضرغاماً  
وکان جسوراً علی الطعن و انصرہ  
فی میدان الکفاح۔“ شرعۃ المصائب  
جلد ۲۔ صفحہ ۱۷۸۔ ۹۴ طبع لکھنؤ

حضرت عباس بڑے پرہمت شہسوار اور شیر دل  
بہادر تھے۔ اور میدان کارزار میں نیزہ بازی اور  
شمشیر زنی میں بڑے جری اور دلیر تھے۔

## شجاعت حضرت عباس کے متعلق واعظ کاشفی کا افادہ:

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔

عباس مبارزنا مدار و شجاع بغایت عالی  
مقدار بود۔ جرات و قوت از حیدر کرار  
میراث داشت از روضۃ الشہد اوص ۳۶۱

حضرت عباس بڑے نامور نبرد آزما اور  
زبردست بہادر تھے۔ آپ کو جرأت و قوت شیر  
خدا حضرت علی سے میراث میں ملی تھی۔

## حضرت عباس کا رئیس الشجعان ہونا:

آپ کی شجاعت اس درجہ بلند تھی کہ تمام مورخین اور ارباب سیر کو یہ کہنا پڑا کہ ”انہ  
کان رئیس الشجعان“ آپ مملکت شجاعت کے تاجدار اور اقلیم شجاعت کے راس و رئیس  
تھے۔ ملاحظہ ہو مقتل عوالم ص ۹۴ ناخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹ شرح زیارت ناحیہ تنخہ حسینیہ۔ ج ۱  
ص ۱۷۸ البصار العین ص ۲۶

## حضرت عباس اور عہدہ علم برداری

### علم کی تاریخ:

علم راسخ لواء جہند نشان وغیرہ یہ مختلف زبانوں کی تقریباً ہم معنی لفظیں ہیں جو  
قریب قریب ایک ہی مطلب میں مستعمل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مواقع کے لحاظ سے ان کے  
مفہام اصلیہ میں فی الجملہ اختلاف کی شان پیدا ہو جائے۔

ان کے استعمال کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ بنی آدم میں سب سے پہلے اس  
کا استعمال اس موقع پر ہوا جبکہ جناب شیدائے اوقائیل میں قتل ہائیل کی وجہ سے مدبھڑ ہو گئی۔  
مورخین جنگ کی ابتداء کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”ان اول حرب

كانت بين بنى آدم ما كان بين شيث وقابيل و ذالك ان الله تعالى اهدى اليه حلة بيضاء و رفعت الملائكة له رايته عبيد الشيث الخ“ بنی آدم میں سب سے پہلے جنگ جناب شیث اور قابیل میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں جناب شیث کے لئے ایک سفید جنتی حلہ بھیجا تھا۔ اس جنگ میں عہدہ علمبرداری ملائکہ کے سپرد تھا وہ سفید پھریرے والے رات کو اٹھائے ہوئے تھے۔ بالآخر قابیل پر غلبہ پالیا گیا اور اسے گرفتار کر کے مقام عین الشمس میں پہنچا دیا گیا۔ اور اس کی اولاد کو شیث کی زنجیر غلامی میں جکڑ دیا گیا (مناقب ابن آشوب جلد ۳۔ صفحہ ۱۵۹۔ طبع بمبئی)

اس عبارت سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے (اول) یہ کہ ”علم کی ابتداء حضرت آدم کے قریبی زمانہ سے ہے۔ (دوم) یہ کہ علمبرداری ایسا جلیل القدر منصب اور عہدہ ہے جس پر ملک یا ملک صفت انسان ہی فائز ہوا کرتا ہے۔

### وحشی قبائل کے قومی نشان:

جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جملہ اقوام عالم اپنے قومی نشان اور جھنڈوں کو خاص عزت و احترام کا مستحق سمجھتی ہیں اور نظام طلیعہ میں بھی اس پر زور دیا جاتا ہے کہ قومی نشان کی عزت و حرمت مد نظر رکھی جائے۔

یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قومی نشان نہ صرف امتیاز قومی کا ذریعہ ہے بلکہ دراصل وہ قومی عروج و زوال کا صحیح ترجمان ہوتا ہے۔ زندہ اور بہادر قومیں اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔

نوٹ: (۱) صاحب معالم زلفی لکھتے ہیں۔ یہ مغلولہ۔ الی عقد مطلق بقرونہ عین الشمس۔ بدو مع الشمس حیث ما وارت یعذب بحر الشمس و زمریر الیہ روحی تقوم الساعۃ۔ قابیل کے دونوں ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے بیٹگوں میں بندھا ہوا عین الشمس میں لٹکا ہوا ہے۔ وہ آفتاب کے ساتھ ساتھ چکر میں رہتا ہے۔ وہ قیامت تک آفتاب کی حرارت اور زمریر کی بردت کے ساتھ معذب ہوتا رہے گا۔ ص ۱۲۷

نوٹ: (۲) امین الدین خاں حسینی ہر وی لکھتے ہیں کہ عین الشمس ایست کہ در وقت طلوع آفتاب بجانب مغرب رواں باشد و چون آفتاب میل غروب کند بجانب شرق گردد۔ عین الشمس وہ چشمہ ہے جو طلوع آفتاب کے وقت مغرب کی جانب اور غروب آفتاب کے وقت شرق کی طرف بہا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معلومات لافان طبع لکھنؤ ۱۲۹۰ھ

نور الحسن صاحب وکیل دھوپوری لکھتے ہیں کہ عین الشمس وہ ہے جو قاهرہ مغربیہ مصر کے قریب ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ مصر ص ۱۲ طبع آگرہ ۱۸۹۲ھ علامہ احمد اللہ ترمذی لکھتے ہیں کہ عین الشمس وہ چشمہ ہے جو واقع مصر میں ہے۔ اور جس میں حضرت عیسیٰ نے غسل کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے کنارے درخت پھل پھلے ہوئے تھے۔ جس کے تمام اجزاء اور روغن وغیرہ کثیر امراض فالج۔ صرع عرق النساء وغیرہ کے لئے مفید ہیں۔ (نزهة القلوب بیان اخبار طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ)

باکیل سے صاف ظاہر ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے تو ان کے مختلف قبائل ریگستانوں میں اپنی کمپ کی ترتیب میں جھنڈوں سے کام لیتے تھے، کولبس نے جب امریکہ دریافت کیا اور عرب الہند واقع امریکہ کے وحشی قبائل کا جائزہ لیا۔ جن کا سردار گوانا گاری تھا۔ تو ان میں زر خالص کے بنے ہوئے جھنڈے بھی تھے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی دنیا کی قدیم جنگلی قوموں میں بھی اس کا رواج پہلے سے موجود تھا۔

ستائیسویں صدی کی قدیم ترین سلطنت ایران تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے ایک پرانے بادشاہ فریدون کا جھنڈا (دش کاویانی) کے نام سے موسوم تھا جس کا تذکرہ قومی جذبہ کے ماتحت شعرائے قدیم اکثر کیا کرتے تھے۔

### قومی نشان اور زمانہ جاہلیت:

زمانہ جاہلیت میں بھی جھنڈے اور قومی نشان کا موجود ہونا مسلم ہے ہر قبیلہ کے افراد اپنے قبیلہ کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ خاندان قریش جس میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ قبل اسلام بھی مرتبے اور شرافت کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز اور ذی عزت قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں اس کی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں بہت تھیں۔ اور اس کا دائرہ اثر بھی نہایت وسیع تھا۔ اسی بناء پر جملہ امور متعلقہ انتظام خانہ کعبہ و مراسم مذہبی و تمدنی و تصفیہ نزاعات مابین قبائل و معاملات صلح و جنگ اور دیگر ایسے ہی زبردست امور انہیں کے سپرد ہوتے تھے۔ ان حضرات کے اہم دستور العمل اور تجاویز میں عہدہ علمبرداری کی نگہداشت شامل تھی۔

زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن حباب کلبی (جس نے ۱۵۰ سال کی عمر میں ۵۰۰ مسیحی میں انتقال کیا) کا حسب ذیل شعر قدامت علم کا شاہد ہے۔

فانا حیث لا یحفی علیکم لیوث حین یحتضر اللواء  
دنیا والو! تم پر یہ پوشیدہ نہیں کہ جب ہم میدان جنگ میں اپنے قبیلہ کا ”علم“ دیکھ لیتے ہیں تو غنیم پر شیر غنیمت کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔

### یورپین ممالک کے جھنڈے:

اس میں شک نہیں کہ جھنڈے پر مخصوص علامات بنانے کا رواج بعض اقوام مثلاً روم، چین وغیرہ میں پہلے سے جاری تھا۔ تاہم جہاں تک یورپین اقوام کا تعلق ہے۔ جھنڈوں پر مخصوص



تضاد و بے اشکال یا طغریٰ بنانے کی ابتدا عام طور پر صلیبی جنگ ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء سے ہوئی۔ جس میں انگلستان، فرانس اور جرمنی کی بے شمار فوجیں اور مختلف یورپین اقوام کے رضا کار متحد ہو کر ملک شام میں بغرض فتح بیت المقدس جمع ہوئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ جدید طرز کے خود استعمال کرنے لگے تھے۔ جس میں سارا چہرہ چھپ جاتا تھا۔ اس لئے ان کو خاص طور پر اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر قوم کے جھنڈے پر خاص خاص امتیازی علامات مرتسم ہوں۔ جس سے اس جماعت کی ترتیب و تنظیم میں سہولت ہو۔ اور وقت ضرورت ہر قوم کے جنگجو بہادر اسے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ بعد اس تنظیم الاعلام کی بنیاد جرمنی میں پڑی اور اس کی باقاعدہ تنظیم و تکمیل تیرہویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

فوجی جھنڈوں کا رواج انگلستان میں نارٹل فتوحات یعنی ۱۰۶۶ء سے تھا۔ لیکن فرانس کی فوج میں ان امتیازی جھنڈوں کی مزید توسیع سولہویں صدی میں اس وقت ہوئی جبکہ اٹلی برسر پیکار تھا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض بعض جھنڈوں پر لکھی ہوئی عبارت کے ایک دو ترجمے لکھ دیئے جائیں۔ ملاحظہ ہو۔ کسی سے مت دلو۔ ۲ تیز دم اور جری رہو۔ ۳ کل امور میں بہادر رہو۔ ۴ کوئی قدم پیچھے نہ ہٹے۔ ۵ ہمیشہ وفادار رہو۔

راجپوت اور ان کے جھنڈے:

ہندوستان میں قدیم راجپوتوں کا جھنڈا زرد رنگ کا ہوتا تھا ان کے لئے مشہور ہے کہ وہ جھنڈا لے کر میدان جنگ میں جب جاتے تھے تو یہ عہد کر کے جاتے تھے کہ فاتح کر کے لوٹیں گے یا جان دے دیں گے۔

بعض مشرقی اقوام کے قومی نشان:

اشاعت اسلام سے قبل شمالی افریقہ کی بربری اقوام منصابہ وغیرہ کے جھنڈوں کا کوئی ایک مخصوص رنگ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ رنگ رنگ کے خالص ریشمی ہوا کرتے تھے۔ اور ان پر طلائی نقش و نگار بھی ہوتے تھے۔ بعض ترک اقوام کے جھنڈوں کے بالائی حصہ پر گھوڑے کے دم کے بالوں کا ایک بڑا گچھا ہوتا تھا۔ جس کو وہ ”چتر“ کے نام سے موسوم کرتے تھے چینیوں کے جھنڈے پر ایک ہیبت ناک مگر فرضی اژدھے کی شکل ہمیشہ بنی آئی ہے۔

اسلامی نشان یا علم کے امتیازی علامات:

سنا جاتا ہے کہ صدر اسلام میں علم کا پھر یہ سفید ہوا کرتا تھا۔ بنی امیہ کا شاہی جھنڈا سرخ

رنگ کا ہوتا تھا۔ بنی عباسیہ کا علم تو درکنار ان کی ساری وردی سیاہ رنگ کی تھی۔ نبی ابی طالب کا علم سفید تھا۔ شیعہ اور اعیان ہاشم کا جھنڈا سبز تھا۔

چونکہ بنی ہاشم کا علم سبز تھا اس لئے یوم عاشورہ قمر بنی ہاشم کے دست مبارک میں جو علم تھا وہ بھی سبز تھا۔ شمس العلماء جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ، حضرت عباس علیہ السلام کے نہر پر پہنچنے کو دکھلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

راست عباس کے پرچم سے بدلا رنگ آب قریش کا علم، قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں رہا کرتا تھا۔ ان کے بعد بنی ہاشم کے ہاتھوں آیا۔ بعثت رسول ﷺ کے بعد یہ علم مستقل طور پر حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہا۔

اتفق ابن الجندی و سائر اهل السير انه كانت رأيت قریش ولو ائها جسمياً يبدى قصی بن كلاب ثم لم تنزل الراية في يدى عبد المطلب فلما بعث النبي ﷺ اقرهاني بنى هاشم ودفعها الى علي في اول غزاة حملت فيها وهي و دان فلم تنزل معه و كان اللواء يومئذ في عبد الدار فاعطاه النبي مصعب بن عمير فاستشهد يوم احد فاخذها النبي ودفعها الى علي فجمع يومئذ له الراية واللواء وهما ابيضتان (مناب ابن شهر آشوب، جلد ۳ ص ۱۵۹ طبع بمبئی، و ارشاد مفید ج ۱ ص ۴۲ طبع ایران)

ابن حجرى اور جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ قریش کے راست والواء دونوں قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں تھے۔ پھر راست جناب عبد المطلب کے پاس رہنے لگا۔ جب سرور کائنات ﷺ مبعوث برسات ہوئے تو آپ ﷺ نے اسے بنی ہاشم میں مستقر کر دیا۔ اور اسلام کی پہلی جنگ ”دوان“ میں حضرت علی السلام کے سپرد فرمایا پھر دائماً انہیں کے ہاتھوں میں رہا۔ البتہ لواء بنی عبد الدار میں تھا۔ حضرت ﷺ نے اسے مصعب بن عمیر کے سپرد فرمایا جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو آپ ﷺ نے اسے بھی حضرت علی کے حوالہ کر دیا۔ اب حضرت علی ان دونوں رايت ولواء کے حامل قرار پائے جن کا رنگ سفید تھا۔

غرضیکہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا۔ جھنڈوں کے امتیازات میں اضافہ ہوتا گیا۔ بسا اوقات نشانوں اور جھنڈوں پر سلاطین یا ان امراء کے نام لکھائے جاتے تھے جو قوم کے سردار رہوا کرتے تھے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ابن محکم کے جھنڈے پر ابن رائق کی نسبت سے الرائق لکھا ہوا تھا۔ موجودہ زمانہ کی اسلامی سلطنتوں کے جھنڈوں کے نشانات بھی اسی اصول پر مبنی ہوتے

تھے۔ دیکھتے تری۔ ’مصر، مراکو، کابل، حیدرآباد ایران وغیرہ کے جھنڈے پر شیر اور آفتاب کی تصویر پائی جاتی ہے۔‘ (علیگزٹھ میگزین)

مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اپنے دوست لسان الملتہ جناب سید آغا مہدی صاحب لکھنوی کا وہ مضمون نقل کر دوں جو آپ نے ”تاریخ علم“ کے سلسلہ میں ’پیغام حسینی‘ بمبئی کے محرم نمبر ۳۶۲ھ کے سپرد اوراق کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”اجزائے علمداری میں سب سے زیادہ اہم جز علم ہے۔ جو نوحد و شیون کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس وقت تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علم حسینی فوج کے علمدار حضرت ابوالفضل العباس کی یادگار ہے۔ مگر اس کے پردے میں سلف صالحین کی یاد مضمحل ہے جو دین خدا کی حما میں اپنی جان کو جان نہ سمجھتے تھے۔

منصب علمبرداری بہت قدیم منصب ہے اور علم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ہے۔ جس کو سب سے پہلے آپ نے بنایا ’تاریخ‘ میں ہے۔ ”العلیم ہی لواء ضعھا خلیل الرحمن فی العالم“ آداب مجالس ص ۳۸

پیغمبر خدا ﷺ چونکہ دین ابراہیم کو زندہ کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنے دور میں اس یادگار ابراہیم کو نئے سرے قائم کیا۔ اور جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ”بریدہ“ کو حکم دیا کہ وہ علم بنائے۔ وہ علم لئے ہوئے مدینہ منورہ کی گلیوں میں ”لا الہ الا اللہ“ کی صدا بلند کرتا پھرتا تھا۔ مسلمان اچھی طرح اس علم کو پہچان گئے تھے۔ اور لڑائیوں میں اسی علم کو مسلمان سپاہیوں کا نشان قرار دیا تھا۔

۱۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ ہندوستان میں عام سیاسی اسلامی جھنڈا اگر تھا تو کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا۔ میرے خیال میں گزشتہ ہندوستان میں چونکہ شیعہ طبل و علم کے مالک رہے لہذا ان کے سیاسی جھنڈے کی یہ خصوصیت رہی کہ اس پر شمشیر بنے ہوئے تھے۔ اب عہد پاکستان میں تمام مسلمانوں کا سیاسی جھنڈا وہی ہو گا جو آج کل اسلامیان ہند کا سیاسی جھنڈا ہے جس کے بزر پھریرے پر چاند تارایا ہوا ہے۔ موجودہ ہندوستان میں ہمارا بھی سیاسی جھنڈا ایسی ہے اور عہد پاکستان میں رہے گا اب رہ گیا تو قومی جھنڈا یا نشان تو وہ وہی ہے جو بید اللہ کے ہاتھوں کی میراث ہے۔ اور جس پر حضرت عباس کا قبضہ رہا اور جس کی حفاظت میں علی کے شیر نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ٹکرا کر دیا۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس جھنڈے یا علم کے اوپری حصہ میں ان کے بچوں کے ٹارہونے کی یادگار میں بیچہ بنا ہوتا ہے۔ ع۔ عباس کا علم ہے قومی نشان ہمارا

نوٹ: حضرت علیؓ کے اس رات کا سفید ہونا جو آنحضرت ﷺ سے ملا تھا یہ واضح کرتا ہے کہ آپ سے میراث میں جو علم حضرت عباس کو ملا تھا اسے بھی سفید ہونا چاہئے تھا لیکن کتابوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت عباسؓ پانی کے لئے نہر فرات پر تشریف لے گئے تو آپ کے ہاتھ میں سبز علم تھا۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ کا جنگی علم سفید رہا ہو گا لیکن اس وقت جبکہ آپ پانی لینے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو لڑنے کی اجازت نہ تھی آپ کا علم سبز رہا ہو گا۔ اس کی تائید ملائکہ کے افعال سے ہوتی ہے وہ بھی جب لڑنے کے لئے آئے تو ان کے ہاتھ میں سفید علم رہا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور جب جنگ کے علاوہ تشریف لانا ہوا تو سبز علم لے کر آئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل سبز علم لے کر آتے ہیں اور بالائے خانہ کعبہ نصب کرتے ہیں۔ (زاد المعاد ص ۱۲۸)

تاریخ و سیر میں اس محل پر دو لفظیں اور استعمال کی گئی ہیں۔ لواء اور رانت، لغت میں ہے کہ لواء اس علم کا نام ہے جس میں نیزے کی بوڑی پر ایک پرچم لہرا رہا ہو۔ یہ علم کے علاوہ ایک چیز ہے۔ (مجمع المطالب) روز حشر کے واقعات میں لوائے محمد ﷺ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ نبوی لشکر میں لواء اور رانت کا ذکر ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کے ہر گروہ کا ایک علیحدہ رانت قرار دیا تھا۔ مہاجرین و انصار کے رانت الگ الگ تھے۔ جنگ بدر میں (جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے) پیغمبر خدا ﷺ کا مخصوص رانت حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا نشان سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور لواء صعب بن عمیر کو دیا تھا سعد بن عبادہ نشان برداری کے عہدہ پر فتح مکہ معظمہ کے قتل تک برقرار رہے اور فتح مکہ معظمہ کے موقع پر جناب علی مرتضیٰ نے پیغمبر خدا ﷺ کے ایما سے سعد کو معزول کیا یہ وہی روایت ہے جو ہر گروہ کے اختلاف کے لحاظ سے قرار دیا تھا۔

جو علم بریدہ نے سب سے پہلے ترتیب دیا اس پر بریدہ کے بعد حضرت حمزہ کا قبضہ ہوا۔ اور علم برداری ہی کی حالت میں آپ ”جنگ احد“ میں شہید ہوئے۔ جنگ موتہ میں تین شخص یکے بعد دیگرے علمدار ہوئے۔ (۱) حضرت جعفر طیار، (۲) حضرت زید بن حارثہ (۳) حضرت عبد اللہ بن رواحہ۔ یہ تینوں مجاہد اپنے فرائض کی ادائیگی میں شہید ہوئے۔ ان تاریخی حقائق پر تیرہ سو برس کے بعد آج ہم مطلع ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عہد رسول ﷺ کے مشہور لوگ ”ابوسعید خدری“ اور تابعین میں ابن عباس اس تقسیم سے بے خبر ہوں۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا۔ اے علی تم ہمارے جسم کو غسل دو گے اور ہمارے قرض کو ادا کرو گے اور ہم کو قبر میں رکھو گے۔ اور تم ہی دنیا و آخرت میں ہمارے علمدار ہو۔ (ارح المطالب ص ۵۵۲) یہ روایت فردوس الاخیار و یحیٰ کی ہے اور اصل الفاظ زبان مبارک کے یہ ہیں۔ ”انت صاحب لواء فی الدنیا والاخرۃ“ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خاص علم صرف علی کے ہاتھ میں رہا۔

۱۔ صاحب آداب المجالس کے علاوہ خود علامہ ابن شہر آشوب نے بھی ایک روایت کے حوالہ سے اس کی ابتدا اور حضرت ابراہیمؑ سے منسوب کیا ہے لیکن حضرت شیث اور قاتل کی جنگ کے واقع میں تحریر فرمایا ہے کہ ملائکہ سفیر رانت لے کر آئے تھے اس سے علم کی قدامت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ نوح البلاغہ کے صفحہ ۳۴ پر زبرد جملہ قلیل تحت الرايات، علم اور رانت کو ایک معنوں میں لکھا ہے اور منجد کے صفحہ ۳۶۱ پر تقریباً وہی ہے جو مجمع المطالب سے لکھا گیا۔ ناظرین کرام! میں نے ”ذکر العباس“ طبع اول کے صفحہ ۳۳ لکھا تھا کہ بظاہر رانت اس علم کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے سردار کے پاس ہو اور ”لواء“ اس کو کہتے ہیں جو کسی قبیلہ کا ہو۔ یہی سبب ہے کہ جنگ خیبر میں رانت ہی دیا گیا تھا۔ لواء نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ ساری مملکت اسلامی کا علم تھا۔ کسی چھوٹے یا مخصوص قبیلہ کا نہ تھا۔

میرا اب بھی خیال ہے کہ رانت لواء سے بڑا ہوا کرتا تھا اور میری تائید علامہ سکھر کا شانی بھی فرماتے ہیں۔ ”لواء علیٰ خور و از رانت است۔ رانت سے چھوٹے علم کو لواء کہتے ہیں۔ نایح التواریخ ج ۳ ص ۱۷ طبع بمبئی۔ لیکن المنجد کے ص ۵۴۴ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لواء رانت سے بڑا ہوا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن عباس کی ترجمانی سے اس مطلب کی اور توضیح ہوتی ہے۔ وہ افتخار یہ لب و لہجہ میں کہتے ہیں کہ جناب علی علیہ السلام میں چار صفیں ایسی ہیں کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ وہ تمام عرب و عجم میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے قبل پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور وہ ایسے شخص ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا علم ہر غزوہ میں انہیں کے ہاتھ رہا۔ اور وہ ایسے شخص ہیں کہ جب لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے تھے تو وہ رسول ﷺ کے ساتھ صبر کئے ہوئے تھے۔ اور انہیں نے مرسل کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

(ارج المطالب ص ۵۵۳)

یہ روایت ابن عبد البر نے استیعاب فی فضائل الاحباب میں لکھی ہے اور صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔ عیون الفاظ حدیث کے یہ ہیں۔ ”هو الذي كان لواء معه في كل زحف“ اگر کسی کو اشتباہ ہو کہ لواء ہر غزوہ میں علی کے ہاتھ نہیں رہا اور رسول ﷺ کا رانت کسی اور کو ملا۔ تو دوسری جگہ ابن عباس کے الفاظ ہیں۔ ”كان اخذ راية رسول الله يوم بدر والمشاهد كلها“ غزوہ بدر اور تمام لڑائیوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کا رانت علی ہی کے ہاتھ میں تھا (ارج المطالب ص ۵۵۳) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ میں آپ پیغمبر اسلام ﷺ کا لواء لے کر جہاد فرماتے تھے اور کسی میں رانت۔ اور یہ دونوں مخصوص علم ان کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں رہے۔ اخطب خوارزمی مشہور سنی محقق کا بیان ہے کہ بروز احد حضرت علی کے ہاتھ میں لواء تھا۔ جو داہنے ہاتھ میں ضرب شدید آنے پر بائیں ہاتھ میں لے لیا تھا۔

علامہ علی نے ایک نیا افادہ فرمایا ہے وہ جناب علی مرتضیٰ کے خصوصیات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ ”و مہا فی غزاة احد جمع له الرسول بين اللواء والرائة“ (شرح تجرید) منجملہ اس کے ایک فضیلت یہ تھی کہ بروز جنگ احد پیغمبر اسلام ﷺ نے لواء اور رانت دونوں علی کو دیئے تھے۔

۱۔ لواء احمد کی صفت کرتے ہوئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ وہ ایک طویل علم ہوگا۔ جس کی لمبائی ایک ہزار سال راہ کے برابر ہوگی اور اس کا سرمایہ قوت سرخ کا ہوگا اور اس کی چوب چاندی کی ہوگی اور اس کا زیریں حصہ بزم موتی کا ہوگا۔ اور اس کے تین زاوے ہوں گے۔ ایک مغرب اور ایک مشرق اور وسط دنیا میں پھیلا ہوگا۔ اور ان پر تین سطر لکھی ہوں گی۔ پہلی سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم دوسری سطر الحمد للہ رب العالمین۔ تیسری سطر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہر سطر کی لمبائی اور چوڑائی ہزار سالہ راہ کے برابر ہوگی یہ علم حضرت علی کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور آپ کے دینی طرف امام حسن علیہ السلام اور بائیں جانب امام حسین علیہ السلام ہوں گے۔ (عین الحیاء ص ۱۳۳ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ)

سعد بن عبادہ کی علمبرداری کا جائزہ چلیبہ بن ابی مالک نے لیا ہے وہ کہتے ہیں۔ ”کان سعد بن عبادہ صاحب رأی رسول اللہ صلعم فی المواطن کلہا فاذا کان وقت القتال اخذھا علی“ اس روایت کو ابن اثیر جذری نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ (غیر وقت جنگ) رسول ﷺ کے علمبردار تھے۔ اور جب لڑائی شروع ہو جاتی تھی تو حضرت علیؑ ان سے علم لے لیا کرتے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سعد محافظ تھے علم کے اور علم ان کی نگرانی میں رہتا تھا۔

اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا مخصوص علم حضرت علیؑ کے سوا کسی کو اٹھانا نصیب نہ ہوا۔ حمل میں خود حضرت علیؑ نے فوج کا علم محمد حنفیہ کو دیا۔ اور صفین میں ہاشم بن عقبہ کو اور نہروان میں ابوالایوب انصاری کو۔

اب سوال یہ ہے کہ کربلا میں کتنے علم تھے اور علم اٹھانے والا کون تھا۔ جب یہ معلوم ہے کہ عہد رسول ﷺ سے تہذیب جنگ یوں قائم ہو چکی ہے کہ ایک لشکر میں کئی علم ہوتے ہیں۔ تو پھر کیا تعجب ہے کہ اس روایت کو دیکھ کر جس میں موجود ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا پہنچنے کے قبل بارہ علم تیار کئے اور گیارہ علم اصحاب و انصار کو تقسیم کر دئے اور بارہواں علم حبیب ابن مظاہر اسدی کو مرحمت فرمایا۔ اس روایت میں سواء حبیب کے کسی علمدار کا ذکر نہیں ہے ورنہ ہم علمداروں کے ذیل میں نام کی صراحت کرتے۔ یہ طرز عمل بھی امام حسینؑ کی نانا کی عین پیروی ہے۔ جس طرح عہد نبی ﷺ میں مختلف علمبردار تھے اسی طرح آپؐ کی فوج میں بھی بارہ علمبردار ہیں۔ اور وہ علم جوید اللہ کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا۔ اس کے حقدار صرف حضرت عباسؑ کو تجویز کیا۔ ابن اثیر جذری نے روز عاشورا کے واقعات میں لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام نے زہیر قین کو اپنے اصحاب کے مینہ (وفی جانب) پر افسر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ (بائیں جانب) کا سردار قرار دیا اور علم لشکر اپنے بھائی ”عباسؑ کو عطا فرمایا۔ تاریخ کامل ص ۲۴۔ ملک الشعرشی اسیر مرحوم لکھنوی لکھتے ہیں۔

بہ ترتیب سپہ آں شاہ پر داخت بہ تزئین کو اکب ماہ پر داخت

بر روئے زہیر از مینہ تافت حبیب بن مظاہر میسرہ یافت

علم در دست عباس دلاور

بسان حمزہ در فوج پیغمبر

جناب عباس علیہ السلام کو علمدار قرار دینے سے حسب ذیل انکشافات ہوتے ہیں:

۱۔ وہ بعد حسین افضل الناس تھے۔ اگر علمدار ہونا سبب عزت نہ ہوتا تو پیغمبر خدا

ﷺ اپنے بھائی جناب امیر المؤمنین کی شان میں بار بار یہ نہ فرماتے۔ ”یاعلیٰ انت صاحب لوائی“

۲۔ روز عاشورا جناب عباس کے ہاتھ میں علم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بروز حشر بھی سپاہ قلیل کا علم حضرت عباس کے ہاتھ میں ہوگا جس طرح جناب امیر دنیا و آخرت میں رسول صلعم کے علمبردار ہیں۔

۳۔ کر بلا میں اگر کوئی دشمن کو پشت دکھانے والا ہوتا تو حدیث خیر کی طرح علمدار کی صفت کراؤ غیر فرار قرار نہ پاتی۔ مگر یہاں جو میدان جنگ کی طرف بڑھا اس کی لاش ہی مقتل سے آئی۔ اس لئے اس صفت کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ لیکن حضرت عباس کے لئے کرار ہونا بھی ثابت ہے جو آبائی ورثہ ہے۔

۴۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے بتایا ہے کہ علمدار کے لئے محبت خدا و رسول ﷺ کی ضرورت ہے۔ تو ان کے آخری جانشین نے اس صفت کو کر بلا کے ہر مجاہد کا حصہ قرار دیا۔ ”السلام علیکم یا اولیاء اللہ و احیاءہ“ اگر اللہ تعالیٰ کے دوست نہ ہوتے تو نام حسین پر جان نہ دیتے۔

۵۔ جناب عباس حافظ قرآن اور علم الہی کے ماہر تھے۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے کسی عرصہ میں علم لشکر مرحمت کئے جانے کا یہ معیار قرار دیا کہ اصحاب سے پوچھا کہ تم کو کوئی سورہ یاد ہے۔ بد قسمتی سے بزم میں سنا تھا۔ ایک نو عمر لڑکا حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ مجھے سورہ بقرہ یاد ہے۔ آپ ﷺ نے بلا تکلف علم اس کو دے دیا۔ لوگوں کو اس منصب کے تفویض کر دینے میں جب عذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”معہ سودۃ البقر“ اس کے ساتھ سورہ بقرہ ہے۔ اصحاب حسین علیہ السلام میں ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن پاک یاد تھا۔ ان حافظان قرآن کی موجودگی میں حضرت عباس کو علم دیا جانا تاہم ہے کہ کسی ذاتی رشتہ یا قرابت کی بناء پر۔ عہدہ تفویض نہیں ہوا بلکہ علم قرآن پاک میں بھی وہ ممتاز ترین انسان تھے۔ اور صحیح معنوں میں ان کو حق تھا کہ جو علم حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں رہ چکا ہو اس کو حضرت عباس اپنے ہاتھ میں لیں۔

ہمارا علم جو عز خانہ کی زینت ہے اگر ایک ہوتا تو پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوۂ حسنہ مکمل طور پر پورا نہ ہوتا۔ غور سے دیکھو امام باڑہ یا شہنشین یا عاشور خانہ میں بہت سے علم نظر آئیں گے۔ یہ ان علموں کی شبیہ ہیں جو دیگر مجاہدین کے ہاتھوں میں تھے۔

اور ایک ممتاز علم ہے۔ وہی حضرت عباس کا علم ہے۔ دیہات کے خوش عقیدہ لوگ اس کو بڑا علم آج تک کہتے ہیں یہ علم ضرب مبارک سے آگے ہوتا ہے اور جلوس میں بھی تابوت کے آگے

دلدار کے آگے یہ کیوں صرف اس لئے کہ عباس علیہ السلام اپنی زندگی میں ہمیشہ سینہ سپر رہے اور علمدار عموماً آگے رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بہشت میں جاتے وقت بھی علمدار کے قدم جنت میں (پہلے پہنچے) لہذا جس کو حسین نے مقدم کیا تھا وہی آج مقدم ہے۔ اور شیعیان لکھنؤ کا صدیوں سے یہ رویہ چلا آتا ہے کہ علم اٹھاتے وقت وہ سینہ زنی کرتے ہوئے جوق در جوق آگے چلتے ہیں اور علم عقب میں ہوتا ہے تاکہ اگر کوئی نا عاقبت اندیش اس مقدس یادگار پر حملہ کرے تو جس طرح حضرت عباس، حضرت حسین کے سینہ سپر تھے۔ ہماری جانیں ٹار ہو جائیں اور علم مبارک پر آج نہ آئے۔ یہ اس علم کی شہید ہے جس پر عباس نے اپنے ہاتھ ٹار کئے۔ جس پر علی کے لال کا خون بہا۔ شیعوں تم اس علم کے سایہ میں جینے بن سکتے ہو۔ کچا علم کا اقتدار اور بے پناہ عزت اور کچا چمڑے کا معمولی مشکیزہ۔ مگر اس کچال کو یہ عزت دی جاتی ہے کہ کبھی وہ علم میں آدیزاں کبھی دوش پر عباس بتاتے ہیں کہ مسلم کے لئے پانی بھرنا بے عزتی نہیں ہے۔ دوسروں کے ممنون احسان نہ ہو۔ اپنا کام خود کرو۔ اگر یہ پانی پہنچ جاتا تو حسین ایسے غیور پر کسی کا احسان نہ ہوتا۔ بھائی کا احسان تھا۔ جو اپنی حیات کی غرض و غایت بھائی کی خدمت سمجھتا تھا۔ نام نہاد مسلمانو! تم بھی غیر کے احسان سے بچو، حسین نے اپنے سارے خاندان کو کربلا میں مٹا دیا۔ مگر ایک فرزند کو باقی رکھا جو بیڑیاں پہنے ہوئے کوفہ سے آکر ان کی پارہ پارہ لاش کو دفن کر دے اور ان کے جسم کو غیر ہاتھ بھی نہ لگانے پائے۔

مسلمانو! کیا تم میں قوت عمل کا فقدان ہے۔ کیا تم کام نہیں کر سکتے۔ جو دوسروں کے دست نگر، اور ایک ناتوان مریض قیدی قبر کھود سکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ دوسرا اس کے بازو کو سبک کرے تو تم آزادی کا دعویٰ کرتے ہو۔ حفظ صحت میں تمہارے ملک کا ہزار بار و پیہ صرف ہوتا ہے۔ مگر تم تندرست نہیں ہو۔ بیماروں سے بدتر ہو عباس کا ایک ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دوسرے میں تلوار لے لیتے ہیں۔ تمہارے دونوں ہاتھ ہیں مگر تم بے دست و پا ہو۔ اور اپنے تئیں اتنا ست بنا دیا ہے کہ کانگریس تم پر چاروں طرف سے حملہ کر رہی ہے اور تم نہیں چوکتے عباس کے علم سے سبق لو۔ علمدار دونوں ہاتھ قطع ہونے کے بعد مشکل کا تمہہ دانت سے دبا تا ہے۔ مگر کیا کرے جب سر پر گرز آہنی پڑے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ جبراً اچھکے سے ساتھ چھوڑ دے اور پانی بہہ جائے۔ اور محنت رائیگاں ہو جائے۔ اے عباس! آپ نے قوت عمل کو آخر تک باقی رکھا۔ مشک و الم لے کر باپ کی پیر الالم والی تصویر بن گئے۔ تو یہ بات رہ گئی تھی۔ کہ علی کے سر پر ابن کعب کی ضرب پڑی اور عباس کا سر دشمن کی تلوار سے قلع گیا

۱۔ مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباس جب پانی لینے کے لئے گئے تو آپ کے پاس تلوار بھی نہ تھی۔ مجھے اس سے اختلاف ہے میرا خیال ہے کہ چونکہ لڑنے کے لئے تشریف نہ لے گئے تھے لہذا شمشیر کی ضرورت نہ تھی۔ معبر تاریخوں اور میر میں بھی صرف مشک و الم لے کر جانے کا نشان ملتا ہے ملاحظہ ہو۔ جلاء المجران بخارا لاؤ از مجلس المتقین ریاض الشہادت کتاب الصوفیہ ساکبہ معقل عجم۔



تھا لیکن (سقائی کی جدوجہد میں گرز آہنی سے مضروب ہونے میں بھی علی کے ہم پلہ بنادیا۔) تلوار سے گرز آہنی کا وزن زیادہ ہے۔ اس گرز کے پڑنے کے بعد نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور امیدیں پامال ہوئیں۔ مسلمانو! حضرت عباس سے عزائم کی چٹنگی سیکھو۔

**حضرت عباس کی علمداری:**

اگرچہ تاریخوں سے یہ واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتا ۶ھ سے قبل آپ کو کب یہ عہدہ تفویض کیا تھا۔ لیکن قرآن بتاتے ہیں کہ آپ کو یہ عہدہ علمبرداری پہنچنے ہی سے مل گیا ہوگا۔ مختلف جنگوں میں آپ کا ہونا اور خصوصیت سے جنگ صفین میں نبرد آزما کرنا جبکہ آپ کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپ نے علمداری کی ہوگی۔ خصوصاً ان جنگوں میں جن میں حضرت امام حسینؑ شریک تھے۔ لیکن بہر صورت اس وقت سے آپ کی علمبرداری مسلم ہے جس وقت مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی ہے۔ اور آپ اپنے بھائی کے چھوٹے سے لشکر کے آگے آگے علم بدست مدینہ پر چل رہے تھے۔

کر بلا پہنچنے کے بعد جتنے مواقع علمداری کے سامنے آئے ہیں معصوم کی نظر انتخاب اسی بہادر پر پڑتی رہی ہے۔ اور کر بلا کی ہولناک جنگ میں مستقل علمبردار یہی بہادر رہا جس کا نام آج تک دنیا احترام سے لیتی ہے۔ قیامت تک لیتی رہے گی۔

**حضرت عباس اور شان علمبرداری:**

میری کیا مجال کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شان علمبرداری کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ سردست صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اسی شان و شوکت کے ساتھ علمبرداری کی ہے جس شان سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت جعفر طیار نے لشکر اسلام کی علمبرداری کی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ تمام صفات جو ایک علمبردار میں ہونے چاہئیں وہ سب ان حضرات میں مکمل طور پر موجود تھے۔

سب سے بڑی چیز جو علمدار لشکر کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بلند ہمت، قوی دل، جری، بہادر اور شجاع ہو۔ بڑے بڑے ہو کناک جنگاہ میں پہنچا دینا اور دشمن سے بے تھیک لڑ جانا۔ غم کھانا، تلوار کا پانی پینا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا، دشمن سے مرعوب نہ ہونا، مستقل مزاج ہونا، میدان جنگ کی طرف پشت کرنے کو عار جاننا۔ اپنے آقا کا تابع فرمان ہونا اس کا شیوہ زندگی ہو۔ اور وہ علم کی حفاظت میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو تیار رہے۔ مختصر یہ کہ اتنا بہادر ہو کہ

ہاتھوں کے ٹوٹ جانے اور بازوؤں کے کٹ جانے پر بھی علم اسلام سرنگوں نہ ہونے دے۔  
یہ ظاہر ہے کہ ان صفات سے متصف بہت کم لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے عہدہ  
علمبرداری دوسروں کے سپرد کرنا تو درکنار خود اس وقت بھی ان کو ہاتھ نہیں لگانے دینا چاہئے۔  
جب علمدار کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ ثبوت کے لئے فعل رسول اسلام ﷺ دیکھ لیجئے۔

کسرت زند علی یوم احد فی ویدہ جنگ احد میں علم رسول علی کے ہاتھ میں تھا۔  
لواء رسول اللہ فسقط اللواء من حضرت علی کی دہنی کلائی ٹوٹی۔ ہاتھ سے علم  
یدہ فتحاما المسلمون ان یاخذوہ چھوٹا۔ لوگوں نے سنبالنا چاہا۔ ارشاد ہوا کہ  
فقال رسول اللہ صلعم قضعوه فی کوئی نہ لے۔ علم علی ہی کے بائیں ہاتھ میں  
یدہ الشمال نانه صاحب اللواء فی دے دو۔ اس لئے کہ یہی دنیا و آخرت دونوں  
الدنيا والاخره۔ (مناقب شہر میں میرے علمبردار ہیں۔

آشوب ج ۳ صفحہ ۱۵۹۔ طبع  
بمبئی و ناسخ التواریخ ج ۳۔

صفحہ ۷۱۱ طبع بمبئی)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ علم اسلام اٹھانے والے تھا علی ابن ابی طالب ہی تھے۔  
دوسرے یہ تعلیم بھی واضح ہو گئی کہ اگر داہنا ہاتھ ٹوٹ جائے تو علم کو بائیں ہاتھ میں لے لینا  
چاہئے۔ علی ابن ابی طالب کے واقعہ میں صرف داہنا ہاتھ بیکار ہونے پر بائیں ہاتھ میں لینے کی  
تعلیم ملی۔ اس سے آگے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن ایک عہد رسالت کے دوسرے مجاہد حضرت جعفر  
طیار نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اگر بایاں ہاتھ بھی کٹ جائے تو علم کو سینہ سے لگا کر دل کی قوت اور  
ایمان کی طاقت سے سنبالنا چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ علمدار کر بلا کا جب داہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم اور  
اس مشکیزہ کو (جس کی حیثیت وہ علم ہی کے لگ بھگ سمجھتے تھے۔) بائیں ہاتھ سے سنبالا۔ جب وہ  
ہاتھ بھی کٹ گیا تو اہل کو ”ضمہ الی صدرہ“ اپنے سینہ سے لگا لیا اور دل کی قوت سے تھامے رہے اور  
مشکیزہ کے تسمہ کو دانتوں سے دبا کر ایمان کی طاقت اور وفاداری کی قوت سے سنبالے رکھا۔

حضرت عباس کا علم نکالنا سنت آل محمد ﷺ ہے:

چونکہ علم حضرت عباس علیہ السلام میں ایک کرامت موجود ہے۔ کہ اس کے منظر عام پر  
آتے ہی ناواقف نگاہیں تجسس سے فلک کرنے لگتی ہیں کہ آخر یہ کیا چیز ہے اور جاننے والوں کے دلوں  
میں خون اسلام جوش مار کر شہیدانسانیت کی بہادری کی داد دیتا۔ اور ہمہ تن دعوت تبلیغ بن کر نظروں

میں ساجاتا ہے۔ کئے ہوئے ہاتھوں کے سینھلے ہوئے علم کو میساختہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی لکھتے ہیں۔ ”عباس کا قاتل موت کے دستبرد کار کا شکار ہو گیا۔ مگر عباس کا علم آج بھی اسلامی رگوں میں خون کو جوش میں لانے کے لئے مظہر عام پر نظر آتا ہے“ فلسفہ آل محمد ص ۷۷ طبع لکھنؤ۔ لہذا حضرات آل محمد علیہم السلام نے اس علم کو مظہر عام پر لانا سنت قرار دیا اور خود اسے نکالتے رہے۔ رسالہ اوراق غم مضفہ حکیم ابوالحسنات سید محمد صاحب حنفی۔ قادری، چشتی، متقی، الورد پنجاب خطیب مسجد لاہور کے حوالہ سے (رسالہ معین دین ماہ اپریل ۱۹۳۴ء میں ننگے سر ہونے، منہ پینٹے سیاہ پوش ہونے، واویلا کرنے، اقسام اقسام کے مرعے پڑھنے، نوحہ کرنے، نوحہ گہ ہونے، چلا چلا کر رونے، تعزیئے نکالنے وغیرہ وغیرہ کے بعد لکھا ہے:

”سات محرم الحرام کو علی اور حضرت عباس علیہ السلام کا علم نکالنا مندرجہ ذیل بالاسب درست ہیں۔ اور افعال آل محمد ہیں۔

ناظرین کرام! جناب مفتی صاحب حنفی کے بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کا علم نکالنا اسی طرح سنت آل محمد ہے جس طرح مجلس منعقد کرنا اور تعزیہ نکالنا سنت ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا روزنامہ مجہد اور علم:

خوابہ حسن نظامی محرم ۱۳۶۵ھ میں حیدر آباد کن گئے تھے۔ اور وہاں کی عزاداری میں نئی نواب حیدر آباد کے ساتھ شرکت کی تھی۔ وہ اپنے روزنامہ مطبوعہ اخبار منادی دہلی مورخہ ۲۶/۱۲/۳۵ میں مفصل حالات کے ذیل میں علم کے متعلق لکھتے ہیں: ”آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے۔ تمام ہندوستان میں علم اٹھائے جائیں گے۔ حیدر آباد میں بھی بہت سے امامباڑوں میں بھی تاریخی علم موجود ہیں۔

۱۔ محرم..... ہزاروں سیاہ پوش سرد پابرہنہ بڑھوں، جوانوں اور بچوں کا ایک جلوس اندر آیا جس کے ہاتھ میں عباس کا علم تھا جلوس ”اے زہرا وادہ یلا“ کے نعرے لگا رہا تھا اور فارسی میں اعلیٰ حضرت کا مرثیہ پڑھتا جاتا تھا۔ نواب سالار جنگ، بہادر اور شیعہ امراء سیاہ لباس اور سیاہ دستاروں میں تھے۔ جب جلوس نے تمام جلوخانہ کا گشت لگا لیا تو علم لے کر وہ امام باڑہ کے اندر گیا۔ میں بھی اعلیٰ حضرت اور دیگر رساء کے ہمراہ امام باڑہ کے اندر گیا۔ وہاں بکثرت سیاہ پوش بوڑھے اور جوان بچے سرد پابرہنہ سینے کھولے ہوئے جمع تھے۔ ان میں اکثر ایرانی نسل سے معلوم ہوتے تھے..... کچھ دیر بعد حضرت بیوی کا علم ہاتھی پر آیا۔ اعلیٰ حضرت میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا: خوابہ صاحب کبھی پہلے بھی حویلی قدیم کا یہ جلوس دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ”جی نہیں میرے

لئے یہ پہلا موقع ہے، علم آ جانے کے بعد سیاہ پوش سر و پارہنہ ماتم گزاروں کا ایک بڑا جلوں اندر آیا۔ جو صف بندی کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان میں بوڑھے، جوان اور بچے ہزاروں کی تعداد تھی میرا خیال تھا کہ عزرا خانہ زہرا کی مجلس ختم ہو گئی ہیں اور اب مجھے کہیں جانا نہیں ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے جو محلے میں بلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی موجودہ سکونت کنگ کونھی میں ہے ان کے والد اور تمام اجداد جو محلے میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں ان کے والد حویلی قدیم میں رہنے لگے تھے۔ جہاں میں پہلی دفعہ عشرہ محرم کی شام کو بیوی کا علم دیکھنے گیا تھا۔ جو محلہ مبارک..... پرانے شہر کے اندر ایک بہت وسیع اور شاندار پر فضا مقام ہے اس مکان میں قدیم زمانہ کے نہایت نادر تبرکات اور آثار قدیمہ ہیں جن میں قلمی قرآن مجید بھی ہیں۔ علم بھی ہیں اور سونے کے تعزے بھی ہیں۔ دہلیز کے اندر کے دو کمروں میں تلاوت قرآن مجید کی آواز آرہی تھی۔ نواب صاحب چھتاری نے مجھے وہ سب علم دکھائے جو کچھ چاندی کے اور بقیہ سب سونے کے تھے۔ جن پر نہایت خوش قلم طغریٰ عربی خط میں منقش تھے۔ اور ہیرے، موتی یا قوت۔ زمردان پر چڑھے ہوئے تھے۔ اور برقی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سونے کے دو تعزے بھی وہاں تھے۔ ایک تعزیہ نبخ اشرف کے روضہ کے ہم شبیہ اور دوسرے کربلائے معلیٰ کے روضہ کے ہم شبیہ تھے۔ اور تقریباً تین فٹ اونچے اور پانچ فٹ چوڑے چکلے تھے۔ نواب سالار جنگ بہادر نے کہا یہ دونوں تعزے ٹھیک پیمائش اور پیمانہ کے موجب دونوں روضوں کی نقل ہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت پھر دہلیز میں تشریف لے آئے۔ اور وہاں انہوں نے ان آثار قدیم اور تبرکات کے تاریخی حالات بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں بعض علم میں نے رام پور سے منگوائے ہیں۔ اور ان سب کی لاگت خود ادا کی ہے۔ اگرچہ نواب صاحب رامپور چاہتے تھے کہ ان کی تیاری کے مصارف وہ ادا کریں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے صرف ایک علم ان کا قبول فرمایا۔ باقی سب کی قیمت زیدی صاحب چیف منسٹر رامپور کو روانہ فرمائی۔ اس نے بہادر شاہ ظفر کا تبدیل مذہب اور علم:

ناظرین کرام! غولجہ صاحب کے روزنامے سے آپ کو سنی ریاست حیدر آباد دکن کے حکمران کا طرز عمل معلوم ہوا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجھدار لوگ علم اور تعزیم کی کس درجہ قدر کرتے ہیں۔ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوالمظفر نواب بہادر شاہ نے تبدیل مذہب میں علم کی کس درجہ تک قدر کی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بہادر شاہ ایک دفعہ بیمار ہوا اور اس نے منت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہو گیا تو حضرت عباس کا علم درگاہ میں چڑھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے صحت پائی۔ لہذا اس نے مرزا محمد حیدر رشکوہ بہادر مرزا محمد نور الدین بہادر کی وساطت سے حضرت عباس کا

علم تیار کرنا مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد کے ہاتھوں درگاہ حضرت عباس میں چڑھایا اور ایک مرثیہ بھی کہہ کر بھیجا جو درگاہ میں پڑھا گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے مذہب اہلسنت کو ترک کر کے مذہب اہل تشیع اختیار کیا۔ چنانچہ اس کاشعوت امین الدولہ کن فرید صاحب بہادر دیر جنگ ابجنت شاہ جہاں آباد کے اس خط سے ملتا ہے جو انہوں نے اس واقعہ سے گھبراہٹ میں لکھ کر ابجنت مقیم لکھنؤ کے پاس بھیجا تھا۔ یہ خط ۲۶ دسمبر ۱۸۵۳ء کو لکھا گیا تھا۔ جس کے بعض جملے یہ ہیں۔

دیں ایام بملاحظہ قطعات سوالات علماء و  
مشائخ این شہر بوضوح پیوستہ کہ از روئے  
اخیار و خطوط لکھنؤ بد ریافت این مردم رسیدہ  
کہ بتاریخ ششم ربیع الاول سنہ حال مرزا  
حیدر شکوہ بہادر و مرزا نور الدین بہادر شیعہ  
مذہب نمبرگان مرزا سلیمان شکوہ بہادر در  
لکھنؤ علی بکباں بجل ہمراہ عمائد آن شہر  
برداشتہ بدرگاہ حضرت عباس برہند و  
فضیلت پناہ سیادت دستگاہ سید محمد مجتہد شیعہ  
بدست خود علم مذکور رادر درگاہ موصوف  
نصب عمودہ و مرزایان موصوف نسبت  
ابلاغ آن علم بہ ہندگان والا کردند و نیز مرزا  
نور الدین بہادر بہ منبر برآمدہ مرثیہ بزبان  
اردو کہ متضمن ہے بے ادبی صحابہ کرام رضوان  
اللہ علیہم بودہ در تخریج کثیراً و از بلند بر خواندہ  
در مطلع آن مرثیہ تخلص آن حضور پر نور درج  
کردہ قطعہ شقہ مہری خاص متعتر ترک کردن  
مذہب اہل سنت و اختیار نمودن مذہب اہل  
تشیع و وثوق آمادہ تعمیر اما مبارزہ و اختیار  
تعزیرہ داری بردوام موسومہ مجتہد مذکور  
ساختہ۔ الخ

مشائخ و علماء دہلی کی درخواستوں سے جو اس زمانہ  
میں آتی ہیں واضح ہوا کہ لکھنؤ کے خطوط اور خصوصی  
اطلاعات سے ان لوگوں کو معلوم ہوا ہے کہ ۶ ربیع  
الاول سال رواں کو مرزا حیدر شکوہ بہادر اور مرزا  
نور الدین بہادر نے جو مذہب شیعہ رکھتے ہیں۔  
اور مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے ہیں۔ لکھنؤ میں  
ایک علم بہت شان و شوکت کے ساتھ وہاں کے  
عمائدین اور روساء کی معیت میں اٹھایا اور حضرت  
عباس کی درگاہ لے گئے اور فضیلت پناہ و سیادت  
دستگاہ سید محمد صاحب مجتہد شیعہ نے اپنے ہاتھ  
سے وہ علم درگاہ میں قائم کیا اور مرزایان مذکور نے  
اس علم کے بھیجے کی نسبت اعلیٰ حضرت بادشاہ معظم  
کی طرف دی اور مرزا نور الدین بہادر نے منبر پر جا  
کر ایک مرثیہ اردو زبان میں پڑھا جو صحابہ کرام کی  
شان میں ہے ادبی پر مشتمل تھا۔ ایک بڑے مجمع  
میں پڑا و از بلند پڑھا۔ اور اس مرثیہ کے مطلع میں  
حضور پر نور کا تخلص درج کیا۔ اور ایک خط بادشاہ کی  
مہر سے مزین اس مضمون کا کہ بادشاہ نے مذہب  
اہل سنت کو ترک کیا اور مذہب شیعہ اختیار کیا اور یہ  
کہ عنقریب وہ ایک اما مبارزہ بنوائیں گے اور تعزیرہ  
داری ہمیشہ کرتے رہیں گے مجتہد مذکور کا نام ظاہر  
کیا۔ الخ۔ رسالہ حقائق۔

## حضرت عباس اپنی نظیر آپ تھے

حضرت عباس کے وہ کارنامے جو ولادت سے شہادت تک دنیا کے سامنے پیش ہوئے اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ آپ نے سوتیلے بھائی ہونے کے باوجود حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دنیا کے کسی حقیقی بھائی سے ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

علامہ ابن اثیر، حضرت ابوبکر کے داماد زبیر جو جنگ جمل کے لیڈر تھے اور عشرہ مبشرہ میں شامل۔ کے دو بگے بیٹوں عبداللہ بن زبیر اور عمرو بن زبیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

فارس الى الفز من اهل المدينة فضر بهم ضرباً شديداً لئلا هم في اخيه عبد الله منهم اخوه المنذر بن زبير وابنه محمد بن المنذر وعبد الرحمن بن الاسود وعبد يغوث وعثمان بن عبد الله بن حكيم بن حزام ومحمد بن عمار بن ياسر وغيرهم فضر بهم الاربعين الى الخمسين فاستشار عمر و بن سعيد عمرو و بن الزبير فيمن يرسله الى اخيه فقال لا توجه اليه رجلاً انكاله منى فجهر معه الناس وفيهم انيس بن عمر والا سلمى في سبع مائة وفجاء مروان بن الحكم الى عمر بن سعيد فقال له لا تعزم مكة واتق الله ولا تحل حرمة البيت واخلو ابن زبير فقد كبر وله ستون سنة وهو لجوج فقال عمر بن الزبير والله لنقرونه في جوف الكعبة على زغم انف من زغم والى ابو ثريح الخزاعي الى عمر و قتال لا تفزم مكة فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انما اذن لي بالقتال فيها ساعة من نهار ثم عادت كحرمتها ما الامس فقال له عمر النخن اعلم مجرمتها منك ايها الشيخ فسارا انيس في مقدمة. وقيل ان يزيد كتب الى عمر بن سعيد ليرسل عمر بن الزبير الى اخيه عبد الله فنحل فارسله ومعه سبيش نحو الف رجل ننزل انيس بذي طوى و نزل عمر بالاطح فارسله وعمر و الى اخيه به يمين يزيد و كان حلف ان لا يقبل بيعته الا ان يوتى به في جامعة و تعال حتى اجعل في عنقك جامعة من فضة لا ترى ولا يضرب الناس بعضهم بعضاً فانك في بلد حرام فارسله عبد الله بن زبير عبد الله بن صفوان نحن انيس في من معه من اهل مكة ممن اجتمع اليه فهزمه ابن صفوان بذي طوى واجهر على جر مجهم و قتل انيس بن

عمرو سار معصب بن عبد الرحمن الی عمرو بن الزبیر فتفرق عن عمرو اصحابه فدخل دار بن علقمة فاتاه اخوه عبيده فاجاده ثم اتى عبد الله فقال له انى قد اجرت عمر ا فقال اتجبر من حقوق الناس. هذا مالا يصلح وما امرتك ان مسحتير هذا الفاسق المستحل لحرمت الله ثم افاد عمرا من كل من ضربه الا المنذر وابنه فانهما ابيا ان لستقيدا ومات تحت السياط (تاريخ كامل ج ۴ ص ۸ طبع مصر)

ترجمہ: جب عبد اللہ ابن زبیر کے بھائی، عمر بن زبیر حاکم مدینہ منورہ کے کو تو ال مقرر ہوئے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے بہت سے معززین کو گرفتار کر کے اس جرم میں بہت پٹوایا کہ وہ سب ان کے بھائی عبد اللہ بن زبیر کے بھی خواہ اور طرفدار تھے۔ ان معززین میں عمر بن زبیر کا ایک اور بھائی منذر بن زبیر اور اس کا بیٹا محمد بن منذر اور عبد الرحمن ابن اسود بن عبد یغوث اور عثمان بن عبد اللہ بن حکم بن حزام اور محمد بن عمار اور عمار بن یاسر وغیرہ تھے۔ عمر بن زبیر نے ان بے چاروں کو ۳۰-۵۰-۶۰ درے لگوائے۔ پھر حاکم مدینہ منورہ عمر بن سعید اشرق نے اس عمر بن زبیر سے مشورۃ پوچھا کہ تمہارے بھائی عبد اللہ بن زبیر سے لڑنے کی کس کو بھیجا جائے۔ عمر بن زبیر نے کہا میرے بھائی کا مجھ سے بڑا کوئی دشمن نہیں۔ اس سے لڑنے کے لئے میرے علاوہ کسی کو نہ بھیجنا۔ چنانچہ حاکم مدینہ منورہ نے ایسا ہی کیا۔ اور عمر بن زبیر کی ماتحتی میں عبد اللہ بن زبیر سے لڑنے کے لئے ایک بھاری فوج بھیج دی۔ عمر بن زبیر کا ماتحت انیس بن عمر اسلمی تھا جو سات سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پھیلی تو حاکم مدینہ منورہ کے پاس مروان بن حکم آیا اور کہا کہ مکہ معظمہ پر چڑھائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ خانہ خدا کی حرمت برباد ہونے سے بچاؤ اور عبد اللہ بن زبیر کو چھوڑ دو۔ دیکھو ان کی عمر بھی زیادہ ہے وہ سنبھال گئے ہیں۔ اور ضدی بھی ہیں۔ اس کے جواب میں عمر بن زبیر نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم مکہ معظمہ پر ضرور حملہ کریں گے اور عبد اللہ بن زبیر اگر خانہ خدا کے اندر ہو گا تو وہاں بھی جنگ کریں گے۔ چاہے کسی کو کتنا ہی برا لگے پھر ابو شریح خزاعی عمر بن زبیر کے پاس آیا اور سمجھایا کہ مکہ معظمہ پر چڑھائی نہ کرو کیونکہ میں نے آنحضرت صلیم کو یہ کہتے سنا ہے کہ صرف (فتح مکہ) کے موقع پر توڑی دیر کے لئے مجھے اجازت ملی تھی۔ پھر اس کے بعد اس پر

۱۔ یزید بن خلیفہ ہونے کے بعد حاکم مدینہ منورہ ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین اور عبد اللہ ابن زبیر وغیرہ سے میری بیعت لے لے اگر انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کے میرے پاس بھیج دے۔ (روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵۶۶-۵۶۷ تاریخ معصم کوئی ص ۱۱۲۸) ان لوگوں نے بیعت سے انکار کیا اور مدینہ منورہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ یزید منورہ نے حاکم مدینہ ولید کو معزول کر کے ان کی جگہ پر عمر بن سعید اشرق کو مقرر کر دیا۔ عمر بن سعید نے عبد اللہ ابن زبیر کے بھائی عمر بن زبیر کو مدینہ کا کو تو ال مقرر کیا۔ ۱۲- منہ

چڑھائی کرنا حلال اسی طرح حرام ہو گیا جس طرح پہلے تھا۔ مگر اس کا جواب بھی عمرو بن زبیر نے ٹیڑھا ہی دیا۔ کہلا بھیجا کہ اے بڑھے میں حرمت کعبہ تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔ غرض کہ عمرو کسی طرح نہ مانے اور عبد اللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔ انیس بن عمر بھی ان کی ماتحتی میں اپنی فوج لے کر چل پڑا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یزید ہی نے عمر بن سعید کو لکھا تھا کہ عبد اللہ ابن زبیر سے لڑنے کے لئے عمرو بن زبیر کو تیار کر چنانچہ اس نے تیار کیا اور دو ہزار کار سالہ دے کر اسے روانہ مکہ معظمہ کیا۔ غرض کہ انیس اپنی فوج سمیت مقام ذی طوی میں اترا اور عمرو بن زبیر مقام ارجح میں ٹھہرا۔ عمرو بن زبیر نے اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے مالک یزید نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک تمہاری بیعت قبول نہ کرے گا۔ جب تک تمہیں زنجیروں میں جکڑا ہوا دربار میں نہ دیکھ لے بہتر ہو گا کہ تم چپکے سے میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری گردن میں باریک سی نفرتی زنجیر ڈال کر تمہیں یزید کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ اس طرح تمہاری ذلت بھی نہ ہوگی اور اس کی قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ اور کشت و خون بھی رک جائے گا۔ دیکھو تم ایسے شہر میں ہو جہاں لڑنا حرام ہے۔ عبد اللہ بن زبیر بھلا گرفتار ہونا کیسے قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے انیس اور اس کی فوج کے مقابلہ میں ایک مکی فوج کے ساتھ عبد اللہ ابن صفوان کو بھیج دیا۔ دونوں فوجوں میں مذبذب ہوئی۔ عبد اللہ ابن صفوان نے انیس کو شکست دی اور زنجیروں کو تہ تیغ کیا۔ پھر انیس کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے ایک دوسری فوج مصعب بن عبد الرحمن کی ماتحتی میں عمر ابن زبیر سے لڑنے کے لئے گئی اور کامیاب ہوئی۔ عمر کی ہزیمت شدہ فوج پر انگدہ ہو گئی۔ اور عمرو بن زبیر کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بھاگے اور بھاگ کر ابن علقمہ کے دامن میں پناہ لی۔ پھر اس کے بھائی عبیدہ نے اپنے کنار امن میں لے لیا۔ اور عبد اللہ بن زبیر سے مل کر کہا کہ میں نے عمرو کو پناہ دے دی ہے۔ اس پر وہ بگڑ کر بولے۔ کیا تم اسے لوگوں کے حقوق سے پناہ دے سکتے ہو۔ یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تو تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اس فاسق و فاجر کو جس نے حرمت خدا کو حلال کر دیا ہے۔ امن و دنیا الغرض عبد اللہ ابن زبیر نے حکم دے دیا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے۔ اور اس سے ان تمام کوڑوں کا بدلہ لیا جائے جو اس نے مدینہ منورہ کے معززین کی پشتوں پر لگوائے ہیں۔ چنانچہ تمام لوگوں کی طرف سے اس کی پشت پر کوڑے لگوائے گئے۔ البتہ اس کے بھائی منذر ابن زبیر اور یحییٰ بن منذر نے عوض لینے سے انکار کر دیا۔ غرض کہ عمرو بن زبیر نے کوڑوں کے سایہ میں دم توڑ دیا۔

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے چند باتیں ثابت



ہوئیں (۱) عمر بن زبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مکہ معظمہ نہیں گئے۔ (۲) پھر عبداللہ بن زبیر کے دشمن یزید کی حکومت میں ملازمت کر لی۔ اور حاکم مدینہ منورہ کے کوتوال ہو گئے۔ (۳) کوتوال ہونے پر بھی اپنے بھائی کو کوئی مدد نہ دی۔ نہ حاکم مدینہ منورہ سے ان کی کوئی سفارش کی بلکہ اپنے بھائی کے ہوا خواہوں کو کوڑوں سے پٹوایا (۴) جب حاکم مدینہ منورہ نے ان سے مشورہ کیا کہ ان کے بھائی سے لڑنے کو کسے بھیجا جائے تو بجائے اس کے کہ وہ انہیں جنگ سے بچاتے۔ خود حملہ کرنے کو تیار ہو گئے (۵) مروان نے حاکم مدینہ منورہ کو عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ مگر عمرو بن زبیر نے اس کی مخالفت کی اور قسم کھائی کہ ان سے خانہ کعبہ کے اندر جا کر لڑوں گا۔ (۶) ابوشریح خراعی نے بھی روکا مگر یہ اپنی بات سے نہیں ہٹے۔ (۷) اپنے بھائی کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ میں تمہیں گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دوں۔ (۸) عبداللہ بن زبیر نے بھی موقع پایا تو عمر ابن زبیر سے اتنا بدلہ لیا کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گئے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عباس علیہ السلام جناب سید الشہداء کے سوتیلے بھائی ہیں۔ مگر آپ نے حضرت کو کسی وقت چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ حضرت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ گئے تب بھی آپ ساتھ رہے۔ حضرت مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تب بھی جناب عباس ہمرکاب ہی رہے اور اس طرح خدمت کی کہ بھائی بھی معلوم ہوئے بیٹے بھی، نوکر بھی اور غلام بھی کہ جس وقت کوئی ضرورت پیش آئی جناب عباس لبیک یا سیدی یا مولائی کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ الخ (املاح۔ ج ۳ ص ۸۷ ص ۱) یہی وجہ ہے علماء نے کھلے الفاظ میں لکھ دیا کہ دنیا نے تمام فردوں پر بھی حضرت عباس کا قیام نہیں کیا جاسکتا۔ حتیٰ کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے دیگر بیٹے بھی ان کے مقابلہ میں حد قیاس سے باہر ہیں۔ یہاں تک کہ محمد حنفیہ جیسی، حتیٰ کہ اس کے مقابلہ میں نہیں لائی جاسکتی۔ علامہ کشوری لکھتے ہیں۔ ”لا یقاس امرہ بامر غیرہ من ابناء امیر المومنین مثل محمد بن الحنفیہ“ ان کے معاملہ کا قیاس حسین علیہم السلام کے علاوہ حضرت امیر المومنین کے دوسرے بیٹوں محمد حنفیہ جیسوں پر نہیں کیا جاسکتا۔ (ماہنامہ ص ۳۵۸)

ناظرین کرام! حضرت محمد حنفیہ کی ہستی نہایت ہی بلند ہستی ہے۔ ان کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ یہ نہایت مضبوط دست و بازو اور زبردست طاقت کے مالک تھے۔ حضرت علی کی خدمت میں چند زریں پیش کی گئی۔ ان میں ایک زرہ متوسط انسان کے قد و قامت سے اک ذرا لمبی تھی۔ حضرت علی نے محمد حنفیہ سے فرمایا کہ میں نشان لگائے دیتا ہوں اس زرہ کو چھوٹی کرالائے۔ محمد حنفیہ نے زرہ لی اور حضرت علی کے لگائے ہوئے نشان کی جگہ سے پکڑ کر۔ چنانکہ باقیہ حریر قطع

کنند دامنہائے درخ آہنی را قطع۔ ”جس طرح پار چہر پر پھاڑا جاتا ہے آپ نے اس آہنی زرہ کو پھاڑ دیا۔ ایک دفعہ شاہ روم نے اپنے ملک کے بہادر کو معاویہ کے پاس بھیجا۔ معاویہ نے محمد حنیفہ ہی کو مقابلے کے لئے تجویز کیا۔ آپ نے چشم زدن میں اس کو زیر کر لیا۔ (ناسخ التواریخ۔ ج ۳ ص ۷۵) کامل مہر ج ۱۔ ص ۲۵۰ اس کے علاوہ جنگ جمل وصفین کے کارناموں سے بھی آپ کی شجاعت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان تمام کمالات کے باوجود علماء نے ایک زبان لکھا ہے کہ محمد حنیفہ حضرت عباس کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہ رکھتے تھے۔ اور خود امیر المومنین نے واقعہ کربلا کے لئے محمد حنیفہ جیسے بہادر کو ذخیرہ نہیں کیا۔ اور حضرت عباس علیہ السلام کے وجود کو ضروری سمجھا۔

مختصر الفاظ میں یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے محمد حنیفہ پر حضرت عباس کو واقعہ کربلا کے لئے کیوں ترجیح دی۔ بات یہ ہے کہ محمد حنیفہ بہادر ضرور تھے اور بڑے بہادر تھے۔ لیکن ایک موقع ایسا ہی آنے والا تھا جس میں ان کی زبان سے امیر المومنین کے حکم جہاد پر یہ جملہ نکلے تھے۔ ”الا تری لیسھا کانھا شایب المطر“ بار بار آپ حملے کرنے کو بھیجتے ہیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں کہ تیروں کا میٹھ برس رہا ہے۔ امیر المومنین نے کہا ”فیک عرف من امک“ یہ تیری ماں کا اثر ہے (شرح فتح البلاء)

واقعہ کربلا کے لئے ایسے بہادر کی ضرورت تھی جو نجیب الطرفین ہو۔ جو حسین کے قدموں پر مرنے کو زندگی سمجھتا ہو۔ جسے آب سرد کی ضرورت نہ ہو۔ جو تین دن کی پیاس کے باوجود چلو میں پانی لے کر پھینک دے۔ تیروں کی بارش اور تلوار کے پانی سے پیاس بجھانے کو سعادت جانتا ہو۔ اس وقت بھی حسین کی حمایت کا حوصلہ رکھتا ہو جب ہاتھ کٹے ہوں سینے میں تیر و نیزے لگے ہوں۔ گزر گراں بار کی ضرب سے بھیجا کندھوں پر آ گیا ہو۔ زین گرم پر لاشہ ہو سرٹ چکا ہو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نعش پس گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قسم اس صفت کا انسان عباس کے علاوہ مادر گیتی نے پیدا ہی نہیں کیا۔ اسی لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عباس اپنی آپ نظر تھے۔

## حضرت عباس غلام کے لباس میں

جس طرح حضرت علی علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبدیت کا دم بھرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ ”انا عبد من عبيد محمد“ میں آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام بھی حضرت امام حسین کی غلامی کا دم بھرتے

تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ ”انا عبد من عبید الحسین“ میں حسین کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ (مائیں ص ۴۴۰)

ناظرین کرام! عبد اس غلام کو کہتے ہیں کہ ”لزمہ ولم یفارقہ“ جو کسی وقت ساتھ نہ چھوڑے اور جو صحیح غلامی کا دم بھرنے والا ہو۔ (المجدد ص ۳۲۶) اور عبید اسم جمع ہے یعنی بہت بندگی کرنے والے۔ لغات سروری۔ ص ۱۷۸۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی یا حضرت عباس علیہم السلام نے عبدیت کے صحیح معنوں پر عمل کیا۔ کوئی وقت تاریخ کے دامن میں ایسا نہیں ملتا جس میں یہ کہا جائے کہ ان حضرات نے اپنے مدوح اور آقا کا ساتھ چھوڑا ہو۔ چاہے خوشی کا موقع ہو۔ مسرت کی گھڑی ہو۔ یا تیر برستے ہوں۔ نیزے لگتے ہوں۔ تلواریں چلتی ہوں۔ غرض کہ ہر حال میں ساتھ رہے۔ فریضہ خدمت گزاری میں بسر و چشم منہمک رہے۔ اور غریہ کہتے رہے کہ میں اپنے آقا کا غلام ہوں۔ اور صرف کہتے ہی نہ تھے بلکہ عمل کر کے دکھلاتے تھے۔

تاریخ اعظم کوئی اردو۔ طبع دہلی کے ص ۲۶۳ پر ہے کہ ”دوسرے دن جب امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد کے پاس پیغام پہنچایا کہ تجھ سے کچھ کہنا ہے۔ رات کے وقت مجھ سے مل جانا اور میری باتیں سن لینا۔ عمر سعد ایک سو تیس سوار لے کر اپنے لشکر گاہ سے نکلا۔ امیر المومنین حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہی سواروں سے کہا کہ تم پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ وہ سوار پرے سرک گئے۔ عباس بن علی اور علی اکبر آپ کے ساتھ رہے عمر نے بھی اپنے آدمیوں کو جو ہمراہ تھے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کا غلام لاحق اور بیٹا حفص اس کے ساتھ رہے۔

اکثر کتب مقاتل میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ عمر بن سعد نے تمام سواروں کو علیحدہ کر دیا لیکن اپنے بیٹے حفص اور غلام لاحق کو ساتھ رکھا۔ تو امام حسین علیہ السلام تنہا اس سے ملنے کو چلے۔ امام حسین نے فرمایا۔ بھائی مجھے تنہا جانے دو۔ تم لوگوں کے ہونے سے وہ ڈرنے جائے۔ حضرت عباس نے عرض کی مولا! جبکہ اس کا غلام ”لاحق“ ساتھ ہے تو آپ کا غلام عباس بھی آپ کے ساتھ چلے گا۔ غرض کہ ادھر سے عمر سعد اور اس کا بیٹا حفص اور غلام لاحق اور ادھر سے امام حسین علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت علی اکبر اور غلام کی جگہ حضرت عباس علیہ السلام یک جا ہوئے اور گفتگو ہوئی۔

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ مولوی دہلی تحریف فرماتے ہیں کہ:

حضرت عباس کو امام حسین کے ساتھ عشقہ نیاز مندی کا شرف حاصل تھا۔ آپ جناب امام کے ہر امر میں مطیع و منقاد تھے اور آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا سعادت ابدی تصور کرتے

تھے۔ باوجودیکہ آپ امام حسین کے بھائی تھے مگر آپ نے کبھی بھائی کہہ کر جناب امام حسین کو خطاب نہیں کیا بلکہ فرط ادب و تعظیم سے ہمیشہ آقا۔ سید اور مولانا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ آپ کو جناب عالی مقام کے بچوں سے بے حد محبت تھی۔ اور جناب سیکینہ بھی آپ سے مانوس تھیں۔ چنانچہ دشت کربلا میں بھی حضرت سیکینہ کی تشنگی اور پیاس کو دیکھ کر آپ بے حد بے چین اور مضطرب ہو رہے تھے۔ اور حضرت سیکینہ بھی جناب عباس سے ہی بار بار پانی کا تقاضا فرماتی تھیں۔ اور بالآخر حضرت عباس پانی لانے ہی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ کہ دشمنوں نے آپ کو ساحل فرات پر شہید کر دیا۔ (شہید اعظم ص ۲۰۰ طبع دہلی)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس اپنے کو غلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہمیشہ آقا سمجھتے رہے کبھی بھائی کو بھائی کہہ کر نہیں پکارا۔ (ریاض القدس ج ۲ ص ۶۷) ایک شاعر حضرت امام حسین کی ربانی اس موقع پر حضرت کو پکار رہا ہے۔ جب آپ ریگ گرم پر کربلا میں دم توڑ رہے تھے۔

اپنے کو غلام اور مجھے آقا سمجھے اس تیری وفا کے ہوں میں قربان علمدار  
اک بار تو بھائی مجھے تم کہہ کر پکارو رہ جائے نہ دل میں مرے ارمان علمدار

## حضرت عباس علیہ السلام علم کے میدان میں

باپ کا اثر بیٹے میں ہونا ضروری ہے۔ حضرت عباس حضرت علی کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا ہے ”زقنی رسول اللہ زقاراً“ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کبوتر جب اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے تو وہ تمام دانے جو اس کے پوٹے میں ہوتے ہیں بلا تحلیل کل کے کل بچے کے پوٹے میں پہنچا دیتا ہے۔ یہی مقصد حضرت علیؑ کے ارشاد کا بھی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ جو علم خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے وہ سارا کا سارا مجھے عطا فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ خود علم لدنی رکھتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بھی تمام علم حاصل کر لیا تھا۔ گویا آپ علمی نقطہ نظر سے ساری کائنات پر فوقیت کے مالک ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”سلوئی قبل ان تفقدونی“ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ قبل اس کے کہ میں تم میں موجود نہ ہوں۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ ”علمی رسول اللہ الف باب الخ“ پیغمبر اسلام ﷺ نے ہزار باب علوم کے مجھے تعلیم کئے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب خود پیدا کر لئے ہیں۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت علیؑ کو علوم بھرائے ہیں اس طرح آئمہ معصومین نے حضرت عباس علیہ السلام کو علوم سے بھرپور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس کے لئے ارشاد معصومین یہ ملتا ہے۔ ”ان العباس بن علی ذق العلم ذقا“ عباس بن علی کو علوم بھرا دئے گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ نے جو علم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا تھا وہ سارا کا سارا حضرت عباس کو عطا کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے اپنے علوم سے بہرہ ور فرمایا ہوگا۔ اب ایسی صورت میں حضرت عباس کے علم کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۲۳)

## حضرت عباس کا عبد صالح ہونا

یہ ظاہر ہے کہ عبدیت کا درجہ بہت بلند ہے۔ کم ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جنہیں خدا نے اپنا عبد قرار دیا ہو۔ کیونکہ عبد اپنے معبود سے ایسا مستحکم رشتہ رکھتا ہے جو بڑے بڑے انبیاء کو بھی نہ نصیب ہو سکا۔ قرآن مجید میں چند انبیاء ایسے نظر آتے ہیں جنہیں اس خاص لقب سے خدا نے نوازا ہے۔ ان میں خاص طور پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت داؤدؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت عیسیٰؑ اس لقب و خطاب سے ممتاز قرار دئے گئے ہیں۔ حضرت عباس جو اپنے کمالات نفسی و دینی کی وجہ سے اس خاص خطاب کے قابل تھے۔ انہیں عبد صالح قرار دیا گیا۔ جس کی سند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس زیارت مخصوصہ میں دے رہے ہیں جس کے راوی ابو جعفر ثمالی ہیں ارشاد فرماتے ہیں۔

”السلام علیک ایہا العبد الصالح“

”اے عبد صالح آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو“

## حضرت عباس آئمہ طاہرین کی نظر میں

اہل عصمت ہی سمجھتے ہیں تری شان وفا

دنیا میں ایسے افراد بہت کم ہوں گے جو کسی بلندی پر فائز ہونے کے بعد دوست اور دشمن طرفدار و ہمدرد اور مخالف نہ رکھتے ہوں۔ لیکن مدح اس کی اچھی نظر سے دیکھی جاتی ہے جو خود بلند ترین درجہ کا مالک ہو۔ اگر کوئی ایسی شخصیت موجود ہو جس کی مدح اللہ تعالیٰ کرے جس کی ستائش حضرت محمد ﷺ کریں اور جس کی تعریف میں آئمہ معصومین رطب اللسان ہوں تو پھر اس کی فضیلت کی کوئی حد نہ ہوگی۔ حضرت عباس علیہ السلام کی ہستی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے

کہ خداوند عالم تذکرۃ الشہداء میں آپ کو سراہ رہا ہے اور ”لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ“ کہہ کر مرنے کے بعد بھی آپ کو دیگر شہداء کی طرح زندگی دے رہا ہے اور غذا پہنچانے کا وعدہ فرما رہا ہے اور شہادت کے بعد بقول معصوم دونوں ہاتھوں کے بجائے دو پر پرواز دے کر جنت میں اڑنے کا موقع دے رہا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائش سے پہلے آپ کی شجاعت کی پیشین گوئی فرما رہے ہیں حضرت علی آپ کی ولادت کی تمنا کر کے جب اپنی آغوش میں آپ کو پالتے ہیں تو بے حد مسرور ہو کر کبھی رخسار کو بھی دست و بازو کو چومتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام آپ کے مداح نظر آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں آپ سے استعانت چاہتے ہیں۔ امام حسین اپنے تمام امور میں آپ ہی کو مرکز سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے وجود کو لشکر کے برابر قرار دے کر عہدہ علمبرداری آپ ہی کے سپرد فرماتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین واضح الفاظ میں فرما رہے ہیں۔

(۱) رحمہ اللہ عمی العباس لقد آثر  
وابلسی وفدی اخاہ بنفسہ حتی  
قطعت یناہ قاید لہ اللہ بجناحین  
یطیر بہما مع الملائکۃ فی الجنۃ  
کما جعل فعفر بن ابی طالب وان  
للعباس عند اللہ تبارک وتعالی  
منزلۃ یغیطہ علیہا جمیع  
الشہداء یوم القیامۃ (الخصال  
الصدوق ج ۱ صفحہ ۳۵)

اللہ تعالیٰ میرے چچا حضرت عباس پر رحم کرے  
انہوں نے قربانی پیش کرنے میں پورا پورا ایثار  
کیا۔ اور امتحان گاہ میں بڑی کامیابی حاصل  
کی۔ اور اپنی جان امام حسین پر قربان کر دی کہ  
دونوں ہاتھ تک کاٹے گئے (لیکن اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے اس کا بدلہ یہ ملا کہ انہیں جعفر طیار کی  
طرح جنت میں پر پرواز عطا کر دئے ہیں۔  
بیشک عباس کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے  
کہ قیامت کے دن تمام شہداء غبطہ کریں گے۔

اور لفظ جمیع الشہداء فرما کر اتنی بلندی دے دی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ ان میں وہ ہستیاں  
بھی آتی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے کار تبلیغ کی شہادت دینے والی ہیں۔ جیسے حضرت حمزہ و جعفر  
طیار (اصول کافی) اور اس کی تائید زیارت کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا گیا ہے۔

(۲) السلام علیک ایہا الربانیون  
انتم لنا فرط و نحن لکم تبع  
وانصار وانتم سادۃ الشہداء فی  
الدنیا والاخرہ انہم لم  
یسبقہم سابق ولا یلحقہم لاحق۔

ترجمہ: اے خدائی کار گزارو تم پر سلام ہو۔ تم ہم  
سے پہلے چلے گئے۔ اور ہم تمہارے بعد آ رہے  
ہیں۔ بے شک تم شہداء کے دنیا و آخرت میں  
سردار ہو۔

بے شک تم لوگ ایسے ہو کہ نہ تم جیسے پہلے شہداء گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے۔

(کامل الزیارات ص ۲۷۰-۲۱۹)

علامہ عبدالرزاق لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے مذکورہ جملہ زیارت میں تمام دنیا کے شہداء کی سرداری شہدائے کربلا کے لئے ثابت فرمادی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شہداء کربلا میں بعض امور اور خصوصی حالات کی بناء پر حضرت عباس کو ان میں امام حسین کے بعد سب سے بڑا درجہ حاصل ہوا ہے جس کی تصدیق امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ جہاں پر آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو جنت میں دو پردے گئے ہیں اور انہیں وہ فضیلت نصیب ہے جس پر جمع شہداء غبطہ کریں گے۔ (قمری ہاشم صفحہ ۵۴) اور چونکہ حضرت عباس کو بہت سے امور میں دیگر شہداء سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور آپ کو بلند درجہ نصیب ہے۔ اسی لئے امامت کے بہت سے کاموں میں آپ مددگار نظر آتے ہیں اور اہل بیت میں عملاً داخل دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۳) محبت الدین طبری کتاب ذخائر العقبیٰ کے ص ۱۴۱ پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن شہید ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام ان کو غسل دینے لگے تو آپ نے حضرت عباس کو طلب فرمایا اور پانی ڈالنے اور دیگر خدمات غسل میں بھی انہیں شریک فرمایا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے کفن پہنا سکتا ہے نماز پڑھ سکتا ہے اور دفن کر سکتا ہے۔ (ہدنیۃ المعاجز میں علامہ ہاشم بحرانی صفحہ ۲۶۱ پر ہے) کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور زمین پر تشریف فرما امام کی مدد کر کے نبی یا امام کی تجویز و تکفین کرتے ہیں۔ جیسا کہ سرور کائنات ﷺ کے بارے میں مفصل مرقوم ہے۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۵ باب ۳۔ صفحہ ۶۰ میں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو غسل دیتے وقت حضرت علی کی مدد ملا کہ کر رہے تھے۔ جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

علامہ شیخ عباس قمی انفس المہوم کے صفحہ ۲۰۵ پر قمر ازہبن کے واضح ہو کہ یہ امر اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ معصوم کافرن و کفن معصوم ہی کرتا ہے اور امام کے سوا امام کو کوئی غسل نہیں دیتا۔ اگر امام کی وفات مشرق میں ہو اور اس کا وہی مغرب میں ہو تو خداوند عالم دونوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ الخ

ارب ایسی صورت میں جبکہ آپ کو امام حسینؑ کے غسل میں شریک کیا۔ آپ کی بلندی مرتبت کے متعلق کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ اور کیوں نہ سمجھا جائے کہ آپ کا درجہ آئمہ طاہرین کے بعد دنیا میں سب سے بلند ہے اور کیوں نہ انہیں عصمت غیر استکفائیہ سے مستصف سمجھا جائے۔ کیونکہ اگر ان کے لئے عصمت واجب نہ تھی۔ جیسے آئمہ معصومین کے لئے تھی۔ جسے عصمت استکفائیہ کہتے ہیں جو معرفت علم و یقین میں کسی کے محتاج نہ تھے تو بہ سبب احتیاج الی المعصومین بوجہ

عمل و کردار اور عدم صدور گناہ انہیں معصوم غیر استکفائی تسلیم کیا جائے جیسا کہ کتاب قمر بنی ہاشم ص ۶۱ میں بحوالہ کتاب اتقان المقال ص ۵۷ مذکور ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے آپ کے لئے اس بات کی نص فرمادی ہے کہ تمام شہداء آپ کے درجہ رفیعہ پر فائز ہونے پر غبطہ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ شہداء میں حضرت علی علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تو جسے ایسا درجہ مل سکے جس پر حضرت علی جیسی شخصیت غبطہ کرے تو اس کے مرتبے اور درجے کی بلندی کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۴) اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے آپ کی بلندی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا ہے ”کسان عمننا العباس نافذ البصیرت صلب الایمان“ میرے چچا عباس بن علی کمال بصیرت اور بہترین ایمان کے مالک تھے۔ ایک مقام پر زیارت شریعت اقدس حضرت عباس کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ ”اشهد لقد نصحت لله ورسوله والاخیك فنعم الاخ الموسی“ میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

علامہ عبد الرزاق موسوی مقرر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباس کی شہادت کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی معیت میں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ جس سے بلند درجہ اور نہیں ہو سکتا یعنی اب ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ گویا حضرت عباس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت کا ملکہ کی اور اس سلسلہ میں ان کے یقین کا کمال اور توحید کی تکمیل اور دین و ایمان کی انتہا واضح ہو گئی۔

(۵) علامہ عبد الرزاق موسوی اپنی کتاب قمر بنی ہاشم میں بحوالہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۷۔ رقمطراز ہیں کہ جب ہم شب عاشور کے واقعات میں یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسین عباس بن علی سے اس وقت جبکہ لشکر آچہنچا تھا۔ یہ فرمایا کہ ”ارکب بنفسی با اخی“ اے میرے بھائی تجھ پر میری جان فدا ہو جائے ذرا جا کر دیکھ تو سہی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً عباس کا درجہ آئمہ معصومین کی نظر میں اس درجہ بلند ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اور اس کی مزید وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ آپ کے اور دیگر شہداء کربلا کے لئے زیارت جامعہ وارثہ میں فرمایا گیا ہے۔ ”بالی انتم وامی طبعتم و طابت الارض التي فيها دفنتم“ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ تم بڑے اچھے اور زمین خوش نصیب ہے کہ جس میں تم دفن کئے گئے۔ زیارت کے ان جملوں سے شہداء کربلا کی بلندی کی حد ختم ہو گئی۔ اللہ اکبر! معصوم کائنات کا یہ فرمانا کہ



میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ کتنا بلند جملہ ہے اور اس سے بڑی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

(۷) کتاب مصباح التجدد شیخ طوسی میں تحریر ہے کہ صفوان کہتے ہیں۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ حضور زیارت سید الشہداء کس احترام سے کریں۔ ”ارشاد ہوا اے صفوان! جب زیارت کا ارادہ کرو تو تین روز قبل سے روزہ رکھو اور جب ہاڑ میں پہنچو تو کہو۔ اللہ اکبر کبیرا۔ الخ پھر علی بن الحسین کی پاکبختی کی طرف سے نکل کر آگے بڑھو اور شہدائے کربلا کو مخاطب کر کے کہو: ”السلام علیکم یا اولیاء اللہ“ اے اولیاء اللہ! تم پر سلام ہو۔ امام علیہ السلام نے زیارت میں حاضر کی ضمیر اس لئے فرمائی ہے کہ یہ شہداء سلام راہ خدا میں شہید ہوئے۔ اور شہدائے راہ خدا زندہ ہوتے ہیں۔ ”لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء“

(۸) حضرت عباس کے بلندی مدارج کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے عمر بن سعد سے رات کے وقت ملاقات کی تھی تو اس موقع پر آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور علی اکبر تھے اور اسی طرح عمر بن سعد کے ہمراہ بھی اس کا غلام اور فرزند تھا۔ (ناح التواریخ ج ۶ ص ۲۲۸ طبع بمبئی)

(۹) اسی طرح جب روز عاشورا عورت بنی ہاشم میں شور فرمایا دو فحشاں بلند ہوا تو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس سے فرمایا۔ ”ان یسکتھن“ اے عباس خیمہ میں جاؤ اور عورتوں و بچوں کو خاموش کرو۔ اس لئے کہ اگر دشمن رونے کی آواز سنیں گے تو شاکت کریں گے۔ چنانچہ حضرت عباس داخل خیمہ ہوئے۔ اور سب کو سمجھا بچھا کر خاموش کیا۔ (قمر بنی ہاشم ص ۵۸)

(۱۰) حضرت امام حسین علیہ السلام نے کمال اعتماد کی وجہ سے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا تھا۔ اور آپ امتحان اکبر کے موقع پر حامل اللواء تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی شہادت سب سے بعد میں ہوئی ہے۔

(۱۱) امام حسینؑ نے اس وقت جبکہ حضرت عباس اجازت جنگ کے لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ ”اذا مضیت تغرق عسکری“ اے بھائی! کیا اجازت جنگ مانگ رہے ہو۔ ارے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تم چلے گئے تو پھر میرا سر لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

(امام حسین کا تفرق عسکری) فرمانا واضح کرتا ہے کہ امام حسین تھا حضرت عباس کو لشکر کے برابر سمجھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین کو حضرت عباس پر کس درجہ اطمینان، اعتماد اور بھروسہ تھا۔

(۱۲) حضرت عباس کی حیثیت اور فضیلت کا اس سے بھی نمایاں طور پر اندازہ لگایا جاسکتا

ہے۔ کہ جب حضرت امام زین العابدین دفن شہداء کے لئے کربلا تشریف لائے تھے تو آپ نے دیگر شہداء کے دفن میں بنی اسد سے مدد لی تھی۔ اور امام حسین اور حضرت عباس کا لاشہ خود دفن نہ کیا تھا۔ خود قبر میں اترے تھے کسی نے کہا: مولا ہم مدد کریں تو فرمایا ”ان معی من یعنینی“ ان کے دفن کے لئے ہمارے پاس مددگار موجود ہیں۔ اور ہم ان کی مدد سے دفن کر رہے ہیں۔

(دمعہ ص ۳۵۵ ساکبہ بحوالہ اسراء الشہادت و قمر بنی ہاشم ص ۵۸ بحوالہ ہدیث الایقاؤ شاہ عبدالعظیم)  
(۱۳) حضرت عباس کے لئے یہ اہم فضیلت بھی موجود ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوة اللہ علیہا شفاعت امت کے لئے انہیں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرمائیں گی۔

(کتاب جواہر الایقان صفحہ ۱۹۴)

(۱۴) حضرت فاطمہ زہرا حضرت عباس کو اپنا فرزند فرمایا کرتی تھیں۔ کتابوں میں موجود ہے کہ آپ نے ایک شخص سے خواب میں فرمایا تھا کہ ”تمزور ابنی الحسین ولا تزور ابنی العباس“ میرے ایک بیٹے حسین کی تو زیارت کر آتا ہے اور میرے دوسرے بیٹے عباس کی زیارت کو نہیں جاتا۔ مقام حشر میں آپ کا ارشاد ہوگا ”کفانا لا جمل هذا المقام الیدان المقطوعتان من ابنی العباس“ (اسراء الشہادت ص ۳۲۵ طبع ایران)

(۱۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس کی مستند زیارت میں فرماتے ہیں:  
”سلام اللہ وسلام ملائکتہ المقربین وانبیاء المرسلین وعبادہ الصالحین وجميع الشهداء والصدیقین الزاکیات الطیبات فیما تغتدی وتروح علیک یا بن امیر المؤمنین“ غور کرنے کی بات ہے کہ وہ امام جو اسرار قلوب اور خیل اذہان سے واقف ہے۔ وہ ارشاد کرتا ہے کہ عباس بن علی پر اللہ اور ملائکہ مقربین انبیاء المرسلین اور ساری کائنات کے بندوں اور دنیا کے تمام شہداء اور صدیقین کے پاک و پاکیزہ سلام ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عباس کن مدارج پر فائز تھے۔ ”کتاب قمر بنی ہاشم صفحہ ۶۳ میں ہے کہ ”فکل هؤلاء یعقربون الی اللہ بالدعاء له واستئزال الرحمة منه“ تمام ملائکہ انبیاء صالح بندوں اور تمام دنیا کے شہداء اور صدیقین حضرت عباس پر دعا کے وسیلہ سے بارگاہ احدیث میں تقرب حاصل کرنے اور رحمت کی استدعا کرنے کے قائل ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عباس کی زیارت کے مذکورہ جملوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے الفاظ کو پڑھا جائے تو معلوم ہو کہ حضرت عباس کا درجہ کتنا بلند ہے۔ امام حسین کی زیارت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

”سلام اللہ وسلام ملائکتہ فیما تروح و تفدی والزاکیات الطہرات  
لک وعلیک . سلام الملائکۃ المقربین والمسلمین لک بقلوبہم و الناطقین  
بفضلک“ الخ

دونوں زیارات کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام  
کی نظر میں دونوں شہید بلند مرتبہ ہیں۔ (بحار الانوار کتاب الزوار بحوالہ کامل الزیارات)  
میرا خیال ہے کہ مساوات اسلامی میں اس سے بہتر کوئی نظیر نہیں مل سکتی ہے کہ امام جعفر  
صادق علیہ السلام نے خدمات کے پیش نظر آقا و غلام کو ایک ہی جیسا درجہ عنایت کر دیا ہے۔ ہو سکتا  
ہے کہ مولانا نے واقعہ کر بلا میں عمل و سیرت حسینی کی رعایت کی ہو اس لئے کہ امام حسین نے یوم  
عاشورا جس زانو پر حضرت علی اکبر کا سر رکھا تھا اسی زانو پر جناب حراورد دیگر غلاموں کا سر بھی رکھا تھا۔  
(۱۶) زیارت میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ”الشہد لک بالتسلیم والتصدیق  
والوفاء والنصیحة کلف النبی المرسل“ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اے عباس تم  
منزل تسلیم و تصدیق اور وفاء و نصیحت پر فائز ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان جملوں نے بھی حضرت عباس کی بلندی  
مرتبہ پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ یہ منازل سالکین میں بہترین منزلیں ہیں اور جنہیں یہ منزلیں  
نصیب ہو جائیں ان کی بلندی مقام کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

(۱۷) ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ”لعن اللہ من جعل حقلک و مستخف بحرمتک“  
اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے تمہارے حق کی پروا نہیں کی اور تمہارا احترام نہیں کیا۔

زیارت کے اس جملہ میں حضرت عباس کو مفرد آیا دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جس  
نے تمہارے حق سے غفلت کی اس پر لعنت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جملہ شہدائے کر بلا صفائے ضمیر اور  
خدمات کے لحاظ سے بہت بلندی کے مالک ہیں۔ لیکن جو درجہ کمال حضرت عباس کو حاصل تھا۔ وہ  
شاید امام حسینؑ پر قربان ہونے والوں میں کسی اور کو نصیب نہ تھا۔

(۱۸) آپ اس زیارت میں جو حرم میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اشہد و اشہد اللہ انک مضیت علی ما مضی بہ البدریون

ہم اور خدا گواہی دیتے ہیں کہ اے عباس تم اس طرح تحفظ اسلام کے میدان میں گزر  
گئے جس طرح بدر والے گزرے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمانا واضح کرتا ہے کہ حضرت عباس نے اس وقت

اسلام کی حمایت کی جبکہ اسلام ختم ہو رہا تھا۔ کیونکہ بدر کے مجاہدین سے مشابہت دی ہے اور جنگ بدر اس وقت ہوئی تھی جب اسلام انتہائی کمزور تھا۔ اگر بدر کے مجاہد ہمت نہ کرتے تو اسلام اپنی پہلی منزل میں ختم ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے کمال ہمت سے قربانی دے کر اسلام کو بچا لیا تو جس طرح بدر میں اسلام کمزور تھا اسی طرح کربلا میں بھی اسلام اختتام کی منزل تک پہنچ رہا تھا۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا اور عباس جیسوں نے کمال دلیری سے قربانی نہ پیش کی ہوتی تو اسلام رخصت ہو جاتا۔

(۱۹) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اشهد انك قد بالغت في النصيحة و اتيت غایت المجهود فبعثك الله في الشهداء و جعل روحك مع ارواح السعداء و اعطاك من جنانہ افسحها منزلاً و افضلها عرفاً“ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نصیحت شہادت میں کمال حاصل کر لیا اور بے انتہا سعی و کوشش سے جہاد کیا۔ یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہداء میں مبعوث ہونے کا درجہ دے دیا۔ اور تمہاری روح کو ارواح سعداء میں بلند مقام عطا کیا اور جنت میں سب سے زیادہ وسیع اور بہترین جگہ عنایت فرمائی۔ امام کے یہ جملے حضرت عباس کی خصوصی فضیلت کا پتہ دیتے ہیں۔

(۲۰) ایک مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں ”رفع ذكرك في عليين“ اے عباس تمہارا ذکر اعلیٰ علیین میں لوگوں کی زبان پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس کا کیا درجہ ہے۔ اللہ اکبر! اس ہستی کا کیا کہنا جس کا ذکر اعلیٰ علیین میں موجود ہو۔

(۲۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مطابق روایت مزار بحار صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں: ”لعن الله امته استحلّت منك المحارم و انتھك فيك حرمة الاسلام“ اللہ تعالیٰ اس امت پر لعنت کرے کہ جس نے تمہاری عزت نہ کی اور اپنی سمجھ میں تمہیں رسوا کر کے اسلام کو ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ یہ ظاہر ہے کہ جس کی عزت اسلام کی عزت اور جس کی ذلت اسلام کی ذلت ہو اس کا درجہ کتنا بلند ہوگا۔

(۲۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۵ رجب کی زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں: ”السلام عليك يا مهدیون. اسلام علیکم یا طاہرون من الانس“ اے کربلا کے ہدایت یافتہ شہید و تم پر میرا سلام ہو اور اے گناہوں سے پاک و پاکیزہ تم پر میرا سلام اس زیارت کا آخری جملہ عصمت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علما نے دیگر بے شمار فضائل کے حوالہ سے حضرت عباس کو معصوم قرار دیا ہے

(۲۳) حضرت صاحب العصر امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام زیارت ناحیہ مقدسہ میں

نہایت شہدود سے ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المؤمنین  
المواسی اخاہ عقیقہ، ابو الفضل العباس بن علی امیر المؤمنین پر سلام ہو جنہوں نے کربلا میں اپنے بھائی  
پر جان نثار کر دی۔ اور پانی کی طلب میں اپنے دونوں ہاتھ قربان کر دئے۔ (شفاء الصدور شرح  
زیارت عاشور اص ۱۱ طبع بمبئی)

## مجاہدین اسلام میں حضرت عباس کی حیثیت

ہر مجاہد، مجاہد ہے۔ ہر جاں باز جانباز اور ہر شہید، شہید ہے۔ لیکن ان میں بھی مدارج  
ہیں۔ بدر واحد میں شہید ہونے والے خیر و خندق میں جام شہادت پینے والے، جنگ موتہ اور دیگر  
جہادوں میں جان دینے والے یقیناً شہید ہیں۔ اور حیا ب ابدی حاصل کر کے اللہ تعالیٰ سے رزق  
پاتے اور آرام سے دن گزارتے ہیں۔ لیکن ان شہداء میں سید الشہداء حضرت حمزہ اور جنت میں  
پرواز کرنے والے حضرت جعفر طیار کا کچھ اور درجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خصوصی شہداء بلند درجہ کے  
شہداء ہیں۔ ان کی قدر و منزلت کوئی پیغمبر اسلام ﷺ سے پوچھئے ان کے حالات کوئی سرور  
کائنات ﷺ سے پوچھئے تو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کو کیا درجہ عطا کیا ہے۔ لیکن یقین  
کرنا چاہئے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو کربلا میں لا کر تمام دنیا کے شہداء سے  
بلندی دے دی ہے۔ آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں نہ میرے تانا  
کو نصیب ہوئے نہ بابا جان کو ملے۔ نہ بھائی حسنؑ کے ہاتھ آئے۔ اس کی مزید تصدیق حضرت امام  
جعفر صادق علیہ السلام کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ”انعم سادة  
الشهداء في الدنيا والاخرة“ اے شہیدان کربلا تم دنیا و آخرت میں تمام شہدائے عالم کے  
سردار ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ ”یہ وہ ہیں“ لکم یسبقہم سابق ولا یلحقہم لاحق“ کہ نہ اتنے بلند  
درجہ کے شہداء پہلے گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے۔ اب غور کرنا چاہئے کہ دنیا میں کیسے کیسے  
شہداء گزر چکے ہیں اور کتنی بڑی ہمتیاں جام شہادت نوش کر چکی ہیں۔ جناب یحییٰ بن زکریاؑ کی  
شہادت خرقہ بنی بکر کی شہادت کے کارنامے دیکھئے روٹھے کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کو درخت کے  
اندراڑے سے چیڑ ڈالا گیا۔ کسی کو دیگ میں بند کر کے آگ سے ابال ڈالا گیا۔ غرض کہ نہ جانے کس  
کس انداز سے شہادتیں واقع ہوئی ہیں۔ مگر اللہ رے کربلا کے شہداء کہ انہیں دنیا کے شہیدوں پر  
فضیلت دی جا چکی ہے۔ سوچنے کی چیز ہے کہ اس فضیلت عامہ کی وجہ کیا ہے؟ قطع نظر اس کے صرف  
یہ دیکھئے کہ امام حسینؑ کے ساتھ رہنے والوں نے جس دلیری اور بہادری، عزم و استقلال سے جانیں

دی ہیں اور جو جذبہ شہادت رکھتے تھے شاید وہی انہیں عالم کے شہداء میں ممتاز کر رہا ہو یہ معمولی بات نہیں ہے کہ چھوٹے اور بڑے بوڑھے اور جوان سب میں یکساں جذبہ شہادت کا فرما تھا۔ استاذی العلام مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ ایک ریڈیائی تقریر میں فرماتے ہیں۔ ”اب ذرا آج کی رات تاریخ کے سہارے کر بلا کا منظر دیکھئے۔ ایک طرف کم سے کم تیس ہزار کی یزیدی سیر و سیراب فوج عیش و طرب کے نشہ میں چور اطمینان کے ساتھ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ دوسری طرف حسین صرف بہتر مددگار لے کر کچھ ازکار رفتہ بوڑھے چند جوان کچھ کسن اور یتیم بچے ہیں بلکہ ایک تو صرف چھ مہینہ کا مجاہد ہے۔ ان کو صرف رات بھر کی مہلت عبادت و دعا کے لئے یزیدیوں نے بڑی مشکل سے دی ہے۔ کر بلا کا ہیر و سید الشہداء اپنی اس چھوٹی سی جماعت کو اکٹھا کرتا ہے۔ تین دن کے بھوکے پیاسے زندگی سے سیر زہرا کے چاند کو ستاروں کے جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ نبی ولی کے مطمئن دل کے ساتھ حسین اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ دنیاوی لڑائی لڑنے والے اپنے طرفداروں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے حسین بعد حمد و ثنا اپنے ساتھیوں میں ہر شخص کو موقع دیتے ہیں کہ چلا جائے اور یہ فرماتے ہیں ”دیکھو یہ رات کا وقت ہے موقع اچھا ہے۔ اپنی جانیں بچالو۔ یزیدی تو صرف مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں ان کو قتل کیا تو پھر وہ کسی کی تلاش نہ کریں گے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو عہد تم نے مجھ سے کیا ہے میں نے اس کو بھی معاف کر دیا تمہیں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔ لیکن بھلا حسین کے ساتھیوں کا سا کوئی چشم فلک نے کا ہے کو دیکھا ہے۔ سب نے ایک زبان ساتھ چھوڑ دیئے سے انکار کر دیا۔ اور ساتھ رہ کر جان دینے کا اقرار و اصرار کیا۔ حسین نے یہ خبر سنائی کہ کل سب قتل ہو جائیں گے۔ فوراً یتیم قاسم (جن کا سن بہت ہی کم تھا) بول اٹھے۔ ”میرا نام بھی فہرست شہادت میں ہے نا“ یہ سن کر حسین کو بچہ کی کسنی کا خیال ہوا فوراً جواب دینا مناسب نہ سمجھ کر فرمایا۔ کیوں بیٹا! تمہارے نزدیک موت ہے کسی چیز؟ یتیم بچے نے عرض کی چچا جان موت شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے۔ اب حسین کو کیا جھجک تھی فرمایا ”بیٹا! تجھ پر چچا قربان میرا نام بھی فرد شہداء میں موجود ہے۔ بلکہ کل تو میرا شیر خوار بچہ بھی ذبح کر ڈالا جائے گا۔“ اور وہی ہوا جو حسین نے فرمایا تھا۔ ”حسین کے چھوٹے چھوٹے بچے داؤ شجاعت دے کر شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جذبہ شہادت اور خدمت اسلام کے سلسلہ میں جان دینے کی حلاوت میں تین دن کے پیاسے بہادروں نے دشمنان اسلام کا اس طرح مقابلہ کیا کہ دنیا لو ہامان گئی۔

حوصلہ تھا یہ جوانان حسینی کا فقط در نہ لاکھوں سے بہتر کی لڑائی کبھی

الغرض اس جذبہ شہادت اور شوق خدمت اسلام نے ایسے وقت میں جبکہ اسلام کا

نام دنیا سے مٹ رہا تھا۔ ان کی سچی قربانی کی وجہ سے انہیں ایسی بلندی دے دی کہ یہ ساری کائنات کے شہداء میں ممتاز نظر آتے ہیں اور ان کی یادگار تاریخ انسانیت میں جلی حروف سے لکھی ہوئی قائم ہے۔

میں سچ کہتا ہوں، کہ غلط جان گنوائے والوں کا ذکر ہی کیا۔ تاریخ عالم میں جام شہادت پینے والوں کی بھی کمی نہیں۔ بلکہ خاص اسی خطہ پر جو کبھی باہل اور نینوا کے نام سے پکارا جا چکا ہے اور آج کر بلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، حسین سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کتنے نیکو کار بندوں کا خون بہہ چکا ہے۔ لیکن ان کے تذکرے اس طرح مٹ گئے گویا وہ حوادث کبھی رونما ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ اس طرح سہو و نحو ہو گئے کہ دماغوں کے خزانوں تک میں محفوظ نہ رہ سکے۔ زبانوں تک آنا یا ان کی یاد مانا کیسی۔ اصل یہ ہے کہ واقعات میں جتنی اہمیت اور جاہزیت ہوتی ہے ان کا اثر بھی اتنا ہی گہرا پڑتا ہے۔ اور ان کی عمر بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ کبھی قصوں کو دہرائے، سنئے، سنائے کی آزادی ہوتی ہے پھر بھی وہ دور تک نہیں چل سکتے۔ اور کبھی اظہار واقعہ پر ہزاروں پابندیاں عائد کی جاتی ہیں لیکن وہ زبان زدِ خلافت ہو کر دائمی زندگی پا جاتے ہیں۔ جناب آدمؑ نے بائبل کی موت پر خود بھی بڑا جزیع و فزع کیا۔ اور تاریخ و تفسیر بتلاتی ہے کہ آپؐ نے مرثیہ کہہ کر حضرت شیش سے وصیت کی کہ ان کو یاد کریں۔ اور لوگوں تک پہنچا دیں۔ تاکہ یہ بات بطور میراث نقل ہوتی رہے۔ اور لوگ سننے اور روتے رہیں۔ چنانچہ آپؐ کی فرمائش کے مطابق آپؐ کی اولاد جیسا کہ مشہور ہے اس مرثیہ کو نسل بعد نسل ایک دوسرے تک پہنچاتی رہی۔ یہاں تک کہ یارب ابنِ قحطان تک پہنچ کر اسی مرثیہ نے سریانی سے عربی لباس اختیار کیا۔ اب صرف کتابوں میں باقی ہے۔ اور بس۔ لیکن شہیدانِ کربلا نے نینوا کی چٹانوں پر اپنے خون سے کچھ ایسی تصویریں کھینچی ہیں جن کی رنگینی نے عالم کو ان کا یونانہ بنا رکھا ہے۔ چھپانے، مٹانے کی کوششوں کے باوجود یزیدیت کا میاب تو کیا ہوتی خود فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اور حسینی یادگار زندہ اور پابندہ ہو گئی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حسینی جاں نثاروں کا نقش و فغا ابھرتا اور ان کی خوش کرداری کے چہرے کارنگ کھرتا گیا۔ گنگنے میں تو شہیدانِ کربلا ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے نظر آتے ہیں لیکن جب ذرا غور سے دیکھا جائے تو سوار بھی عجیب اور پیادے بھی نرالے نظر آتے ہیں۔ حسینی فوج کے سواروں میں ایسے کم عمر بچوں کا بھی شمار ہے جو خود گھوڑوں پر سوار نہ ہو سکے بلکہ کسی دوسرے نے انہیں گھوڑے پر سوار کرایا۔ اور پیادوں میں ایسے نو نبال بھی ہیں جو بہادری سے تڑپ کر تلوار کا وار بے کھٹکے اپنے ہاتھ پر روکتے تو ہیں مگر بمستھائے سن ان کے منہ سے ”یسا اماء“ اے میری ماں کی فریاد بلند ہو جاتی ہے۔ صاحبانِ اولاد

اب ایک اور مجاہد باقی ہے اس کو کس صف میں رکھا جائے۔ پیادہ کہوں کہ سوار جو ماں کی گود سے باپ کے ہاتھوں پر آتا ہے اور شیر کے بدلے تیر کی بازو سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ شہیدان کر بلا پر ہماری جانیں نثار جو اپنی بے مثال وفاداری کے سبب تمام حق پرستوں کی محبت کا مرکز بن گئے۔ جنہیں حبیب خدا کے محبوب فرزند نے بجا طور پر خطاب عنایت فرمایا کہ میں اپنے اصحاب سے زیادہ با وفا اور بہتر و برتر کسی کے اصحاب کو نہیں پاتا۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالئے۔ آپ پر حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ اور آپ تصدیق کریں گے کہ واقعاً شہیدان کر بلا یعنی امام حسین کے سے اصحاب کسی کو نہیں مل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کو بعض ملے اور بہت ہی اچھے ملے مگر کسی کو کل نہ ملے اور پھر کر بلا کی کڑیاں جھیلنے کا تو دنیا میں کوئی نمونہ ہی نہیں۔ اگر کسی کے لئے ایسا ہوتا تو نہ جانے جو ملے تھے وہ بھی کیسے ثابت ہوتے۔ جناب مسیح کو گرفتار کرنے والے حواری اور صحابی کا تذکرہ موجود ہے۔ صرف ایک رات میں تین بار شک کرنے والے کا بھی ذکر مذکور ہے۔ خود سرور عالم ﷺ کے اصحاب کے لئے قرآن مجید کی آیتیں کافی ہیں۔ احادیث بھی پکار رہی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے ”نہ جانے تم لوگ میرے بعد کیا کیا کر دو گے۔“ حضرت علی کو تنہا رہ گئی۔ کاش! چالیس صاحبان ہمت مل جاتے۔ امام حسن کو تو ایسوں سے سابقہ پڑا جنہوں نے آپ پر ہی حملہ کر دیا۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حسین کے اصحاب خیر و وفا میں سب سے آگے نکل گئے۔ اس شرف کے قسام ازل نے حسین کو مخصوص کر دیا۔ شہیدان کر بلا کا یہ حصہ ہو گیا کہ آزاد سے غلام تک، مردوں سے عورتوں تک، بڑھوں سے جوان تک کسمنوں سے شیر خوار تک اور مجھے کہنے دیجئے کہ انسانوں سے لے کر اونٹوں تک اپنی اپنی صنف اور سن کے ایسے ایسے نمونے بن گئے جن کی نظریں غیر محصوم اور دنیاوی اقتدار والوں کو تو کیا نصیب ہوتیں روحانین کا خزانہ بھی ایسے وفا شعار خوش رو جو اہر آبدار سے خالی نظر آتا ہے۔ شہیدان کر بلا میں کسی ایک کے حالات بھی پورے پورے عرض نہیں کئے جاسکتے۔ ان میں کا ہر ایک بزرگ جہاں فضائل کا مالک ہے بنی ہاشم تو بنی ہاشم تھے۔ اوروں کی طرف نظر اٹھائیے تو معلوم ہوگا کہ حق کا ساتھ اور باطل سے کنارہ کشی ان کی نظر میں کتنی اہم اور عزیز تھیں۔ زہر قین کے نصائح آج بھی موتیوں میں تولنے کے قابل ہیں۔ حبیب و حظلہ کی ہدایتیں مشعل ہدایت ہیں۔ ادھر یزیدی فوج میں دنیا اپنی تمام راحتوں دلچسپیوں اور بناؤ سنگار سمیت دلربائی میں مصروف ہے ادھر حسین اور ان کے چند گئے چنے ساتھیوں پر فرات کے سائے ہوتے ہوئے تین دن سے پانی تک بند ہے کسی اور راحت کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ جلتی ریتی۔ پتہ بن، دشمن کی ٹڈی دل فوج جدھر دیکھے خون کے پیاسے دشمنوں کے نیزے



تکواریں تیز تیز نظر آتے ہیں۔ انہیں بار بار حسین کا ساتھ چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے لالچ دلائے جاتے۔ امن و امان کے پروانے سنائے جاتے، ساتھ دینے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ عیال و اطفال کی اسیری اور بربادی کا خوف دلایا جاتا ہے۔ مگر خوف و ہراس کے بدلے حسین کے ساتھی نہایت خندہ پیشانی سے مشکلوں کا استقبال کرتے۔ اور بزدلیوں کی پیشکش کو نہایت نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیتے تھے ان میں سے ایک جان و فاجر ہرقین ہیں۔ جو شمر سے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہمیں حسین کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے علاوہ حق و ایمان کی حمایت کا یہ غیر فانی کارنامہ بھی آب زر سے لکھا جانے کے لائق ہے کہ ایک ماں اپنے نوجوان فرزند کو جس کی شادی کو صرف سترہ دن گزرے ہیں حسین پر قربان کرنے کے لئے خود تائید کرتی ہے۔ اور جب وہ داد جو انمردی دے کر میدان جنگ سے واپس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیوں مادر گرامی اب تو آپ مجھ سے خوش ہوئیں۔ تو ماں یہ کہہ کر واپس کر دیتی ہے کہ میں تو اس وقت خوش ہوں گی جب تم حسین پر جان دے کر میرے پاس آؤ گے۔ سچ ہے۔

غرض کہہ کر بلا کے مجاہدوں کی نظیر ناممکن ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان مجاہدوں میں بھی اٹھارہ بنی ہاشم کو دیگر شہداء میں امتیاز حاصل ہے۔ علامہ حسین واعظ کا شفی اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں صفحہ ۶ طبع بمبئی ۱۳۸۵ھ میں بحوالہ کتاب مرآۃ الجنان امام یافعی لکھتے ہیں کہ ”در واقعہ کہ بلا شانزدہ کس از اہل بیت بانی عبد اللہ الحسین شریعت شہادت چشیدند کہ وراں روز بر روی زمین ایشان را شبیہ و نظیر نہ بود“ واقعہ کہ بلا میں شہید ہونے والے بہادروں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت کے ایسے اٹھارہ نفوس بھی تھے جن کی نظیر اس زمانہ میں روئے زمین پر نہ تھی۔ گویا اس وقت کائنات عالم میں امام حسین کے علاوہ وہ اسی طرح افضل تھے جس طرح آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ان کے اہل بیت ساری کائنات حتیٰ کہ انبیاء کرام کی طرح تھے۔ اب ان بنی ہاشم میں بھی بغور دیکھا جائے تو قمر بنی ہاشم کو فضیلت نظر آتی ہے۔ آپ کے لئے حضرت امام حسینؑ یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ”بنفسی انت“ میں آپ پر فدا ہوا جاؤں۔ (المواعظ والبالک، ص ۱۱۰) اور جب شہادت واضح ہو جاتی ہے تو ”الان انکسر ظہری“ اے عباس تمہاری شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور شہادت سے پہلے ان کے وجود کو پورے لشکر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سے وہ ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قمر بنی ہاشم حضرت عباس علیہ السلامؑ میدان شہادت میں تمام فلک رفعت شہیدوں سے سبقت لے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت عباس میں کچھ ایسی خصوصیت قدرت نے ودیعت کی ہے جو دوسرے شہداء کو بلا کر نصیب نہیں ہو سکتی مثلاً:

۱۔ آپ کی پیدائش کی علت غائی صرف اسلام کی خدمت ہے جیسا کہ حضرت علی کی تمنائے ولادت سے ظاہر ہے۔

۲۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عالم زمانہ بنایا تھا۔ آپ عالم غیر متعلم ہونے کے باوجود حضرت علی جیسی ہستی سے کسب علم کئے ہوئے تھے!

۳۔ آپ معصوم یا محفوظ تھے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا!

۴۔ آپ عبد صالح تھے!

۵۔ آپ فقیہ کامل تھے!

۶۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کے منہ بولے فرزند تھے!

۷۔ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی!

۸۔ آپ یقین محکم اور عزم کامل رکھتے تھے!

۹۔ آپ کی خدمات تمام شہداء سے زیادہ نمایاں اور اہم تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی

خصوصیت میں یہ بھی تھا کہ آپ ”قمر بنی ہاشم“ تھے۔ یعنی جس طرح حضرت علی بمقاد آیہ

”الشمس والضحیٰ والقمر اذا قتلھا“ قمر امامت تھے اور حضرت ہاشم کے والد ماجد جناب

عبد مناف ”قمر الحلی“ اور سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے والد بزرگوارِ موحّد کا مہل

جناب عبد اللہ ”قمر الحرم“ تھے اسی طرح حضرت عباس ”قمر بنی ہاشم“ تھے آپ کے متعلق مورخین

لکھتے ہیں کہ ”ان عباس بن علی کان رجلاً و سیماء جمیلاً یقال لہ قمر بنی ہاشم

لحسنہ و یھاثیہ“ مقل عوالم صفحہ ۹۴۔ حضرت عباس اپنے حسن و جمال اور خوش روی کمال کی

وجہ سے قمر بنی ہاشم کہے جاتے تھے۔

رئیس الشجعان:

اور آپ تمام بہادروں کے سردار تھے۔ کوئی بہادر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو صفی شجاعت

میں حضرت عباس سے بلند حیثیت رکھتا ہو۔ ”کسان رئیس الشجعان“ آپ شجاعانِ عالم کے

سردار تھے تاریخ التواریخ ج ۲ ص ۲۸۹۔

## سید الفرسان:

اور حضرت عباس علیہ السلام شہسواران کائنات کے سید و سرور تھے۔ اور بہت بلند قامت یعنی نہایت ہی کچم و ضخیم تھے۔ ”کان سید الفرسان یرکب الفرس المظم و رجلاه یخطان فی الارض“ آپ سید الفرسان تھے۔ دو رکابے پر جب سوار ہوتے تھے تو آپ کے قدم زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ (تختہ حسینیہ ص ۱۷۸)

## علمدار کربلا:

آپ علمدار لشکر حسینی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ جو علمدار ہوتا ہے اسے دیگر افراد لشکر سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جنگ کربلا کا ایک علم حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن ”اعطی راءمۃ اخاء العباس“ حضرت امام حسین علیہ السلام نے لشکر کا سب سے بڑا اور خاص علم حضرت عباس کو عنایت فرمایا تھا (مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۹۵)

## وفادار اعظم:

حضرت عباس علیہ السلام ”کان اوفی وابر من اہلبیت الحسین“ سب سے زیادہ وفادار اور نیکی کرنے والے تھے۔ یعنی امام حسین اور ان کی اہل بیت کے لئے تمام شہداء سے زیادہ وفادار اور فرمان بردار تھے۔ امامتین فی مقتل الحسین ص ۴۳

## افضل الشہداء:

حضرت عباس تمام شہداء میں افضل تھے۔ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں ”یا افضل الشہداء یا بن المر تظنی صلی علیک اللہ کل اوان“ اے افضل شہداء عباس بن علی مرتضیٰ تم پر اللہ تعالیٰ ہر وقت رحمت نازل فرمائے۔ (معالم النقی ص ۲۶ طبع ایران)

## سقائے حرم:

حضرت عباس نے جس تندہی جانفشانی اور محنت و مشقت سے اہل بیت حسین کے لئے پانی فراہم کرنے کی سعی کی ہے اور جس جس مشکل سے پانی حاصل کیا ہے وہ کسی اور سے نہیں ہو سکی۔ آپ نے اس سلسلہ میں بہت کافی دوڑ دھوپ کی اور متعدد کنوئیں بھی کھودے ہیں۔ ”یلقب السقاء لانه استقی الماء لآخیه الحسین یوم الطف“ آپ کا ساقا لقب اس لئے تھا۔ آپ نے کربلا میں حسین اور ان کے اہل بیت کے لئے پوری جانفشانی کے ساتھ فراہمی آب میں جو ہر

شجاعت دکھائے ہیں (عمدة الطالب مقتل عوالم ص ۹۴ منہج المقال فی احوال الرجال قلمی)

### کمال عبادت گزاری:

حضرت عباس علیہ السلام کو عبادت خداوندی میں بڑا شغف حاصل تھا۔ آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ ”کان بین عینیہ اثر السجود لکثرة عبادة الملك العلام“ آپ کی پیشانی مبارک پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان سجدہ نمایاں تھا (تحفہ حسینیہ ص ۵۷ طبع ایران) مبشر بالشجاعت:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شجاعت عطا کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ مبشر بالشجاعت تھے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آپ کی ولادت سے پہلے شجاعت کی بشارت دی ہے۔ علامہ کثوری لکھتے ہیں۔ ”اما شبر اعته فقد روی بعض علماء الانساب من اهل السنة انها كانت مبشرة على لسان المنبر صادق الامین“ آپ کی شجاعت کے بارے میں بعض علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ اس کی شجاعت کی مدح سرائی زبان رسالت مآب ﷺ پر جاری ہو چکی ہے۔ پھر فرماتے ہیں ”لا سیماء انه مشیر بالشجاعة قبل میلاد“ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت ولادت سے پہلے دی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں ”وما یکن احد من الشهداء الذین استشهدوا فی الطف فائزا الی تلک الدرجة“ کہ اس عظیم درجہ پر کر بلا کے شہداء میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا۔ (مائین فی مقتل حسین ص ۳۸ طبع کھنؤ)

### عبید الحسین:

حضرت عباس بلند ترین شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود کمال وفاداری کے جذبہ میں اپنے کو امام حسین کا غلام فرما رہے ہیں۔ اس جگہ جہاں آپ کی کمال اکساری ظاہر ہوتی ہے مدح و کی بلندی مقام کا پتہ بھی چلتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”اننا عبد من عبید الحسین“ میں حسین کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں۔ (المنجد صفحہ ۳۲۶ میں ہے کہ عبد اس کو کہتے ہیں کہ ”لزمہ ولم یفارقہ“ جو ہر وقت ہمراہ رہے اور کبھی ساتھ نہ چھوڑے۔ ”من کان خالص العبد“ جس میں بندگی کا خلوص ہو۔ لغات سروری ص ۱۷۸ میں ہے کہ عبد۔ بندہ۔ غلام۔ تا بعد از خدمت گزار کو کہتے ہیں۔

حضرت عباس کا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ہونا اور ان کا اپنے کو غلام فرمانا بالکل

ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہمراہ یحییٰ بن سہب سے رہے اور ہمیشہ فرمایا کئے۔ ”انا عبد من عبيد محمد“۔ حضرت کا ایک غلام ہوں (مناقب مائتین ص ۴۴۰)

کثیر البطش: ح ۲، ابا الطیف آباد، پرنٹ نمبر ۸-۵۱

حضرت عباس علیہ السلام میں ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ وہ بڑے زبردست حملہ آور اور بہادر تھے (لغات کشوری صفحہ ۷۰) علامہ کنزوری لکھتے ہیں۔ ”ان العباس کثیر البطش قوی القمۃ لا یغادر من اصابہ الیہ او الی اخیہ الا ویستقیم منه“ حضرت عباس بڑے دبدبے اور عرب داب کے بزرگ ہیں۔ وہ انتقام لینے میں کسی بے ادب گستاخ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے آپ کا طریقہ تھا جو آپ یا آپ کے بھائیوں کے ساتھ گستاخی کرے اس سے بدلا ضرور لیتے تھے۔ (مائتین صفحہ ۴۶۴) مثال کے لئے ملاحظہ ہو کتاب طوفان بکاء شعلہ چہارم طبع ایران ۱۳۴۲ھ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو شہد میں زہر دیا۔ آپ نے نانا کے روضہ پر دعا کی، شفا نصیب ہوئی۔ پھر خرّمہ میں زہر دیا آپ قح گئے۔ لیکن طبیعت خراب رہنے لگی۔ آپ تبدیلی آب دہوا کے لئے حضرت عباس کو لے کر موصل تشریف لے گئے اور ایک محب آل محمد کے ہاں مقیم رہے کچھ دنوں کے بعد وہ معاویہ کے پھندے میں آ گیا اور اس سے بھی حضرت کوزہ زہر دلا دیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ ایک اور شخص نے آپ کو شہید کرنے کا یہ راستہ نکالا کہ اپنے عصا کی انی کوزہر میں بھجھالیا۔ جب امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے برآمد ہوئے۔ اس بیرون اور چھپے ہوئے شخص نے اسے آپ کے پیر میں چھو دیا۔ آپ اس کی اذیت سے بے ہوش ہو گئے۔ اصحاب نے اسے گرفتار کر لیا۔ آپ نے سزا دینے سے روکا۔ کچھ دنوں بعد زہر نے زور کیا اور طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ ایک ہوشیار جراح نے زخم سے زہر کھینچ لیا اور آپ قح گئے۔ ایک دن حضرت عباس علیہ السلام نے اسے موصل سے باہر جانے ہوئے دیکھا اس سے عصا چھین کر اسی کے سر پر مارا کہ اس کا سر شگافہ ہو گیا۔

### معذب القتال:

حضرت عباس کی ایک خصوصیت اور صفت یہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ جو آپ کو یا آپ کے بھائی حسین کو ستائے یا ان کے ساتھ کوئی برائی کرے اسے آپ سزا دیں۔ علامہ کنزوری لکھتے ہیں کہ ”میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایسی روایتوں میں کوئی شک و

شہید نہیں ہے جن میں یہ ہے کہ حضرت عباس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے جہاں آپ کے ساتھ تھے یا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں۔ نیز آپ کو یہ بھی قدرت دی گئی تھی کہ آپ اپنے قاتل کو اس کی زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا رکھیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے قاتل ابان بن دارم وغیرہ کے ساتھ کیا۔ وہ زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا ہو جاتا رہا۔ جس کے سبب سے رات بھر چیخا چلاتا رہا تھا۔ بالآخر وہ سیاہ ہو کر مر گیا۔ علامہ لکھتے ہیں کہ ”ہی کرامة خصاصة لا یلدانی العباس احد من هؤلاء الشهداء“ یہ وہ کرامت خاصہ ہے جس میں شہدائے کربلا کا کوئی شہید عباس سے مساوی نہیں ہو سکتا۔ (ماتیں ص ۴۶۴ طبع لکھنؤ) مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا کے جان دینے والوں میں شہیدان اسلام کو اور تمام شہداء میں شہداء کربلا کو اور شہداء کربلا میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں امام حسین کے بعد حضرت عباس کو فضیلت حاصل ہے۔

وادی الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا

حضرت عباس ہیں خضر بیابان وفا

☆☆☆☆☆

## معرکہ کر بلا کا تاریخی پس منظر حق و باطل کی جنگ اور حضرت عباس کے خدمات

شیر نے طے منزل تسلیم و رضا کی عباس نے ہر خدمت شاہ شہداء کی ہر واقعہ ہر معرکہ ہر تنازع ہر جنگ ہر رسہ کشی اور کشاکش کوئی نہ کوئی پس منظر رکھتی ہے۔ جو واقعہ رونما ہوگا اور جو معرکہ ظہور پذیر ہوگا یقیناً اس کی تہہ میں کوئی نہ کوئی بنیادی راز پنہاں ہوگا۔ اور اس کا اظہار و شہود کسی نہ کسی غرض کے ماتحت عمل میں آیا ہوگا۔ واقعہ کر بلا جو تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس کے پس منظر کے پیش نظر عرض ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح ہر پیغمبر ہر نبی اور رسول سطح ارض پر فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے لئے مامور ہو کر آیا اور اسے مادر کیتی کی آغوش میں ہدایت کا روشن چراغ جلانا حکم خداوندی رہا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی ترویج اسلام اور تبلیغ احکام کے لئے مامور تھے۔ آپ اگرچہ ۱۱ء عام الفیل میں پیدا ہوئے اور آپ کا عہد ولادت وہ تھا۔ جس میں کفر کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جہالت کا چراغ جل رہا تھا اور ظاہر بظاہر تبلیغی اقدام کی فوری ضرورت تھی۔ لیکن آپ نے ۳۰ء ع۔ ف، تک کھلی ہوئی تبلیغ کی سلسلہ جنابی نہیں فرمائی۔ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے نہ شکست ہونے والے بازو کی توانائی اور اپنے نور وجود کے دوسرے ٹکڑے کا انتظار تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ تبلیغ شروع کر دی تو اتنی طاقت کے ساتھ شروع کروں کہ کہیں جھول نہ پیدا ہو جائے اور ایسا کر یکسر پیش کروں کہ موقع پر کہہ سکوں کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہ تاب رکھ دیا جائے یعنی دنیا کا نصف حصہ میرے لئے سونے اور نصف حصہ چاندی کا بنا دیا جائے تب بھی تبلیغی سرگرمیوں سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ وہ وقت آ گیا۔ ۳۰ء ع۔ ف، میں حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے اور ۳۰ء عام الفیل تک آپ کے عہد طفولیت پر شباب آ گیا۔ آپ کے بازوؤں میں توانائی اور کلائیوں میں زور پنجوں میں طاقت آ گئی اور پیغمبر اسلام ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اسد اللہ میں شمشیر زنی کی تاب پیدا ہو گئی ہے۔ تو آپ تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم خدا آپہنچا۔ ”انذر عشیرتک الاقربین“ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ آپ ﷺ نے حکم خداوندی کے مطابق ایک اجتماع فرمایا۔ جو آپ ﷺ کے گمراہ عزیزوں پر مشتمل تھا۔ اجتماع کی تکمیل پر

آپ ﷺ نے تقریر شروع فرمائی۔ لوگوں نے آپ کو بات تک نہ کرنے دی اور سخت اختلاف و انتشار پیدا کر دیا۔ دوسرا دن آیا۔ آپ ﷺ نے پھر دعوت اجتماع دی وہی لوگ پھر جمع ہوئے۔ آپ نے تقریر سے پہلے فرمایا۔ ”مسن یوازہ دنیسی“ کون ہے جو میری مدد کر کے میرا وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی بنا چاہتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ ”انسا یسا رسول اللہ ﷺ“ اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں۔ تین دفعہ اسی طرح فرمایا اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تبلیغی تقریر فرمائی۔ کل تک پیغمبر اسلام کا تنہا نور رسالت کا کام انجام دے رہا تھا اور آج نور امامت بھی موجود امت اسلام ہے۔ نور کے دونوں ٹکڑے ملے۔ پیغمبر اسلام نے تقریر فرمائی۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ لب کشائی کرے اور تقریر کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ (تاریخ ابوالفداء) تاریخ اس پہلی دعوت اسلام کو ”ذوالعشرہ“ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ لیکن آج سے فریضہ تبلیغ اسلام کی ادائیگی شروع ہو گئی۔ اور اتنا زور پکڑا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ جیسے جیسے تبلیغ کو فروغ ہوتا رہا ویسے ہی پیغمبر اسلام ﷺ اور امام الانام کی دشمنیاں بھی لوگوں کے دلوں میں ترقی کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ لوگ پیہم حملے کرنے لگے۔ اور آپ کی تبلیغ کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ آپ نے اپنے اور اسلام کے تحفظ کے لئے دفاعی جہاد کئے اور جنگ بدر واحد و خندق و خیبر وغیرہ واقعہ ہوئیں۔ بھلا وہ کونسی طاقت تھی جو شیر خدا علی مرتضیٰ کی شمشیر کی تاب لا سکے۔ بالآخر ستمگروں کفار حلقہ بغوش اسلام ہو گئے۔ اور دنیا اسلام کا لوہا مان گئی۔ تاریخ شاہد اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جنگ بدر وغیرہ میں اسلام قبول کرنے والے نعمت ایمان سے بہرور نہ ہو سکے۔ اگر ان کے دلوں میں ایمان جاگزیں ہوتا تو آغوش حق میں پناہ لینے والے حق کو حق ماننے اور ناحق دلوں میں کدورت نہ رکھتے۔ اور شکریہ کے بجائے انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس نے انہیں مسلمان کیا یا جس نے ان کی نسلوں میں اسپرٹ اسلام کی پیدا کی اسی کو تباہ کرنے کی سعی کرتے رہے اور دل و جان سے یہ سعی کرتے رہے کہ علی اور اولاد علی کا ختم بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔ جانے دیجئے دیگر سیاسی زمانوں کو صرف عہد نبی امیہ کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہو جائے کہ ان میں جو جذبات کا رفرما تھے وہ وہی تھے جو جنگ بدر واحد میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور جنہیں اسلام لانے کے بعد دلوں سے جانے کا موقع نہ ملا تھا۔ اور جنگ جمل و صفین کا روپ بدل کر عالم واقعات میں رونما ہوئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ وفات رسولؐ سے جنگ صفین تک جو حالات گزرے وہ سیاسی رنگ



لئے ہوئے ہونے کی وجہ سے عمل کی دنیا میں رونما ہوتے رہے لیکن نوک زبان ان سے آستانہ ہو سکی اور زبان سے کچھ نہ کہا جاسکا۔ سب کچھ کیا جاتا رہا۔ جذبات انتقام ابھرتے رہے۔ دست و بازو کام کرتے رہے۔ تلواریں چلتی رہیں۔ ہزاروں بزرگان دین موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ لیکن یہ کھلنے نہ پایا کہ یہ سب کچھ کیوں اور کس واسطے ہو رہا ہے اور کن وجوہ کی بناء پر حضرت علی جیسے قابل انسان کامل کی اطاعت قبول نہیں کی جاتی اور اپنے کو برسر اقتدار لانے کی سعی پیہم ہو رہی ہے۔ لیکن سیاسی دور کے فوراً گزرنے کے بعد ہی چھپے ہوئے جذبات ابھر نکلے۔ جو بات اب تک دلوں میں چھپی ہوئی تھی وہ نوک زبان پر آ گئی۔ سیاسی کرشمہ سازیوں کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اجماع۔ استخلاف۔ شوری۔ استیلاء کی مجموعی طاقت سے یزید ابن معاویہؓ میں برسر اقتدار آ گیا۔ اور اس نے تخت و تاج سنبھالنے ہی تکمیل جانشینی کے زعم میں نسلی جذبات انتقام کو عمل اور زبان سے ظاہر کیا۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ:

لست من خندف ان لم انتم<sup>ط</sup> من بنی احمد ما کان فعل

مجھے بنی خندف سے نہ سمجھا جائے اگر میں اولادِ احمدؑ سے ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ نہ لے لوں۔ الغرض یزید تخت نشین ہو چکا تھا اور دیارِ اوصار میں بیعت طلبی کے واسطے ہر کارے چھٹے ہوئے تھے۔ جیٹہ سلطنت کے گوشے گوشے میں خطوط روانہ کئے جا رہے تھے کہ کسی کو نظر انداز نہ کیا جائے اور سب سے بیعت لے لی جائے۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ یزید نے ولید بن عقبہ والی مدینہ منورہ کو لکھا کہ حسینؑ سے میری بیعت لے لو۔ اور اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ خط پہنچا۔ ولید نے سوچا کہ حسین کو دعوت بیعت کیونکر دی جائے۔ اس لئے کہ وہ ۵۸ھ میں معاویہ کو براہ راست جواب دے چکے تھے۔ کہ یزید فاسق و فاجر ہے اس کی بیعت کسی طرح نہ کروں گا۔ اگر ان کو یزید کے حکم سے باخبر نہ کروں تو اپنے لئے خطرہ ہے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ آپ کو اطلاع ملی۔ آپ چند افراد بنی ہاشم کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ولید نے معاویہ کی موت کی خبر سنائی۔ آپ نے فرمایا۔ ”انسا لله وانا الیہ راجعون“ اس کے بعد ولید نے یزید کا آیا ہوا حکم پیش کیا۔ آپ نے بروایت الفخری فرمایا کہ ”مثلی لا یبائع سرا“ مجھ جیسا شخص یزید کی بیعت چھپ کر نہیں کر سکتا۔ میں اس پر غور کروں گا۔ ولید سے بات چیت کرنے کے بعد آپ رواں لگی کے لئے اٹھے تو مروان علیہ اللعن نے ولید کو مخاطب کر کے کہا کہ حسین سے یہیں بیعت لے لے اگر یہ اب نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسین کو غیظ آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ مروان! کس کی مجال ہے کہ حسین

کو ہاتھ لگا سکے۔ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ جی ہاشم کے وہ جوان جو بیرون دربار حضرت عباسؑ کی ہمراہی میں موجود تھے داخل دربار ہو گئے۔ امام حسینؑ نے ان پھرے ہوئے شیروں کا غصہ فرو کیا اور واپس تشریف لائے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ عواقب پر غور و خوض کرنے لگے۔ اور سوچنے لگے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آیا مدینہ منورہ میں قیام کروں یا کہیں چلا جاؤں۔ بہت ہی سوچ بچار کے بعد آپ نے فیصلہ فرما لیا کہ مدینہ منورہ چھوڑ ہی دینا چاہئے۔ رات کے تاریک پردے میں جدنا مدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا کے روضہ سے رخصت ہو کر ۲۸ رجب کی صبح ہوتے ہوتے اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ سے بار داوۃ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ چار ماہ مکہ مکرمہ میں گزارے۔ اس دوران میں کوفہ والوں کے بارہ ہزار خطوط پیغامات اور دعوت نامے پہنچے جن کا مجموعی مفہوم مطابق روضۃ الصفا یہ تھا کہ ”ہم بلا امام ہیں آپ تشریف لائیں اگر آپ نہ آئیں گے تو ہم قیامت کے دن بارگاہ احدیت میں فریاد کریں گے کہ امام حسینؑ کی موجودگی میں ہم گمراہ ہوتے رہے اور آپ نے توجیہ نہ فرمائی۔“

میری تحقیق کے مطابق یہ خطوط سازشی تھے۔ یعنی والی مدینہ منورہ کی اس اطلاع پر کہ حسینؑ نے مدینہ منورہ چھوڑ دیا تو یزید نے والی کوفہ کو قتل حسینؑ کے انتظامات کی طرف متوجہ کیا۔ والی کوفہ نے دارالامار میں ایک میٹنگ کی جس میں صرف یزیدیوں کے مخصوص افراد نے شرکت کی اور فیصلہ ہوا کہ حسینؑ کا قتل کوفہ سے زیادہ سہل تر اور کسی جگہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا انہیں یہیں طلب کیا جائے اور طلبی کے لئے طے کیا کہ حسینؑ کے خاص ماننے والوں کو بھی خوبی کے ساتھ اس جال میں پھنسا لیا جائے۔ چنانچہ ایک پارٹی نے سلیمان بن صرد خزاعی اور دیگر حسینیوں سے مل کر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کوفہ میں تشریف لے آئیں تاکہ ہماری ہدایت فرمائیں۔ ہم یزید کے دورِ فتن و ظلم سے عاجز آچکے ہیں۔ ان غریبوں کو کیا معلوم تھا کہ محبت کے پردے میں دعا کی جارہی ہے۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ امام حسینؑ کی خدمت میں خطوط لکھے جائیں اور عوام میں پروپیگنڈا کیا جائے۔ چنانچہ چند دنوں میں ہی بارہ ہزار خطوط پہنچے امام حسینؑ ابھی اسی غور و فکر میں تھے کہ کیا کریں۔ آپ نے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ ناگاہ حج کا موقع آ گیا۔ آپ نے احرام باندھا۔ دورانِ حج میں آپ کو معلوم ہوا کہ کئی دشمن حاجیوں کے لباس میں احاطہ مکہ مکرمہ کے اندر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے حج کو عمرہ سے بدلا۔ اور کوفوں کی دعوت کے پیش نظر کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ منزل زبالہ تک پہنچے تھے کہ ذی الحجہ کو شہادت حضرت مسلمؑ کی خبر پہنچی۔ آپ نے فرمایا۔ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اس کے بعد

آگے بڑھے اور منزل شراف پر قیام فرما ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کی مجھے کوفہ کی جانب کیلے کے درخت نظر آرہے ہیں۔ دوسرے نے کہا یہاں درخت کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ ایک صحابی نے کہا نہیں نہیں! گھوڑوں کی کوتیاں نظر آرہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ ”حر“ ایک ہزار کا رسالہ لئے ہوئے آ پہنچا۔ اور سواری کے جانور پیاس سے بے حال ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ انہیں اچھی طرح سیراب کر دو۔ حضرت عباس نے مشکوں کے دہانے کھول دئے سواردلی نے اچھی طرح پانی پیا۔ رات آئی۔ بروایت امام بخاری نے امام حسین سے عرض کی۔ مولارات کا وقت ہے کسی جانب نکل جائیں۔ امام حسین ایک طرف کو چل پڑے۔ ابھی رات ختم نہ ہونے پائی تھی کی حر نے پھر آ گھیرا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ کہیں چلے جاؤ۔ اور تم ہی مجھے گھیر رہے ہو۔ اس نے عرض کی۔ مولا حاکم کا بہت سخت حکم آیا ہے۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ الغرض امام حسین اسی گھیرے میں چل رہے تھے کہ ناگاہ آپ کے گھوڑے کے قدم رکے۔ امام حسین نے فرمایا محملیں اتار لو۔ اور خیمے نصیب کرو۔ کیونکہ ہماری موت اسی جگہ میرا لے رہی ہے۔ دوسری محرم کو آپ وارو کر بلا ہوئے۔ ساتویں محرم سے آپ پر پانی بند کر دیا گیا۔ اور دسویں محرم کو آپ مع جملہ اعزاء واقرباء قتل کر ڈالے گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے معزز و اقربا و اصحاب شہادت پائی۔ قاضی قسطنطین شیخ سلیمان قندوزی اپنی کتاب ینایع المودۃ طبع مصر کے ص ۳۴۶ پر لکھتے ہیں کہ یوم عاشورہ حضرت امام حسینؑ نے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”ایہا الناس“ یہ بتاؤ کہ میں نے کونسی سنت بدل دی اور شریعت کے کس حکم کو بدلا جس کے عوض میں تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ ”فقلوا الہ انا تقتلک بغضاً لا بیک“ اے حسین! تم نے کچھ نہیں کیا۔ لیکن ہم تمہیں تمہارے باپ دادا کے بغض کے سلسلہ میں قتل کرتے ہیں۔

اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ کر بلا کے پس منظر میں کیا تھا۔ الغرض گیارہویں تاریخ کو مخد رات عصمت و طہارت کو سر برہنہ نالوں پر سوار کر کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دربار کوفہ میں داخل کیا۔ پھر چند دنوں بعد سر ہائے شہداء و مخدرات عصمت و طہارت کو شام بھیج دیا گیا۔ یزید کے سامنے جس وقت امام حسین کا سر بریدہ لایا گیا تو اس نے چھڑی سے لہجائے مبارک کے ساتھ بے ادبی کی اور چند اشعار زبان زد کئے۔ جن کا پہلا مصرع یہ ہے۔

لیت اشیاخی یبدر شہدا

ترجمہ: کاش! میرے وہ بزرگ جو بدر میں شہید ہوئے موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بدر واحد وغیرہ

کے مقتولین کا کس طرح بدلہ لیا ہے اور وہ میرے کارناموں سے بے انتہا خوش ہوتے۔ اور خوش ہو کر مجھے دعائیں دیتے۔ کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں، حقیقت یہ ہے کہ بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ ملک کا نزول ہوا تھا۔ ابھی کیا ہے دنیا دیکھتی جائے گی کہ:

لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل

میں بنی خندف سے نہیں۔ اگر آل احمد سے بدر واحد کے کارناموں کا بدلہ نہ لے لوں۔ ان اشعار پر نظر ڈالنے کے بعد واقعہ کہ بلا کا پس منظر پیش نظر آ جاتا ہے۔ اور یہ روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ کر بلا کا واقعہ پیغمبر اسلام اور حضرت علی کی تبلیغی سرگرمیوں کے انتقامی نتائج ہیں جو ان مسلمانوں کے ہاتھوں عمل میں آئے۔ جن کے دلوں میں ادعائے اسلام کے باوجود اسلام جاگزین نہ ہو سکا تھا۔ رواتح القرآن صفحہ ۵۰۴ (باجازت ریڈیو پاکستان پشاور)

### حق و باطل کی جنگ:

اس میں شک نہیں کہ حق و باطل کی دشمنی اتنی پرانی ہے کہ دریا اور پہاڑ بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کونسا دن تھا کہ جب باطل کی فوجوں نے حق کے سامنے صف آرائی نہیں کی۔ کوئی گھڑی تھی۔ جب طاغوتی فوجوں نے رحمانی طاقتوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ یہ دنیا ایک میدان جنگ ہے جہاں شب و روز نور و ظلمت، حق و باطل، کفر و اسلام میں رسہ کشی ہوتی رہتی ہے۔ پیر فلک کی سال خوردہ آنکھیں بہت سی خوں ریز لڑائیاں دیکھ چکی ہیں۔ کر کشیر، درہ تھرماپلی، بدر جین وغیرہ کی عبرت گاہوں کو جا کر دیکھو۔ ان کے فندہ درہ پر روح فرسا کہانیاں اور ہوش ربا داستانیں لکھی ہوئی ہیں جن سے کسی دن معرکہ حق و باطل کی تاریخ مرتب کی جائے گی۔

یہ سچ ہے کہ ظاہری اعتبار سے باطل کی فوجیں اکثر حق پر غالب آتی رہیں۔ دنیا نے ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ حق کے علم کو سرنگوں ہوتے دیکھا۔ کیا علم و جہل کی لڑائی میں سقراط نے شکست نہیں کھائی۔ کیا خون آشام یونانیوں نے اس محقق زمانہ کو اپنی غلط فہمیوں کے معبد پر قربان نہیں کر دیا۔ یا امن و امان کا پیامبر ”مسیح“ یہودیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنا۔ کیا اٹلی کے مقدس ہیٹ دان ”گللیو“ کو پاپائے روم کی کفر آفرینیوں کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ مگر باطل کی ظاہری فتح ہمیشہ عارضی رہی۔ یہ سچ ہے کہ آتش ظلم و ستم نے ایک دفعہ حق کو جلا کر خاک کر دیا۔ مگر اس کے خاکستر سے وہ چنگاڑیاں نکلیں جنہوں نے خرمن باطل میں کبھی نہ بھجنے والی آگ لگا دی۔

معرکہ کر بلا بھی انہیں یادگار جنگوں میں سے ایک عظیم الشان جنگ ہے جو دنیا میں حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے لڑی گئی۔

کون نہیں جانتا کہ رسول عربیؐ دنیا کو حریت عمل اور آزادی ضمیر کا سبق پڑھانے کے لئے آئے تھے۔ کس کو خبر نہیں کہ اسلام امن و امان کا حامی اور بیجا تفوق اور ناجائز اقتدار کا دشمن ہے۔ جتنا بندی قومی، ملی و وطنی اور لونی امتیازات کے خلاف سب سے پہلے موثر آواز جو بلند کی گئی وہ رسول اللہ ﷺ کی آواز تھی۔ لیکن بنی آدم کی تلون پسند طبیعت کا براہو کہ اس نے دنیا کی کسی مفید تحریک کو بار آور نہیں ہونے دیا اگر حضرت موسیٰؑ کا درس تنظیم چھوڑ کر یہودیوں کو باطل کے بادشاہ کی غلامی کرنا پڑی۔ حضرت عیسیٰؑ کا امن بخش اور صلح آفرین پیام طاق نسیاں کے نذر کر کے عیسائی بت پرست رومی شہنشاہوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا کہ ریگستان کے جنگ جو باشندے رسول اسلام ﷺ کی تعلیم کو زیادہ دن تک یاد رکھتے۔ ابھی رسول اللہ ﷺ کا کفن تک میلانہ ہونے پایا تھا کہ پرانے عقیدے نئے بہروپ بدل کر سامنے آئے ۲۳ برس کا عرصہ اتنا طویل نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کفر کی نشانیوں کو قطعاً مٹا سکتے۔ یہ سچ ہے کہ خانہ کعبہ کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ مگر دلوں کے صنم ابھی تک آباد ہیں۔ اب لات و منات کے بجائے حرص و ہوا طلب جاہ، خواہش حکومت اور تنائے سطوت و خروت کے دیوتاؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ نئے مذہب نے جو جوش پیدا کر دیا تھا مصلح اعظم کی تعلیم نے منتشر قوتوں کو متحد کر کے جو روح پھونک دی تھی وہ بجائے اس کے کہ صداقت کی ترویج میں صرف ہوتی طلب جاہ اور تحصیل زر کے کام آنے لگی۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کو آنکھ بند کئے ہوئے ابھی پورے پچاس سال بھی نہ گزرے تھے کہ ان کی مقدس تعلیم خود غرض لوگوں کے ہاتھوں مسخ ہو گئی۔ اور اس طرح بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ آسمانی بادشاہت کا وہ خواب جو اسلام نے دیکھا تھا شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ رسول عربی ﷺ کو لگا تار ۲۳ سال کی محنت برباد ہو جائے۔

### زارِ دمشق کا لاڈلا اور جانشین رسول ﷺ:

۱۱ھ شروع ہونے کو ہے وہ اسلام جو امن و امان کا مرادف سمجھا جاتا تھا، خون آشام شامیوں کے ہاتھوں پنڈاریوں کا پتھ معلوم ہوتا ہے۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ عرب کی زمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے۔ قیصر آئین اور کسری خیال لوگ رسول اسلام ﷺ کی جانشینی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ زارِ دمشق کا لاڈلا فرزند اسلام کو اپنی ہوسنا کیوں اور عشق پرستیوں کے رنگ میں ڈوب دینا چاہتا ہے۔ حریم خلافت اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ پری رخوں کا جھرمٹ ہے۔ شراب و کباب کا زور بندھا ہوا ہے۔ زنا کاری کی کوئی انتہا باقی نہیں۔ سوتیلی ماؤں

اور بہنوں سے عقد کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ (صواعق محرقة)

رسول اللہ ﷺ کے مقدس صحابہ کرام کچھ تو سفر آخرت کر چکے ہیں۔ کچھ کنج عافیت میں اپنی عزت کو سنبھالے بیٹھے ہیں اور مسلمانوں کا خلیفہ سرد قد گلہزار رومی شاہدوں کے جھرمٹ میں تخت خلافت پر جلوہ انگن ہے۔ شراب آلودیوں سے نکلی ہوئی بات قانون الہی سمجھی جا رہی ہے اور مخمور آنکھوں کے اشارے حدیث کے مرادف بنے ہوئے ہیں۔ دمشق مرکز خلافت ہے۔ اسلام کی تازہ تہذیب روم و ایران کے تمدن سے بدل چکی ہے۔ اس حریم خلافت کی تقلید میں اب ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا ہے۔ نماز روزہ کی جگہ پر عشق و محبت کے تذکرے ہیں۔ اذان و اقامت کی جگہ نازنیوں کے آتشیں رخساروں کے بوسوں کی آوازیں نے لے لی ہے۔ رات صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اسلام کے خلیفہ ”یزید“ اور اس کے متوسلین نام نہاد مسلمانوں کے چشم و دہن کو شراب شیراز سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیں۔ اور صبح صرف اس لئے کہ ان کی تھمار آلود آنکھوں کو کسی بے گناہ کے رقص مذہب و جانہ کا نظارہ کرا دے۔

دنیا رسول عربی ﷺ کی کلمہ پڑھنے کی ترکتازیوں سے پریشان ہے۔ امن پسند شہریوں پر عرصہ زندگی تنگ ہو رہا ہے۔ ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر دار الخلافہ میں جمع ہو رہی ہے۔ جفاکش دہقانوں اور مختی تاجروں کی گاڑھی کمائی دولت اسلامیہ کے سود و بہبود کے بجائے چند رشہ مشرب لوگوں کی عیاشیوں کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ ایمان جیسی گراں جنس کا سودا چند درہم پر کیا جا رہا ہے اور جو اس قیمت پر راضی نہیں ہوتے ان کے لئے زہر اور تلوار کا پرانا منتر تیار ہے۔ مسجدیں ویران ہیں۔ میکدوں کی رونق بڑھ رہی ہے۔ خدا پرستی کی جگہ شاہد پرستی نے لے لی۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو فراموش کر چکے۔ علمی محفلیں برباد ہو چکیں۔ کفر کی مٹی ہوئی سنت زندہ کی جا رہی ہے اور ہندہ و سمیہ کی یاد میں دمشق کے گلی کو بچے عیاشی اور بوالہوسی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔

غرض کہ جب اسلام کی مقدس تعلیم اس طرح تباہ ہونے لگی۔ جب دور جہالت نے پلیٹ آنے کی جھمکی دینی شروع کر دی۔ جب جیکر اسلام میں قیصر و کسریٰ کی روح نے داخل ہونے کی کوشش کی۔ جب جاہ و جلال مال و منال کے نقشہ نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جب اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے دنیا میں آگ لگانا چاہی۔ جب جہاد دفاعی حد سے گزر کر جنگ زرگری کی شکل اختیار کر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے نام لیواؤں نے محبت و مساوات کا سبق فراموش کر دیا۔ جب قبیلہ پرستی عربیت اور عجیت کے امتیازات پھر نئی زندگی کی

کروٹ لینے لگے۔ جب مذہب کی آڑ میں ذاتی مفاد کا شکار کھیلنا جانے لگا۔ جب شاہد پرستی کے ہلاکت آفرین سیلاب نے مسلمانوں کو مانی و مزدک کا پیر و بنادیا۔ جب عیش و عشرت کی افراط نے ان کے قویٰ کو متضعف کر دیا۔ جب مجسمہ حیا اور پیکر شرم نبی کے پیروؤں نے اپنے اعمال سے کفر کو بھی شرما دیا جب اسلام رجعت قہمیری کے سلسلہ میں اپنے قدم کو آخری حد تک پہنچا دینے پر مجبور ہو گیا۔ تو غیرت حق جوش میں آئی۔ بنی امیہ کے ظلم خانے کو توڑنے کے لئے ان کی فرعون سامانیوں کو خاک میں ملانے کے لئے یزید کے دین بواہوی پر ضرب کاری لگانے کے لئے بنی عربی علیہ السلام کے گھر سے تاجدار انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو ظاہر کیا۔ جن کی قسمت میں ازل سے انقلاب آفرینی لکھی ہوئی تھی۔ جو تاریخ عالم میں اپنی آپ نظیر تھی۔ (سرفراز محرم نمبر ۳۹) اور ان کا علبردار عباس ایسے بہادر کو بنایا جائے جس کے لئے حسین خود فرمائیں۔

”بنفسی اذت“ میری جان تجھ پر فدا ہو جائے۔ المواعظ والبرکار ص ۱۱۰ طبع بمبئی

تاجداران اسلام کی مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانگی اور

## اس کے اسباب و وجوہات

وادی الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا حضرت عباس ہیں خضر بیابان وفا  
یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ کوئی شخص بھی اپنا وطن خوشی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ جب کوئی ترک وطن کرے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے لئے کچھ ایسے اسباب و وجوہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو ترک وطن کی ضرورت میں عملاً ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وطن کا ترک کرنا بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے جلا وطنی کو قتل کا درجہ دیا ہے۔ سرور کائنات ﷺ جب ہجرت کے موقع پر اپنا وطن چھوڑ کر چلے تھے اس وقت۔ اور پھر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وطن کی یاد سے غافل نہیں رہے۔ آپ مکہ معظمہ سے آنے والے سے وطن کی گلیوں اور وہاں کے درختوں تک کے بارے میں استفسار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جو معاویہ کی موت کے بعد وطن مالوف چھوڑتے نظر آ رہے ہیں یقیناً ان کے سامنے کچھ ایسے اسباب و وجوہ ہوں گے جو آپ کو ترک وطن پر مجبور کر رہے ہوں گے۔

اگر تاریخ کا منظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ راز کھل جائے گا کہ حضرت امام حسین کا ترک وطن سقیانی اسکیم کا ایک مستحکم منصوبہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ رسول اسلام ﷺ کی آنکھیں بند ہوتے ہی کلمہ گو یوں کی طرف سے پیغمبر اسلام ﷺ اور امیر المؤمنین کی تبلیغی خدمات کا آبائی غیر

مسلم بدلہ لیا جانے لگا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ امیر المومنین کی حقوق سے محرومی فاطمہ زہراؑ کا مصائب و آلام سے دوچار ہونا۔ امام حسنؑ کی شہادت سب اسی جذبہ دیرینہ کی رہین منت ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جب سلسلہ اوّل کی پانچویں کڑی رشتہ ”خلافت“ سے ہر شتہ ہوئی۔ یعنی معاویہ برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے آلِ رسول کو دنیا سے ختم کرنے کے سلسلہ میں جنگ جمل و صفین کی بنیاد ڈالی۔ اور بلاخرہ حضرت علیؑ کو اپنی مکمل سازش کے ذریعے مسجد کوفہ میں شہید کرادیا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے نہ فرمانِ رسول اسلام ﷺ ”حسب علی عسلی حریبی“ کا لحاظ کیا اور نہ حکمِ خدا ”من قتل مومنا متعمدا فجزاۃ جہم“ پر نظر کی۔

امیر المومنین کی شہادت کے بعد اس نے امام حسنؑ کے وجود کو ختم کیا۔ اور ان بزرگ ہستیوں کے وجود سے زمین کو خالی کرنے کا مشایہ تھا کہ میں آزادانہ حکومت کر سکوں۔ اور یزید کی ولیعہدی میں کوئی روڑا نہ اٹکنے پائے۔ اسی خیال کے پیشِ نظر انہوں نے حضرت عائشہؓ کو جو ان کے متعلق پیغمبر اسلام ﷺ کے خیالات اور ان کے فرمان سے بخوبی واقف تھیں کچے چونے کے کنوئیں میں گر کر مار ڈالا اور ان کے بھائی محمد بن ابوبکر کو جو کبھی کبھی ان کی مخالفت کرتے اور امیر المومنین کی تائید فرمایا کرتے تھے گدھے کی کھال میں زندہ ہی کر آگ میں جلوا دیا۔

غرض کہ خلافتِ یزید کے لئے جب زمین ہموار ہو گئی تو آپ بیعتِ ولیعہدی لینے کے بعد اہل حجاز کے گلے میں طوقِ بیعت ڈالنے کے لئے ۵۶ھ میں ایک ہزار سوار لے کر روانہ ہوئے۔ اور مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ سے ملاقات کی۔ اور ان سے بیعتِ یزید کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا میں یزید کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہرگز بیعت نہیں کر سکتا۔ (وسیلۃ النجات جلد ۳ ص ۲۸۳)

معاویہ امام حسینؑ علیہ السلام کا جواب سن کر خاموش رہ گئے۔ انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان پر سختی کریں۔ لیکن اور بہت سے افراد کو ڈرا دھمکا کر حلقہٴ بگوشِ یزید کر لیا۔

پادری کینن ایڈورڈ سیل ڈی۔ ڈی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو وہ امام حسنؑ سے کر چکے تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ فوج کشی اور جبر سے کیا۔ (رسالہ اثنا عشریہ ص ۳۔ ۵ طبع لاہور ۱۹۲۵ء)

الامۃ والسیاست ابنِ قتیبہ ج ۱۔ صفحہ ۱۳۸ میں ہے کہ معاویہ نے بیعتِ یزید کے سلسلہ میں لوگوں کے دین بھی درہم و دینار کے عوض خریدے۔ رسالہ فلسفہ شہادت صفحہ ۹ پر بحوالہ مکمل الایمان محدث دہلوی مرقوم ہے کہ ”بیعت کرنے والوں سے اس طرح اقرار لیا جاتا تھا کہ یزید کو یہ اختیار ہوگا کہ



چاہے تو وہ ہم کو غلاموں کی طرح سر بازار فروخت کرے اور چاہے عبادت خدا کی اجازت دے اور چاہے تو روک دے۔

الغرض وہ وقت آیا کہ آپ ایسی منزل کی طرف روانہ ہونے پر مجبور ہوئے جہاں اپنے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔ یعنی ماہِ ربیعِ ۱۰ھ آ پہنچا۔ آپ نے مرنے سے پہلے اپنے فاسق و فاجر لاڈلے فرزند یزید کو برادرِ ابنِ اسلام کا چھٹا خلیفہ بنا دیا اور اس کے سر پر تاجِ خلافت رکھ کر دنیا سے چل بسے۔ ملاحظہ ہو۔ (تاریخ الخلفاء صواعقِ محرقة، ابوالفداء)

یزید نے تختِ خلافت اور تاجِ امارت سنبھالتے ہی اپنے آبائی مشن میں روحِ تازہ پھونکنے کے لئے باپ کے بتائے ہوئے اصولوں اور سمجھائے ہوئے خفیہ طریقوں پر نظامِ سلطنت اور انتظامِ خلافت و امارت کو استوار کرنا شروع کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں اس نے جو سب سے پہلا قدم اٹھایا۔ وہ ولید بن عقبہ کو والیِ مدینہ منورہ مقرر کرنے کا تھا۔ (حاشیہ سیرت ابنِ ہشام ج ۴۔ صفحہ ۵۸) جس کے ذریعہ سے وہ اپنے منصوبہ میں کامیابی حاصل کرنے کا یقین رکھتا تھا۔

ولید کو والیِ مدینہ منورہ بنانے کے فوراً بعد اس مقصد کے لئے ایک خط لکھا کہ ”ان یشاخذ لہ البیعة عن الحسن“ کہ میرے لئے حسین سے بیعت لے لے۔ (وسیلۃ النجات ص ۲۸۴۔ ارجح المطالب ص ۳۶۹) اس واقعہ بیعت کو مورخین معتبرین یوں رقمطراز ہیں:

یزید بن معاویہ ولید بن عقبہ کو لکھتا ہے۔ — وباید جوں بر فوائے اس مکتوب واقف شوی از اہل مدینہ بیعت بستانی۔ والسلام

واقعہ دیگر در رعایت ایجاز و نوشت مشعر یہ آں کہ از حسین و عبد اللہ بن عمر و عبد الرحمن ابن ابی بکر و عبد اللہ بن زبیر بیعت بستاں و در ایں باب اہمال متمانئی و اگر بیعت نہ کنند سرایشاں را نزد من فرست۔ الخ۔

(ترجمہ) میرے خط کو پاتے ہی اور مدعائے دل سے واقف ہوتے ہی فوراً اہل مدینہ سے بیعت لے لے والسلام۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس خط کے ساتھ ایک نہایت مختصر پرچہ (کناہا اذن فارة۔ طبری) جو ہے کے کان کے برابر الگ سے لکھ کر لقاؤ میں رکھ دیا۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ امام حسینؑ عبد اللہ بن عمرؑ عبد الرحمن بن ابی بکرؑ عبد اللہ بن زبیرؑ سے بلا رعایت بیعت لے لے اور انہیں دم لینے کی مہلت نہ دے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کے سر میرے پاس بھیج دے الخ۔ روضۃ الصفا میر شاہ ہروی۔ ج ۳۔ ص ۵۶۶ طبع نو لکثور و تاریخ الفتوح خواجہ محمد المعروف اعثم کوئی ص ۱۲۸ طبع بمبئی ۱۳۰۵ھ تاریخ طبری۔ ج ۶ ص ۱۸۸۔ حالات ۲۰ھ طبع مصر و تاریخ کامل ج ۴

صفحہ ۶ مصر و بڑا شہادت نامہ عرف شہید اعظم مؤلفہ عبد الحمید ایڈیٹر مولوی دہلی صفحہ ۴۲ طبع دہلی۔  
اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی سے سوال کیا گیا کہ کیف نسب قتل الحسین الی یزید و هو بدمشق فانشد۔

سہمہ اصحاب و رامہ بزی سلم  
من العراق لقباً بعد شامہ مالک  
یزید دمشق میں تھا اور امام حسین عراق میں تھے۔ پھر ایسی صورت میں قتل حسین یزید کی  
طرف کیسے منسوب ہو سکتا ہے تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا (ترجمہ) تیر عراق سے جا کر لگا  
حالانکہ اس کا پھینکنے والا ذی سلم میں تھا۔

اے محبوبہ تو نے تو بہت دور نشانہ تاکا ہے (ابجد العلوم ص ۸۳ طبع بھوپال ۱۲۹۵)  
مطلب یہ ہے کہ جس طرح تیر کا نشانہ دور جا کر لگتا ہے چاہے پھینکنے والا کہیں کیوں نہ ہو۔ اسی طرح  
یزید کے نیزہ حکم اور تیر قلم نے دمشق میں بیٹھے بیٹھے حسین اور ان کے بچوں کو شہید کر دیا۔

### ولید کا پیغام امام حسینؑ کے نام:

تاریخ طبری فارسی جلد ۴ صفحہ ۶۱۶ میں ہے کہ ولید نے یزید کا حکم صریح ملنے کے بعد  
مروان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو بلا کر ان سے بیعت یزید کا  
سوال کر۔ اگر وہ آسانی بیعت کر لیں تو فہو المراد۔ اور اگر انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر یزید کے  
پاس بھیج دے۔ ولید نے کہا۔ سبحان اللہ! تو نے تو بہت ہی اچھی رائے دی۔ اس کا مطلب یہ ہے  
کہ تو مجھے قتل حسین کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ مجھے اور تجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ہرگز سبقت نہ کریں  
گے تو میں ان کو قتل کر کے اپنی عاقبت خراب کر لوں مروان نے کہا اگر تو میری نصیحت پر عمل نہ کرے  
گا تو نقصان اٹھائے گا۔

ولید نے نیرہ عثمان کو حضرت امام حسین کی خدمت میں بھیج کر حاضری کی درخواست  
کی۔ آپ نے اپنے ہمراہ اپنے خاندان کے ستر مسلح افراد لئے اور دربار میں جا پہنچے۔ (سیر الائمہ  
ترجمہ کشف الغمہ صفحہ ۶۶ میں ہے) کہ امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہ پچاس جانبازوں کو لے کر  
دربار ولید کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ داخل دربار ہو گئے۔ اور ان بہادروں  
سے فرما دیا کہ تم باہر گوش برآ و از رہو۔ اگر میری آواز بلند ہو تو فوراً داخل دربار ہو جانا۔ غرض کہ جب  
آپ پہنچے ولید نے نہایت عزت و احترام کیا۔ اس کے بعد کہا: کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے اور  
یزید کا خط آیا ہے کہ آپ اور عبداللہ ابن زبیر عبدالرحمن بن ابی بکر عبداللہ بن عمر سے ضرور بیعت لی  
جائے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے تم چاروں افراد کو یکجا کر پھر دیکھا جائے گا۔

تاریخ احمدی میں بحوالہ روضۃ الاحباب مذکور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو ولید نے عبد اللہ بن عمر بن عثمان کے ذریعہ بھیجا تھا۔

تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین میں ہے کہ امام حسین کے ہمراہ دوستوں اور خادموں کا گروہ گیا تھا روضۃ الشہداء صفحہ ۲۴۴ میں ہے۔ کہ ولید محبت اہل بیت تھا۔ اس نے حکم یرزید پانے کے بعد مروان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا۔ کہ ان لوگوں کو اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے بیعت کا سوال کرو اگر انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر یرزید کے پاس بھیج دو۔ الغرض ولید کا پیغام امام حسین کو پہنچ گیا۔ اور آپ نے عصائے مبارک حضور سر در کائنات صلعم دست حق پرست میں لیا اور اپنے ہمراہ تیس جانباڑوں کو لے کر قریب دربار ولید پہنچ کر ان جانباڑوں کو آپ نے پہلے بھی سمجھا دیا تھا اور داخلہ دربار کے موقع پر فرمایا کہ تم باہر موجود رہو اور میں اندر جاتا ہوں۔ اگر میری آواز بلند ہو تو تم فوراً داخل دربار ہو جانا۔ بالآخر امام حسین داخل دربار ہو گئے۔ ولید اور مروان کو یکجا بیٹھا دیکھا۔ آپ کی نہایت شاندار تعظیم کی گئی۔ امام حسین نے زحمت دہی کا سبب پوچھا۔ اس نے معاویہ کی موت کی خبر دی اور یرزید کا خط دکھلایا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمام لوگ جمع ہوں گے اور بیعت عامہ شروع ہوگی۔ اس وقت دیکھا جائے گا۔ ولید نے کہا بہتر ہے۔ پھر حضور بوقت ضرورت تشریف لے آئیں گے۔

تاریخ الفخری صفحہ ۸۵ میں ہے کہ امام حسین نے فرمایا کہ ”مٹلسی لا یبائع سرا“ میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ چھپ کر بیعت کر لوں۔ وسیلۃ النجاة صفحہ ۲۸۹ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علیٰ روس الاشہاد کل مجمع عام میں دیکھا جائے گا۔

(معہ سا کہ صفحہ ۳۰۴ میں بحوالہ شیخ مفید مذکور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ولید کی طرف سے رات کے وقت ایک اطلاع پہنچی جس میں اس نے آپ سے ملاقات کی استدعا کی تھی۔ آپ اپنے ہمراہ ماننے والوں کا ایک گروہ جو مسلح تھا لے کر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ پر اس گروہ کو چھوڑ کر اندر داخل ہوئے۔ ولید نے آپ کی تعظیم کی اور بڑی عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ولید نے خبر مرگ معاویہ سنائی آپ نے (انسا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا) اس کے بعد یرزید کا خط دکھلایا۔ آپ نے کمال ضبط کے ساتھ فرمایا: تم چاہتے ہو گے کہ میری بیعت صرف خفیہ نہ رہے بلکہ اس کا ظہور بھی ہو۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ جب سب لوگ جمع ہوں گے اس وقت بیعت کرنی مناسب ہوگی۔ ولید نے کہا جب آپ مناسب تصور فرمائیں وہی بہتر ہے۔ مروان نے جس وقت یہ گفتگو سنی تو بول اٹھا۔ ولید تو غلطی کر رہا ہے۔ حسین کو مت چھوڑ۔ اگر یہ اس وقت

نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے اسی وقت بیعت لے لے اور اگر رضامند نہ ہوں تو سرکات کریم کے پاس بھیج دے۔ یہ سننا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو غصہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن زرقا کیا کہتا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ حسین کو ہاتھ بھی لگا سکے۔

کتاب تظلم الزہر اطبع ایران میں ہے کہ امام حسین کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ انیس بہادر انتہائی غصہ میں داخل دربار ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سب کے غصہ کو فرو کیا۔ اور واپس دولت سرا کو تشریف لائے۔

کتاب ریاض القدس میں ہے کہ ان بہادروں میں نمایاں حیثیت حضرت عباس علیہ السلام کی تھی۔

### سوال بیعت:

ناظرین کرام! حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا سوال کیا گیا ہے اور بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی اپنے دین و ایمان، عزت و آزادی کو بیچنے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی خوددار انسان بھی اپنے دین و ایمان وغیرہ کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ایسی شخصیت جو دنیا کے زمان و مکان میں اپنی آپ نظیر ہو۔ اور جسے اپنی اسلامی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو۔ اور پھر بیعت بھی کس کی۔ ایک فاسق و فاجر کی جسے اس کے باپ نے بروایت تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۶۱۲ سیرت شیخین پر چلنے کی ہدایت کی ہو۔ جس سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پہلے ہی اظہارِ بیعت کر چکے ہوں۔ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انسان اپنی مذہبی خودداری کی وجہ سے بیعت کے بجائے جانی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔

تاریخ انگلستان شیو چند کپور ج۔ ۲ صفحہ ۳۷۲ طبع الدہ ۱۹۳۳ء میں ہے کہ ۱۵۵۸ء میں جب ملکہ میری ٹیوڈر انگلستان پر حکمران ہوئی تو چونکہ وہ کیتھولک تھی لہذا اس نے پروٹیسٹنٹوں کو بری طرح تباہ کیا۔ اس کی تمام تر یہ خواہش تھی کہ میری حدود سلطنت میں صرف کیتھولک خیال کے لوگ ہی ہوں۔ اسی نظریے کے ماتحت اس نے اعلان کر دیا کہ جو بھی میری بیعت کرے گا نجات پائے گا۔ اور جو منکر ہوگا زندہ جلادیا جائے گا۔ قتل کر دیا جائے گا اسے جلادہنی کی سزا دی جائے گی۔ چنانچہ اکثر نے بیعت کر لی اور جنہوں نے طوق بیعت اپنی گردن میں نہ ڈالا وہ شہر بار کرادیئے گئے اور تین سو سے زائد افراد نذر آتش کر دیئے گئے۔ ان چلنے والوں میں مسٹر لیٹر اور مسٹر ڈی لے بھی زندہ جلادئے گئے۔ جب آکسفورڈ میں آگ میں یہ ڈالے گئے تو مسٹر لیٹر نے آگ کے بھڑکتے

ہوئے شعلوں سے پکار کر کہا۔ مسٹر رڈ لے مذہب کے لئے بہادری سے جان دو۔ ہم لوگ آج ان شعلوں کو بھڑکا رہے ہیں جنہیں انگلینڈ کی زندگی میں کوئی نہ بجھا سکے گا۔ ... اس کے بعد مسٹر کرلیٹر کی باری آئی۔ انہوں نے جان کے خوف سے بیعت نامہ پر دستخط کر دئے۔ لیکن اس کا ضمیر اس فعل پر راضی نہ ہوا اور ان سے فوراً بیعت نامہ واپس لے لیا۔ اور آگ میں جلنا گوارا کیا۔ جب اسے آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اپنے داہنے ہاتھ کو آگ کی طرف بڑھا کر کہا کہ پہلے تجھے جلنا چاہئے کیونکہ تو نے معافی نامہ پر دستخط کرنے کا کام کیا تھا۔

مسلمانوں کے لئے یہ امر ناقابل فراموش ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو بیعت فاسق نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت کا تقاضا یہی تھا اور تحفظ اسلام کا ذریعہ بھی یہی تھا۔ اگر حسین بیعت کر لیتے تو آج سطح زمین پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کہنے والا کوئی بھی نظر نہ آتا۔

اسے یہ ضد ہے کہ اقرار لے اطاعت کا  
مجھے یہ کد ہے کہ ہاتھوں میں اس کے ہاتھ نہ جائے  
وہ کہہ رہا ہے کہ بیعت کرو ہلاک نہ ہو  
مرا یہ قول کہ سر جائے ”جائے“ بات نہ جائے (وزیر کراروی)

### رواگی کا انتظام اور حضرت عباس:

غرض کہ امام حسین علیہ السلام مراجعت فرمائے دولت سرا ہوئے۔ اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مجھے مدینہ منورہ چھوڑ دینا چاہئے۔ چنانچہ ۲۶-۲۷ رجب ۶۰ھ کو اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ و حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا و حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے روضوں پر جا کر ان حضرات سے رخصت ہو آئے۔ اور ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو حضرت عباس سے فرمایا کہ بھائی! اب رواگی کے لئے سواریوں کا انتظام کرو۔ حضرت عباس علیہ السلام نے انتظامات شروع کر دیئے۔ (الدمع الحسنون صفحہ ۲۲۴) تھوڑی دیر کی اندر چالیس محملیں حریر و دینا سے آراستہ تیار کر لی گئیں۔ (سلسلۃ الذہب ص ۱۱۴ طبع لکھنؤ ۱۳۲۷ھ) و مجاہد اعظم حصہ اول ص ۲۸۴ بحوالہ جلاء الحیوان (روایت مسلم ہصا ص)

حضرت عباس نے تاجدار اسلام حضرت امام حسین کو اطلاع دی کہ حضور سواریاں حاضر ہیں۔ حضرت امام حسین نے عورات مخدرات کو حکم دیا کہ اپنی عزیز عورتوں اور مردوں سے رخصت ہو کر سواری کے لئے چلو۔ اور جناب ام سلمیٰ اور ام البنین سے فرمایا کہ تم دونوں میری بیٹی

فاطمہ صغریٰ کے علاج کی خاطر یہیں ٹھہر جاؤ۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امام حسین کی اس بیماری کی عمر اس وقت ۷ سال تھی۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۲)

### فاطمہ صغریٰ کی علالت:

محذرات عصمت اپنے عزیزوں سے رخصت ہو رہی ہیں۔ دفعۃً جناب فاطمہ صغریٰ کو جو تپ لازم میں مبتلا تھیں کچھ افاقہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں۔ بابا جان مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے جا رہے ہیں۔ بابا جان یہ ناممکن ہے۔ کثیر آپ کے ساتھ چلے گی۔ (خمسۃ اقبالیہ صفحہ ۲۰ طبع حیدر آباد) مائتین صفحہ ۳۱۔ اور شہید اعظم صفحہ ۴۵

### فاطمہ صغریٰ سے امام حسین کا وعدہ:

ایڈیٹر صاحب رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں: حضرت امام عالی مقام نے اپنے ہمراہ تمام اہل بیت کو لیا۔ صرف بی بی فاطمہ صغریٰ کو نہیں لے جاسکے۔ کیونکہ وہ بیمار تھیں اور اندیشہ تھا کہ علالت بڑھ نہ جائے۔ بی بی صغریٰ امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت سیکندہ سے بڑی تھیں۔ اس کتاب شہید اعظم ص ۴۵

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ: ”کانت مولانا الحسین بنت“

یعنی امام عالم ایجاد حسین بن علی رادخترے امام حسین کی ایک دختر تھی جس کا نام فاطمہ بود فاطمہ نام کہ در حین خروج حضرت تھامدینہ منورہ سے روانگی کے وقت وہ بیمار تھیں۔ انہیں تپ لازم عارض تھی۔ حضرت ازمدینہ مریضہ بود بواسطہ تپ للدم کہ اسے اپنے ہمراہ نہ لے جاسکے۔ ام البنین اور ملازم آں مخدرہ شدہ بود۔ حضرت اور از ہمراہی خود محروم و مجبور فرمودہ بود۔ آں علیہ بام المؤمنین ام سلمیٰ سپرد کردہ بود و گئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تجھے صحت دے گا اور میں وعدہ دادہ بود۔ انشاء اللہ اگر ترا بہبودی از مرض حاصل شد من ہم از اہل کوفہ بیوفائی ندیم علی اکبر برادرت را می فرستم بمن برساند۔ اس (ریاض القدس ج ۱ ص ۱۱۶)

امام حسین کی ایک دختر تھی جس کا نام فاطمہ تھامدینہ منورہ سے روانگی کے وقت وہ بیمار تھیں۔ انہیں تپ لازم عارض تھی۔ حضرت اسے اپنے ہمراہ نہ لے جاسکے۔ ام البنین اور حضرت ام سلمیٰ کے سپرد کر کے یہ فرما کر چلے گئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تجھے صحت دے گا اور میں بھی کوفہ والوں کی بے وفائی سے بچوں گا۔ تو تیرے بھائی علی اکبر کو بھیجوں گا وہ آ کر تجھے لے جائے گا اور تو میرے پاس پہنچ جائے گی۔

صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ ”فاطمہ صغریٰ نے جب کمال اصرار کیا تو امام حسین نے فرمایا بیٹی! جلدی نہ کرتے تھے میں ابھی اتنی ناب نہیں ہے کہ تو اتنے اہم سفر کو طے کر سکے۔ جب میں

منزل مقصود پر پہنچوں گا تو تیرے بھائی علی اکبر اور تیرے چچا عباس کو بھیج کر تجھے بلا لوں گا۔

(فضائل الشہداء صفحہ ۱۰۲-ب ۲ ف ۸)

علامہ کثوری لکھتے ہیں کہ ”و ترك الحسين اياها في المدينة مع كونه املا قلبا من حبها لا بتلاءه بالفراق وصبره عليه“ امام حسين علیہ السلام فاطمہ صغریٰ کو اسی حال میں چھوڑ کر چلے گئے کہ آپ کا دل ان کی محبت اور جدائی سے سخت پریشان تھا۔ لیکن یہ سمجھتے تھے کہ اس میں بھی میرا امتحان ہے بیمار بیٹی کو چھوڑا۔ اور تیمارداری جناب ام سلمہ اور ام البنین کے سپرد کی۔ ”فہی وام البنین اعني ام عباس واخوته عليهم السلام كلتا هما كانتا في المدينة۔ تعالج امر فاطمه بنت الحسين“ جناب ام سلمہ اور ام البنین وغیرہ۔ مدینہ منورہ میں رہیں اور فاطمہ صغریٰ کے علاج اور تیمارداری میں مشغول تھیں۔ (ماہنامہ صفحہ ۳۱۔ حضرت امام حسینؑ فاطمہ صغریٰ سے وعدہ وعید کرنے کے بعد فرمانے لگے۔ عباس اب ان بیٹیوں کو سوار کرو۔ میرا نیش مرحوم فرماتے ہیں۔

سن کر یہ خن باتوئے ناشاد پکاری میں لٹی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری  
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغریٰ مری پیاری بے بس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ وزاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں

اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینے میں سنہلتا صاحب مرے دل کو ہے کوئی سینہ میں ملتا  
میں تو اسے لے چلتی مگر بس نہیں چلتا رہ جاتیں جو ہمیں بھی توجی اس کا بہلتا

دروازہ پہ تیار سواری تو کھڑی ہے

پر اب تو مجھے جان کی صغرا کے پڑی ہے

چلاتی تھیں کبریٰ کہ بہن آنکھیں کھولو کہتی تھیں سیکہ کہ ذرا اس منہ سے تو بولو

ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلیں تو ہولو چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو

تم جس کی ہوشیدا وہ برادر نہ ملے گا!

گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا!

(رسالہ نور مراد آباد ص ۱۲ محرم نمبر ۳۵ھ)

حضرت عباس کا بیٹیوں کو سوار کرنا:

حضرت امام حسین علیہ السلام کا حکم پانے کے بعد حضرت عباس نے سواریاں دولت سرا

کے قریب پہنچائیں اور بیسیوں کو سوار کرنا شروع کیا۔

فاضل معاصر لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی ہاشم میں سے ہر شخص اپنی اپنی عزیز اور محرم بنی کو کھل میں سوار کرے۔ ناگاہ ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ اور آواز دی۔ سب اس جگہ سے ہٹ جائیں اس کے بعد دو برقعہ پوش بیبیاں تشریف لائیں۔ ان کے چاروں طرف کنیریں حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ وہ نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ کھل کے قریب پہنچیں۔ اس ماہر و جوان نے اونٹ کو بٹھایا اور اپنا زانو خم کر کے ایک معظّمہ کو سوار کیا۔ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے ایک معظّمہ کو سوار کیا۔ جو انتہائے سکون و وقار کے ساتھ کھل کے قریب پہنچی تھیں۔ استفسار حال پر معلوم ہوا کہ ایک معظّمہ حضرت زینب اور دوسری ام کلثوم تھیں۔ اور جوان ماہر و حضرت عباس تھے۔ (سلسلہ الذہب صفحہ ۱۱۴ طبع لکھنؤ ۱۳۲۲ مظلومہ کربلا صفحہ ۲۹)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ سواری کے لئے وہ بیبیاں نکلیں "لسم تری الوجوه شمس النهار ولسم تنظر الیہن عیون الانجم والاقمار" جن کے چہروں کو آفتاب نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اور جن کی صورتوں پر چاند اور ستاروں نے بھی نظریں نہ ڈالی تھیں۔ جب وہ سوار ہونے لگیں تو علی اکبر نے دوڑ کر پردہ کھل کو اٹھایا۔ قاسم نے ریر پا کر سی رکھی۔ "عباس آمد زانو تہ ہی کرو۔ زینب پایہ زانوئے عباس میگذاارد" عباس نے زیر پائے حضرت زینب اپنے زانو پر رکھے۔ آپ سوار ہوئے نکلیں۔ حضرت امام حسین نے حضرت زینب کے زیر بغل ہاتھ دے کر سوار کر دیا۔ (ریاض القدس صفحہ ۲۱۲)

### اہل بیت کی سواری کا تزک و احتشام:

علامہ درہندی لکھتے ہیں کہ عبید اللہ ابن سنان کو فی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام حسین علیہ السلام سفر کر رہے تھے میں بھی سرزمین مدینہ منورہ پر موجود تھا۔ میرے دل میں آیا کہ چلوں شاہ حجاز کی سواری کا تزک و احتشام دیکھوں۔ چنانچہ میں موقعہ پر آ گیا اور دیکھا کہ گھوڑوں پر زین کئے ہوئے ہیں۔ لوگ مستعد کھڑے ہوئے ہیں اور تاجدار مدینہ منورہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور بنی ہاشم انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ امام حسین ان لوگوں میں اس طرح معلوم ہوتے تھے جیسے ہالہ میں چودھویں رات کا چاند ہو۔ اور چالیس محملیں حریر و دیبا سے آراستہ موجود ہیں۔ حضرت امام حسین نے حکم دیا کہ اے بنی ہاشم اپنے اپنے محارم کو کھل میں سوار کرو۔ "فبیئتما انظر الی الشاب قد خرج من دار الحسین وهو راوہل القامت" اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک ماہر و خوبصورت طویل القامت جوان دولت



سراسر برآمد ہوا اور سب لوگوں کو مخاطب کر کے بولا ”تھخو اعنی“ تم سب لوگ ہٹ جاؤ۔ علی اور فاطمہ کی بیٹیاں سوار ہو رہی ہیں۔ پھر میں نے دور سے دیکھا کہ دو بیٹیاں دولت سراسر برآمد ہوئیں۔ ان کے برقعوں کے کنارے زمین سے گھسٹتے جا رہے تھے۔ اور بہت سی ماماں ان کو گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ ایک محل کے قریب جا کر ٹھہر گئیں۔ جو ان نے اپنے گھٹنے راست کر دیے۔ وہ اس کے ذریعے سوار ہو گئیں۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ چادر (برقعہ) میں لپٹی ہوئی یہ دو بیٹیاں کون تھیں؟ جو سوار ہوئیں اور اس جو ان کا کیا نام ہے اس نے کہا۔ علی و فاطمہ کی یہ دونوں بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام زینب اور دوسری کا نام ام کلثوم ہے۔ اور جو ان عباس بن علی ہیں۔ پھر میں نے دو کس عورتوں کو برقعہ میں دیکھا۔ ایک حضرت زینب کے ساتھ اور دوسری ام کلثوم کے ساتھ سوار کر دی گئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیکینہ بنت حسین اور دوسری فاطمہ بنت حسین ہے پھر ایک جو ان بدر طالع کی طرح نکلا۔ اس کے ساتھ ایک بی بی تھیں جو ایک بچہ لئے ہوئے تھیں۔ ان کے گرد بھی کثیر عورتیں تھیں۔ دریافت سے پتہ چلا کہ وہ جو ان تو علی اکبر ہیں اور ان کے ساتھ ان کی مادر گرامی اور بچہ حضرت علی اصغر ہیں۔ پھر ایک اور خوبصورت نوخیز فرزند برآمد ہوا جن کے ساتھ ایک بی بی تھیں۔ معلوم ہوا کہ فرزند خوبرو حضرت امام حسن کے نور نظر قاسم بن حسن ہیں اور ان کے ساتھ جو بی بی ہیں ان کی مادر گرامی ہیں ”ثم اركبو بقیة الحسرم والاطفال علی المحامل“ غرض کہ اسی طرح تمام حرم محترم اور بچوں کو محلوں میں سوار کیا گیا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۶۶ طبع ایران) تمام بیٹیاں سوار ہو گئیں۔ اب امام چاہتے ہیں کہ خود سوار ہوں۔ اتنے میں تمام بنی ہاشم کی عورتیں جو کھڑی رو رہی تھیں امام حسین کے گرد جمع ہو گئیں اور فلک شکاف نعرے بلند کرنے لگیں۔

علامہ ابن قولویہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب ان کا یہ اضطراب دیکھا تو فرمایا ”انشد کس اللہ“ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں صبر سے کام لو۔ انہوں نے ایک زبان جواب دیا ”فلنمن نستبقی النیاحۃ والبقا“ ہم کس دن کے لئے نوحہ و بکاٹھا رکھیں۔ ہماری نظر میں تو آج رسول اللہ ﷺ امیر المومنین فاطمہ زہرا حسن مجتبیٰ نے انتقال کیا ہے۔ مولاً آپ کا جانا ہمارے لئے بڑی مصیبت ہے۔ (کامل الزیارات قلمی) سیف المقلدین مصنفہ عبدالخلیل یوسف زئی۔ صفحہ ۲۵۵ طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ

حسینی فرس کی رکاب عباس کے ہاتھ میں:

امام علیہ السلام سب کو سمجھا بھجا کر سوار ہونے کے لئے آگے بڑھے اور بایں الفاظ

حضرت عباس کو پکارا ”ابن اخی کش کہنتی قبر بنی ہاشم“ میرا قوت بازو میرے لشکر کا مالک قبر بنی ہاشم کہاں ہے۔ ”فاجابہ العباس قاتلا لیک لیک“ مولا آپ کا غلام حاضر ہوا۔ حاضر ہوا۔ کہتے ہوئے پہنچ گئے۔ عرض کی حضور کیا حکم ہے۔ ”فقال الامام قدم لی یا اخی جوادی“ بھائی میری سواری کا گھوڑا لاؤ۔ ”فاتی العباس بجواد الیہ وقد حفت به بنو ہاشم“ آپ نے فوراً فلک سیر گھوڑا حاضر کیا۔ تمام بنی ہاشم کے جھرمٹ میں امام علیہ السلام سوار ہونے لگے۔ ”فأخذ العباس بركاب الفرس حتی ركب الامام“ حضرت عباس نے فوراً قباب فرس تھام لی اور بادشاہ دو عالم رونق افروز زین فرس ہوا۔ ”ثم ركب بنو ہاشم“ پھر بنی ہاشم بھی سوار ہو گئے (اکسیر العبادات صفحہ ۳۶)۔ بنی ہاشم کا سوار ہونا تھا کہ اہل مدینہ منورہ نے فلک شکاف ناے شروع کر دیے۔

فصاح اهل المدينة شديدة وعلت اصوات بنی ہاشم یا البكاء والنحيب وقلن الوداع الوداع والفراق الفراق فقال العباس ای واللہ هذا يوم الفراق والسملفتی يوم القيامة. (سرا ر شتہارات ص ۳۶۷)

پھر اہل مدینہ منورہ چلا چلا کر رونے لگے اور عورت بنی ہاشم کی صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ وہ سب کہنے لگیں۔ الوداع، الوداع، الفراق، الفراق، یہ سن کر حضرت عباس نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم آج جدائی ہو رہی ہے اور اب قیامت میں ہی ملاقات ہو سکے گی۔

غرض کہ صدائے الرخیل الخیل بلند ہوئی اور اہل بیت رسالت کا قافلہ روانہ ہو گیا۔ صاحب خلاصۃ المصاب لکھتے ہیں۔

فلما اراد المير تبعتہ فاطمة الصغرى السی ظاہر المدينة فقیل باسن رسول فاطمہ تجی خلفك باکیہ و تقول لا افارق ابی فبکی الحسین

جب یہ قافلہ چل کھڑا ہوا تو فاطمہ صغریٰ روتی ہوئی مدینہ منورہ کے باہر تک چلی آئیں۔ کسی نے حضرت امام حسین سے کہا۔ مولا فاطمہ صغریٰ یہ کہتی ہوئی چلی آتی ہیں کہ میں اپنے باپ کو نہیں چھوڑ سکتی اور نہ جدائی میں صبر کر سکتی ہوں۔

یہ سن کر امام حسین علیہ السلام رونے لگے اور صدائے گریہ وزاری اہل حرم کے کجاؤں سے بھی بلند ہوئی۔ حضرت امام حسین نے حضرت عباس اور حضرت علی اکبر سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ میری نحت جگر کو میرے پاس لے آؤ۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور فاطمہ صغریٰ کو سینے سے لگایا اور بے پناہ گریہ کے بعد فرمایا۔ چلو تمہارے بابا جان بلا رہے ہیں۔ ”فسرت بذلك

سرورِ اعظیما“ یہ سن کر فاطمہ صغریٰ بہت مسرور ہوئیں اور خدمتِ پدر میں حاضر ہو گئیں۔ اور دوڑ کر قدحوں سے لپٹ لگیں۔ پھر دامنِ تھام کر کہنے لگیں۔ ”یا ابی کیف بعد کم اری منا ذلکم خالیۃ ولم یوی فیہا انیس“ بابا جان میں آپ کے دولت سرا کو خالی اور خوابگاہ کو سونی دیکھ کر کیسے صبر کروں گی۔

فلما اھا الحسین فی اسوۃ حال  
رفع راسہ الی السماء و مدیدہ و  
مرک شفتیہ (وقال) یا فاطمہ  
اذہبی الی دارک فاذا وصلت الی  
العراق ارسل الیاس اخاک علی  
الاکبر او عملک العباس ۳۱ ص ۶۵ عباس کو بھیجوں گا۔

امام حسین علیہ السلام نے جب فاطمہ صغریٰ کا حال دگرگوں دیکھا تو ہاتھ اٹھا کر کچھ دعا فرمائی۔ اور کہا اے فاطمہ اب اپنے گھر کو جاؤ۔ میں جب عراق پہنچ جاؤں گا۔ تو تمہیں لے جانے کے لئے تمہارے بھائی علی اکبر یا چچا

غرض کہ امام حسین علیہ السلام نے وعدہ کی تجدید کی اور سواری روانہ ہو گئی۔ یہ روایت ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو مکمل میں آئی۔ سرفروشان اسلام اور بہادرانِ ذوالاحترام صبر و رضا کی منزلیں طے کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ مسلم بن عقیل نے کچھ سوچ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو شائع عام سے کچھ ہٹ کر چلنے کا مشورہ دیا۔ حضرت نے فرمایا ”واللہ ما فارقنا ہذا الطریق ایدا“ اللہ تعالیٰ کی قسم میں ابنِ زبیر کی طرح عام راستہ چھوڑ کر نہ چلوں گا۔ (مقتل ابی محنف)

حضرت عباس کی شانِ علمبرداری:

عبد اللہ ابنِ شان کوئی کا بیان ہے کہ جب حسینی قافہ منزل تسلیم و رضا طے کرتا ہوا مکہ معظمہ کی جانب جا رہا تھا۔ تو حضرت عباس علیہ السلام گھوڑے پر سوار علم اسلام ہاتھ میں لئے آگے آگے سینہ سپر چل رہے تھے۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۶ طوفانِ بکا شعلہ ۳)

مکہ معظمہ میں رسیدگی:

مختصر یہ کہ منزلیں طے کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ۳ شعبان ۶۰ھ یوم جمعہ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ ماہ شعبان ماہ رمضان شوال ذیقعدہ مکہ معظمہ میں مقیم رہے (ناح التوارخ ج ۲ صفحہ ۲۱۰) اور

۱۔ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ حسب ذیل کتابوں سے بھی حضرت فاطمہ صغریٰ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔  
(۱) در اصداف (۲) روضۃ الجناب (۳) ناح التوارخ (۴) بحار الانوار (۵) جلاء النجون (۶) فضائل الشہداء (۷) تاریخ احمدی (۸) سیدہ کلال (۹) اسعادت الارغین (۱۰) غرۃ اقبالیہ (۱۱) ناخین (۱۲) مطاب الکرامۃ (۱۳) علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب موازنہ انیس و دیر طبع آ کر ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت صغریٰ امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ جن کو امام مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ تاریخ

عبداللہ بن زبیر جو پہلے سے مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے (تاریخ کامل ج ۴ صفحہ ۷۷) اور جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت امام حسین ان سے ہٹ کر قیام فرما ہوئے اور ان کے شریک نہ ہوئے۔ (محرم نامہ صفحہ ۱۳۲) ۵۱ دوران میں کوفہ سے تقریباً ۱۲ ہزار خطوط آئے اور صرف ایک دن میں چھ سو خطوط آئے۔ (ومعہ سا کہ ص ۳۰۷) جو ہر طبقے اور ہر جماعت کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ شاہ عبد العزیز دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ اپنی کتاب سرالشاہدین طبع لدھیانہ کے ص ۷۷ پر لکھتے ہیں۔ ”من کل طائفہ و جماعۃ“ یہ خطوط ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے آئے تھے۔ الخ

**کوفہ کے خطوط کا مضمون:**

یا بن رسول اللہ ﷺ! ہم بنی امیہ کے ظلم و ستم سے عاجز ہو گئے ہیں اور یزید کی بد کاریوں اور خلاف شریعت اعمال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ یہاں تشریف لا کر ہماری امامت قبول کیجئے۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیش اللہ تعالیٰ گریبان گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کی نظر سے بلایا اور آپ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے خط پہنچے تو آپ پر کوفہ جانا واجب ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے حجت قائم کر دی۔ (تاریخ اسلام ج ۴ صفحہ ۳۰۷)

علامہ ابواسحاق اسفرانی لکھتے ہیں کہ ”ایک دن جناب امام حسین علیہ السلام اپنے دولت کدہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوفہ سے ایک آنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ جواب دیا کوفہ کا کچی۔ آپ نے اذن حضوری دی۔ وہ اندر آیا۔ اور ایک خط پیش خدمت کیا۔ آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ اس میں لکھا تھا ”اے حسین! اے رسول اللہ ﷺ کے نواسے! آپ کو معلوم ہو گا کہ یزید بن معاویہ نے ظلم اور جور سے بیگانہ ہوں کو قتل کرنا اور لوگوں کے اموال کو لوٹنا شروع کر رکھا ہے۔ اور سرکشی و تمرد کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ ہر طرف اس کا ظلم پھیل گیا ہے۔ بری باتوں کا حکم کرتا اور اچھی باتوں سے روکتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے۔ تمام شہروں میں برائیوں کو پھیلاتا ہے۔ ظلم و جور خدا کے بندوں پر کرتا ہے عدل نہیں کرتا۔“

”ارسلنا الیک یا ابا عبد اللہ سابقاً نحو الف کتاب نطلبک ان لغفرنی عندنا“ اے ابو عبد اللہ! ہم اس سے پہلے آپ کی خدمت میں ایک ہزار کے قریب خطوط ارسال کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی تشریف آوری کے لئے عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں..... ہم آپ کے جد امجد کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ تشریف لائیں۔ دیکھئے! اب بھی اگر آپ نہ آئے تو ”بین یدی اللہ خاصمناک و نقول یا ربنا ظلمنا الحسین و رضی بنا بالظلم ما جوابک الذی بقولہ للہ و تنخلص بر من حقوق اللہ“ ہم اللہ تعالیٰ کے

سامنے آپ کا گریبان پکڑ کر کہیں گے۔ اے اللہ تعالیٰ امام حسینؑ نے ہم پر ظلم کیا اور ہم پر ظلم ہونے میں راضی رہے۔ اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اور کیونکر چھکارا حاصل کریں گے۔ ”فلما قرأ الحسين المکتوب اقصع جلدہ خوفاً من اللہ“ امام حسینؑ نے جس وقت اس مضمون کا خط پڑھا خوف اللہ تعالیٰ سے کانپ اٹھے (نور العین فی مشہد الحسین)

غرض کہ امام حسینؑ نے اپنی شرعی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد کوفہ جانے کو طے فرمایا اور ایک خط لکھ کر حضرت مسلم بن عقیلؓ کے سپرد کیا، اور فرمایا بھائی کوفہ جاؤ اور یہ خط دے کر وہاں کے حالات سے مجھے باخبر کرو۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ حکم مولا پاتے ہی فوراً روانہ ہو گئے۔ پہلے مدینہ منورہ تشریف لائے سرور کائنات ﷺ کے روضہ مبارک سے رخصت ہوئے۔ (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۶۱ طبع بمبئی)

**مکہ معظمہ میں امام حسینؑ کے قتل کی کوشش:**

جناب مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد ہی حج کا زامہ آ گیا۔ حضرت امام حسینؑ نے احراج باندھا۔ اور حج میں مشغول ہوئے۔ ناگاہ آپ کو اطلاع مل گئی کہ تیس دشمن حاجیوں کے لباس میں میرے قتل کے لئے آگئے ہیں تو آپ نے حج کو عمرہ سے بدل دیا اور مکہ معظمہ کو جلد سے جلد چھوڑ دینا ضروری سمجھا۔

لسان الملک سحر کاشانی لکھتے ہیں ”یزید ابن معاویہ نے بنی امیہ کے تیس شیطانوں کو حج بیت اللہ کے بہانے سے مکہ معظمہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر امام حسینؑ کو گرفتار کر لیں اور اگر گرفتار نہ کر سکیں تو پھر قتل کر ڈالیں۔ (ناخ التوارخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۰) کتاب خلاصۃ المصاب مطبوعہ ۱۲۹۳ھ کے صفحہ ۵۰ پر ہے۔

یزید نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ عمر بن سعد کو حج کے بہانہ سے بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ امام حسینؑ کو مناسب طریقہ سے گرفتار کر لے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر گرفتار نہ کر سکے تو دھوکہ سے قتل کر دے۔ پھر اس کے بعد تیس شخصوں کو بنی امیہ کے شیطانوں میں سے بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسینؑ کو قتل کر دیں حالات دیکھ کر امام حسینؑ نے

ان یزید انفذ عمر بن سعد فی عسکر عظیم وامره علی الحجاج کان قد اوصاه بقبض الحسین سراوان لم یتمکن یقتله غیلہ ثم انه لعنہ اللہ دس مع الحجاج ثلاثین رجلا من شیطا طین بنی امیہ وامرهم بقتل الحسین علی کل حال اتفق لہذا لخرج من مکہ بعد ان طاف

وسعیٰ: حل من احرامہ و جعل  
 حجۃ: عمرۃ منفردہ الخ (ومعہ  
 ساکبہ صفحہ ۳۱۵ بحوالہ منتخب  
 طریحی۔ مہیج الاثران ص ۴۵)

عبارت مذکورہ سے پتہ چلتا ہے کہ یزید نے کثیر آدمی حضرت امام حسین کی گرفت یا قتل  
 کے لئے بھیجے تھے عبدالحمید خاں ایڈیٹر رسالہ ”مولوی“ دہلی لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سازش  
 یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا کہ وہ گروہ جاج میں شامل ہو جائیں اور جہاں  
 جس حال میں بھی حضرت امام حسین کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ (شہید اعظم ص ۷۱)

قاضی قسطنطین علامہ شیخ سلیمان قدوسی تحریر فرماتے ہیں کہ ”وکان فیہ خروج  
 الحسین من مکة الى العراق بعد ان طاف وسعی وحل من احرامہ وجعل حجۃ  
 عمرۃ منفردۃ لانه لم يتمكن من اتمام الحج مخافة ان يبطش به ويقع الفساد في  
 الموسم في الملكة لان يزيد ارسل مع الحجاج ثلاثين رجلا من شياطين بني  
 امیہ و امرهم بقتل الحسین علی کل حال“ امام حسین علیہ السلام نے طواف اور سعی کے  
 بعد احرام کھول کر حج کو عمرہ منفردہ سے بدل کر مکہ معظمہ سے عراق کو روانہ ہو جانا اس لئے ضروری  
 سمجھا کہ ان کے لئے حملہ کے خوف اور مکہ معظمہ میں قتل و غارت کے ڈر سے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حج  
 کو اتمام تک پہنچاتے۔ اس لئے کہ یزید نے بنی امیہ کے تیس بد معاشوں کو حاجیوں کے ساتھ مکہ  
 معظمہ بھیج دیا تھا۔ اور ان کے لئے یہ حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسین علیہ السلام کو قتل  
 کریں۔ (ریاض المودۃ ص ۲۳ طبع مصر)

امام حسین علیہ السلام کی مکہ معظمہ سے روانگی:

آپ مدینہ منورہ سے نکالے جا چکے ہیں اور مکہ معظمہ میں بھی یزیدی احکام کی بناء پر  
 اپنے قتل اور بربادی حرمت خانہ کعبہ کا یقین کال کر رہے ہیں۔ اب آپ کو حرمت خانہ کعبہ اور  
 ”لا تعلقوا بایدیکم الی التہلکۃ“ اپنے کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کے لحاظ سے مکہ  
 معظمہ چھوڑ کر کسی طرف چلا جانا ضروری ہے۔ اب حسین جائیں تو کدھر جائیں اور جان بچائیں تو  
 کیونکر بچائیں۔ اور پناہ لیں تو کہاں لیں نہ کسی نے آپ کی خبر گیری کی اور نہ کوئی دعوت نامہ بھیجا۔  
 اب آپ کے سامنے ایک کوفہ کا راستہ ہے جس کی طرف رہبری پر آپ شرعاً مجبور تھے۔ اور اصولاً  
 بھی۔ بارہ ہزار دعوت نامے اور ان میں یہ لکھا ہوا ہونا۔ کہ اگر آپ نہ آئے تو ہم قیامت میں

گر بیان گیر ہوں گے اور ہماری ہدایت کیجئے امام حسین علیہ السلام کو مجبور کرنا تھا۔ کہ آپ کو فہ کی طرف ہی چل پڑیں۔

چنانچہ آپ نے اپنی ”پوری نیک نیتی اور ثواب تقویٰ کی امید میں عزم بالجزم کر لیا۔“ (انسانیت موت کے دروازے پر ابوالکام آزاد ص ۴۵) آپ کے مصمم ارادے کی اطلاع باشندگان مکہ معظمہ میں گونج اٹھی اور لوگ آپ کی خدمت میں اس ارادے سے آنے لگے کہ آپ کو سمجھا بجھا کر ارادہ سمر عراق سے روکیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ان حضرات کو مناسب جواب دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی امیہ میرے قتل کے درپے ہیں۔ میں کہیں بھی جاؤں کہیں بھی رہوں بنی امیہ مجھے ضرور قتل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے قتل ہونے سے حرمت خانہ کعبہ برباد ہو (نیایح المودۃ ص ۲۳۷) میں اگر چیونٹی کے بل میں بھی گھس جاؤں تو بھی پناہ نہ پاؤں گا۔ ”ایم اللہ لو کنت فی حجر ہامۃ من ہذہ الہوام لا استخر جونی حتی یقتضوا بی حاجتہم“ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر ان زمین میں بسنے والوں میں سے کسی کے بھٹ یا بل یا سوراخ میں روپوش ہو جاؤں تب بھی جان نہ بچے۔ یہ دشمن مجھے وہاں سے بھی ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اور اپنا دل ٹھنڈا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں خانہ کعبہ میں قتل سے خانہ کعبہ کے باہر چاہے ایک ہی بالشت کی دوری کیوں نہ ہو اسے خاص خانہ کعبہ میں قتل سے بہتر جانتا ہوں اور کعبہ سے جتنی دوری پر قتل ہوں وہی میرے لئے بہتر ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۲ طبع مصر) ”واللہ لا یدعونی حتی یستخروا ہذہ العلقۃ من اجونی الخ“ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ لوگ جب تک میری جان نہ لیں گے دم نہ لیں گے۔

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۰)

حضرت محمد حنفیہ کو چونکہ امام حسین علیہ السلام کا زیادہ درو تھا۔ لہذا وہ بار بار دوڑ کر آتے اور آپ سے التجا کرتے کہ سمر عراق بابتوی کر دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے۔ ”یا اخی انی اخشی ان تقتلنی جنود بنی امیہ فی مکۃ فاکون کالذی تستباح دمہ فی حرم اللہ“ اے بھائی میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں امیہ کے درندے مجھے خانہ کعبہ میں نہ پھاڑ کھائیں۔ اور میں ہی وہ ذنب قرار پاؤں جس سے حرمت خانہ کعبہ خراب ہونے کی خبر نانا دے گئے ہیں۔ (نیایح المودۃ ص ۲۳۷ صواعق محرقہ ص ۱۱۷) امام حسین کے جواب کے بعد بھی محمد حنفیہ کمال خلوص کی وجہ سے برابر اصرار کرتے رہے ہیں۔ بروایت حضرت امام حسین نے فرمایا کہ اچھا میں غور کروں گا۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۱۶) علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل لکھتے ہیں کہ امام حسین کو سمجھانے میں ابن عباس نے بھی کافی مبالغہ سے کام لیا تھا اور سمجھانے کے تمام پہلو اختیار کئے تھے آپ نے

یہ بھی کہا تھا کہ ابن زبیر آپ کے چلے جانے سے دلیر ہو جائے گا۔ اور اس کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ (کتاب انھض طبع مصر ص ۳۱۶)

دو ایک راتیں گزریں۔ یہاں تک کہ ۸ ذی الحجہ ۶۱ھ یعنی کوچ کی رات آ گئی۔ آپ نے اصحاب کو جمع کیا اور ایک زبردست خطبہ دیا۔ جو حمد اللہ تعالیٰ و نعت رسول اللہ ﷺ اور آئندہ آنے والے واقعات پر مشتمل تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ کہا گیا تھا ”جو شخص راہ اللہ تعالیٰ میں جان قربان کرنا چاہے موت کا مشتاق اور لقاء الہی کا شائق ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ صبح یہاں سے کوچ کروں گا۔ زان بعد حضرت عباس علیہ السلام کو حکم دیا کہ سامان سفر درست کر دو اور اسباب سفر فراہم کر کے تیار ہو جاؤ۔

رات کا نور ہو گئی۔ نور کا ترکا ہوا۔ حکم امام علیہ السلام سے سواریاں گنی جانے لگیں۔ ناگاہ امام حسین کے خیر خواہ عبداللہ ابن جعفر اور محمد حنفیہ وغیرہما کو خبر ہوئی۔ دوڑے ہوئے آئے اور عرض کی مولانا جائیں۔ عراقی بے وفائیں۔ آپ نے عبداللہ کے جواب میں فرمایا ”انسی دایست و یارائیت فیہا رسول اللہ و امرت فیہا بامرانا ما ضلہ الخ“ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے ایک امر کا حکم دیا ہے اور میں اسے کئے بغیر نہ رہوں گا۔ (تاریخ طبری ص ۲۸۰ و تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۱) محمد حنفیہ آگے بڑھے اور عرض کی بھائی کوفہ کی طرف نہ جائیں۔ یہ لوگ اہل غدر و مکر ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہیں قیام کیجئے۔ امام حسین نے فرمایا۔ اے بھائی مجھے یہ خوف و اندیشہ ہے کہ یہ ظالم بنی امیہ کہیں مجھے مکہ معظمہ ہی میں نہ قتل کر ڈالیں اور میرا خون بہنے سے مکہ معظمہ کی حرمت برباد ہو جائے۔ محمد حنفیہ نے عرض کی تو بہتر یہ ہے کہ حضور یمن تشریف لے جائیں۔ حضرت امام حسین فرماتے ہیں۔ کہ بھائی اگر میں کسی پتھر کے سوراخ میں بھی سما جاؤں تب بھی یہ ظالم مجھے نکال لیں گے اور قتل کریں گے (ناموس اسلام ص ۱۱۳) پھر محمد حنفیہ نے غور و خوض کا حوالہ دیتے ہوئے مہارتقام کر عرض کی بھائی اتنی جلدی کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ ہم غور کریں گے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ بس تمہارے جانے کے بعد رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ نا نار رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ مجھے سینے سے لگاتے ہیں۔ آنکھوں کو چومتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے میرے قرۃ العین۔ میرے نور نظر حسین بس جلدی کرو۔ عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ محمد حنفیہ یہ سن کر رو پڑے اور عرض کی بھائی اگر یہی بات ہے کہ آپ کو ضرور شہید راہ الہی ہونا ہی ہے تو پھر ان اہل بیت اطہار۔ ان بیسیوں کو کیوں ساتھ لئے جا رہے ہیں۔ فرمایا ان کے بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہے۔ (ناموس اسلام بحوالہ مقتل ابی مخنف)



ڈاکٹر میسور مائیں جرمنی فلاسفر اپنے رسالہ ”سیاست اسلامیہ و فلسفہ شہادت حسین“ میں لکھتا ہے حسین اپنے دوستوں سے جو انہیں اس سفر عراق سے ممانعت کرتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان مانع لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسین کے مقاصد عالیہ پر انہیں اطلاع نہ تھی اس لئے وہ سفر سے ممانعت میں اصرار کرتے تھے۔ جس کا آخری جواب حسین کی طرف سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے اور میرے نانانے مجھے یہی حکم فرمایا ہے۔ اور جب وہ یہ اصرار کرتے تھے کہ آپ مقتول ہونے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں تو آپ ان کو یہی جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے میرے عیال اسیر ہوں ”حسین کے یہ کلمات اس وقت جو روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے۔ لا جواب تھے۔ یعنی کسی کو بجال دم زدن نہ تھی۔“

غرض کہ امام حسین علیہ السلام حرمت خانہ کعبہ کو پہچانے اور تبلیغی حجت تمام کرنے کے لئے یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ سے بارادہ کوفہ روانہ ہو گئے۔

(تاریخ التواریخ بخاری کا مل۔ ج ۴ صفحہ ۲۰)



## کوفہ!

کوفہ اور بصرہ یہ دونوں شہر عہد خلافتِ ثانیہ کے ایسے میں ملکی ضروریات، حفاظت، سرحدات کے خیال سے فوجی مقام اور چھاؤنی کی حیثیت سے آباد کئے گئے تھے۔ خلیفہ دوم کے حکم سے بصرہ کو عقبہ بن ولید اموی نے بسایا اور وہی وہاں کنٹونمنٹ مجسٹریٹ اور حاکم مقرر ہوا۔ اور کوفہ کو سعد بن ابی وقاص نے آباد کیا اور وہی وہاں کا گورنر رہا۔ کوفہ پر مشتری مستولی ہے۔ اور اس کا عرض البلد ۳۳ درجہ اور طول البلد ۱۲ ۴۲ درجہ ہے اور اس کی آبادی بقولے کر بلائے معلیٰ سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔

کوفہ کی ساری زندگی دشمنانِ اہل بیت اور ہوا خواہان بنی امیہ کے ماتحت گزری۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کی آبادی ہمیشہ خاندانِ رسالت ﷺ کے خون پینے والوں سے جھلکتی رہی۔ اور اسی لئے ۶۰ھ میں امام حسین کو دعوتِ تبلیغ دے کر کوفہ میں بلانے اور وہیں قتل کر دینے کا خفیہ اور سازشی پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں ان معدودے اشخاص کو بھی فریب سے شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو امام حسین کے دوستداران میں سے تھے۔ مگر ان پر جب ان خوخیاروں کی دھوکا دہی کا حال حضرت مسلم بن عقیل کے قتل سے بے نقاب ہو گیا تو یہ لوگ کربلا کی جانب دوڑے اور حسین کے قدموں پر رثار ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر لی۔ جیسے سعید اور زہیر جو نہ جاسکے وہ کوفہ میں ہی قتل ہو گئے جیسے ہانی بن عروہ وغیرہ۔

اب ہم ذیل میں اپنے محترم دوست جناب مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی کی وہ عبارت من و عن نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب اظہارِ حقیقت کے صفحہ ۵۴ سے ۵۸ تک تحریر فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ عہدِ خلافتِ امیر المؤمنین میں بنی ہاشم و خاندانِ رسالت ﷺ کو ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے شیعہ اثرات عراق میں کسی حد تک موجود تھے جن کے مٹانے کے لئے معاویہ نے بڑی کوششیں کیں۔ بسر بن ارطاة زیاد بن سمیہ ایسے ظالموں کو عراق پر مسلط کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے چن چن کر شیعیان علی کو قتل کر ڈالا۔ خاص شہر کوفہ کی یہ حالت تھی کہ وہاں سوائے دو جانوں کے تمام شیعوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عبید اللہ ابن زیاد نے قافرا و احسان کے جذبہ میں ہانی بن عروہ

شیعی سے یہ کہا تھا کہ:

یا ہانی ماتعلم ان ابی قدم هذا البلد  
فلم تترك احداً من هذه الشيعة  
الا قتله غير ابيك و غيره حجير  
تاریخ طبری صفحہ ۲۴۵ طبع لندن  
اے ہانی کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا باپ زیاد  
جب یہاں حاکم ہو کر آیا تھا تو اس نے یہاں  
ایک شیعہ بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا سوائے  
تمہارے باپ (عروہ) اور حجر کے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ میں بزمانہ معاویہ شیعوں پر جو تباہی آئی اس کے بعد یہاں  
صرف دو شیعہ رہ گئے تھے۔ معاویہ اور اس کا شیر عمر و عاص جو دہات عرب کے مشہور افراد میں ان  
کی نگاہیں کوفہ کی سی اہم چھاؤنی پر بھی تھیں۔ صلح امام حسن کے بعد اس چھاؤنی پر پورا پورا قبضہ کیا گیا  
تھا دمشق کی مرکزی چھاؤنی کو مضبوط بنانے کی اب ضرورت نہ تھی بلکہ مملکت شام کی پوری طاقت کو  
کوفہ میں تبدیل کر دینا ہی اصل سیاست تھی۔ چنانچہ سرزمین شام کی فوج کا ہیڈ کوارٹر بھی اب کوفہ ہی  
ہو گیا تھا اسی بناء پر حدود ممالک اسلامی میں جہاں نہیں بھی بغاوت رونما ہوتی تھی اس کو فرو کرنے  
کے لئے کوفہ سے ہی فوج روانہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ عمر بن سعد خود بھی واقعہ ہائلہ کے بلا سے پہلے چار  
ہزار کی فوج لے کر قبیلہ ولیم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ملک عجم جانے ہی والا تھا کہ مقام ”حمام  
العین“ سے واپس بلا کر قتل حسین کے لئے اسے مامور کیا گیا۔ کربلا میں عمر بن سعد جس فوج شامی کا  
سر دار تھا دراصل اس میں خاص باشندگان کوفہ کی تعداد بہت کم تھی اور جو تھے بھی وہ شامی فوج سے  
نکل کر امام حسین علیہ السلام کی طرف آ گئے تھے۔ چنانچہ منتخب تاریخ الاسلام ذہبی میں ہے۔

(ترجمہ) ذہبی کہتے ہیں کہ عمر بن سعد کی فوج میں تیس آدمی خاص کوفہ کے بھی تھے۔ ان لوگوں  
نے عمر بن سعد سے کہا۔ فرزند دختر رسول آئیں باتیں پیش فرما رہے ہیں اور تم ان میں سے کسی کو بھی  
قبول نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر یہ لوگ امام حسین کی طرف چلے آئے اور حضرت کی محبت میں جنگ کی۔  
صاحب منتخب کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ جس فوج نے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کی  
وہ اصل کوفہ (باشندگان کوفہ خاص) کی فوج نہ تھی۔ اور اس فوج میں سوائے ان تیس آدمیوں کے جو  
آخر کار امام حسین کے ساتھی تھے کوئی بھی خالص کوفی نہ تھا اور اس سے ہمارے گزشتہ قول کی تائید  
ہوتی ہے کہ یہ لوگ شعبیان خالص میں سے نہ تھے۔ جنہوں نے حضرت کو خط لکھا تھا منتخب تاریخ  
اسلام قلمی نمبر ۳۷۲ کتب خانہ ناصری ناظم ادارہ معلوم نہیں ”کوفی لوگوں“ سے کیا مراد لیتے ہیں۔  
کوفی کوئی قوم یا نسل یا ملت نہیں ہے جس کے لئے کوفی و شامی کی لائینی بحث کی جا رہی ہے۔ سنئے  
سرزمین عراق میں کوفہ ایک نوآبادی تھی جہاں مختلف قبائل سرزمین کے لوگ آ کر آباد ہو گئے تھے۔

یہ سب لوگ اس عہد کی اسلامی فوج کے سپاہی جن کا کام جنگ و جدال کرنا تھا۔ حکومت سے گھر بیٹھے تنخواہ پاتے تھے اور ضرورت کے وقت حکومت کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کا مذہب حکومت کا مذہب تھا۔ صحیح معنوں میں یہ لوگ دینی و دنیوی معاملات میں حکومت کی پیروی کرنے والے تھے۔ ملاحظہ ہو کوفہ کے متعلق شبلی کیا کہتے ہیں: ”غرض ۷۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ حیاج بن مالک کے زیر اہتمام عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے، شہر کی وضع اور ساخت کے لئے خود حضرت عمر کا حکم آیا تھا کہ شارع عام ۴۰، ۲۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷-۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چوتھرہ دے کر بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چار طرف دو در و در تک کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۶۹ مطبوعہ قومی پریس) آگے چل کر پھر لکھتے ہیں: جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور ترار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بحیلہ، تیم اللات، تغلب، بنو اسد، نخع و کندہ، ازد، مزینہ، یتیم و محارب و اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط، جھنیمہ، مذحج، ہوازن و غیرہ وغیرہ (الفاروق حصہ دوم ص ۷۰)۔

یہی نہیں بلکہ اس کی آبادی بڑھتی رہی۔ لکھتے ہیں۔

زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل ہوتے تھے (ص ۷۰) فوجی حالات کے ضمن میں آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

فوجوں کے لئے باریکیں تھیں، کوفہ، بصرہ، قسطنطینیہ، شہر تور اصل فوج کے قیام اور بودوباش کے لئے ہی آباد کئے گئے تھے۔

ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت معہ ساز و سامان تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آ جائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے۔ اے ایہ میں جزیرہ والوں نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۸۰) اس عبارت کے حوالہ میں شبلی نے یہ لکھا ہے:

تاریخ طبری صفحہ ۲۵۴ میں ہے ”كان لعمرو اربعة الاف فرس عدة لككون ان كان لشيعها في قبلة قصر الكوفة و بالبصرة نحو مها“ طبری کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ کی

بھی یہی حالت تھی کہ وہاں بھی ہر وقت ایسی فوج تیار رہتی تھی۔ پھر لکھتے ہیں۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی موجود رہتے تھے۔ الفاروق حصہ دوم ص ۸۳۔ یہاں بھی طبری کا حوالہ ہے طبری ص ۱۸۰۵ ”وكان بالكوفة اذ ذاك اربعون الف مقاتل“ پھر تحریر فرماتے ہیں۔

کوفہ، بصرہ، موصل، قنسطاط، حیرہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تارخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم فرائض سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی۔

حاشیہ پر شبلی لکھتے ہیں۔

آخر میں شبلی فرماتے ہیں:

”یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی۔ عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے معاویہ نے اس میں تبدیلی کی۔ یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹا دیا۔ (ج ۲۔ ص ۸۵)“

شبلی کے متذکرہ بالا تاریخی بیانات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کوفہ کی کیا حیثیت تھی۔ اور وہاں کون لوگ آباد تھے۔ اور اس عظیم الشان فوجی چھاؤنی میں کس قسم کی فوج رہا کرتی تھی۔ اس لئے قاتلان حسین کی فوج میں یہ تلاش کرنا کہ کتنے شامی یا عراقی و حجازی وغیرہ تھے۔ وہ بے سود ہے۔ دراصل یہ فوج عہد عمر کی تربیت یافتہ تھی جس سے امیر المؤمنین جناب علی ابن ابی طالب نالاں رہے۔ اور یہ فرماتے رہے کہ تم نے میرے دل میں ناسور ڈال دیا۔ (سج البلاغہ) جس نے امام حسنؑ کے ساتھ دغا کی اور امیر معاویہ کی مصیبت ہوئی۔ فوجی اعتبار سے جب سب سے بڑا مرکز یہی کوفہ تھا تو سر زمین شام کی فوج یہیں موجود رہی ہوگی جس سے حسین مظلوم کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اس صورت میں دمشق کی متعینہ فوج کو نقل و حرکت کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لئے دمشق میں فوجی بھرتی نہیں ہوئے۔ اور نہ وہاں سے کوئی تازہ دم فوج ہی آئی۔ لیکن یہ کہنا کہ کوفہ کی اتنی بڑی فوجی چھاؤنی میں شامی سپاہی نہ تھے۔ بچوں کی سی باتیں ہیں جن کو کوئی ہوش مند تسلیم نہیں کر سکتا۔ تاریخیں موجود ہیں۔ ان میں ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جب دار الخلافہ دمشق میں فوج کی ضرورت ہوئی کنز العمال جلد ۶۔ ص ۳۳۱ امام مالک نے موطاء میں ۳۰ ہزار کے بجائے چالیس ہزار کی فوج بیان کی ہے۔ الفاروق ج ۲۔ ص ۸۳

ہے تو کوفہ ہی سے شامی فوج گئی ہے۔ اظہار حقیقت صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۵۸ طبع لکھنؤ ۱۳۶۲ھ  
ناظرین کرام ابوالکلام آزاد اپنی کتاب (انسانیت موت کے دروازے پر) کے  
صفحہ ۳۹ پر لکھتا ہے کہ کوفہ میں اہل بیت کرام کے طرف داران کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر اسی کے  
ساتھ ساتھ صفحہ ۴۲ پر ابن عباس اور امام حسینؑ کی گفتگو کے سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ ”اگر آپ  
حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیں وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑیاں ہیں۔ ملک  
کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے۔ اسلحہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کوفہ  
میں اہل بیت کے طرف دار زیادہ ہوتے تو پھر ابن عباس کوفہ جانے سے منع کرتے ہوئے یمن  
جانے کا مشورہ نہ دیتے۔

تاریخ پکار رہی ہے کہ کوفہ کی اکثریت ہمیشہ خاندان رسالت ﷺ کی دشمن رہی۔  
بانی کوفہ سعد بن ابی وقاص نے حضرت علیؑ خلافت ظاہری کے موقع پر بھی آپ کی بیعت نہیں  
کی۔ جس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اسے جانے دو یہ حاسد ہے۔ (ابن قتیبہ ابن جریر اسد  
الغالبہ) پھر جب اسی بانی کوفہ کے بیٹے عمر بن سعد کا دور آیا تو اس نے حکومت رے کے وعدہ  
پر حضرت امام حسینؑ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور نائب یزید ابن زیاد ملعون کی فوج کا سپہ سالار بن کر  
حضرت امام حسینؑ سے لڑنے گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آباد ہونے کے وقت سے حضرت امام حسینؑ کے وقت تک  
تقریباً چالیس سال برابر کوفہ والوں نے ایسی آب و ہوا میں نشوونما اور پرورش پائی جو ہمیشہ سے  
آل محمد ﷺ کے لئے سخت مخالف اور ان کے خون کی پیاسی رہی۔ اس عرصہ میں خلافت ظاہریہ  
کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چار ساڑھے چار سال تک علیؑ کا تعلق کوفہ سے ضرور رہا لیکن ظاہر ہے  
کہ علیؑ کی چار سالہ حکومت اتنے لمبے تیس پینتیس سال کے اثر کو کیسے زائل کر سکتی تھی۔ اور اس چار  
سالہ زمانہ خلافت میں بھی علیؑ کے ساتھ جیسا کچھ محبت و اخلاص اطاعت و فرمانبرداری اور عقیدت  
مند کی کا سلوک کوفہ والوں نے کیا ہے وہ جنگ صفین اور تقرر حکمین وغیرہ جیسے واقعات و حالات پر  
نظر ڈالنے سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معاویہ اور عمرو عاص کی سازشوں اور چال بازیوں  
کے جال میں پھنس کر سونے چاندی کی جھلک سے چکا چونڈھ ہو کر یہ ایک دم عین جنگ کی حالت  
ہی میں ہتھیار ڈال دیتے تھے اور خود علیؑ کی مخالفت اور ان کے قتل پر آمادہ ہو جاتے تھے جو یقیناً  
معاویہ کی سازش اور پروپیگنڈہ کا نتیجہ تھا۔ دراصل یہ لوگ نہ کبھی اسلام کے سچے وفادار ہوئے اور نہ  
دین کے بارے میں وفا شعار یا اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان رسالت ﷺ ہمیشہ ان کی

بے وفائی کا ذکر کرتا رہا۔

ناظرین کرام! شرح نوادی میں بموقعہ قراۃ نماز ظہر وعصر فضائل کوفہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ”کوفہ“ شہریت معروف و آں شہر خانہ علم و محل فضلا است و بنا گشتہ است در خلافت حضرت عمرؓ کوفہ ایک مشہور شہر ہے جو معدن علم ہے اور فضلاء کے رہنے کی وجہ ہے اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں اس کی تائیس ہوئی ہے۔ پھر قاموس میں لکھا ہے کہ کوفہ عراق کا ایک بڑا شہر ہے اور قبہ اسلام ہے اور مسلمانوں کے ہجرت کی جگہ ہے اور زمانہ گزشتہ میں حضرت فوٹخ کے رہنے کی جگہ تھی۔ علامہ علی در تاریخ خود نوشتہ کہ در کوفہ یک ہزار و پانصد صحابہ و در قیاش صد صحابہ سکونت پذیر گشتہ بوند علامہ علی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو اور قریسا میں چھ سو صحابی رسول ﷺ رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ (سیف المقلدین علی اعناق المنکرین مصنفہ مولانا محمد عبد الجلیل یوسف زئی صفحہ ۷ طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ)

ان علماء کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ کوفہ کی آبادی کن لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اہل بیت کرام کا کوفہ کی بیوفائی ظاہر کرنا اور اس کے باشندوں کی مذمت کرتے رہنا اور علماء اہل سنت کا کوفہ کی تعریف اور اس کے فضائل بیان کرنا واضح کرتا ہے کہ کوفہ سے کن لوگوں کا زیادہ تعلق تھا۔ اور کوفہ میں کون لوگ آباد تھے۔ اور کن لوگوں کی اکثریت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اوّل تو ابتداء ہی سے کوفہ میں شیعوں کی آبادی نہ تھی اور جو تھوڑی بہت تھی بھی وہ شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد ختم کر دی گئی۔ شہید ثالث رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ احتجاج طبری لکھتے ہیں۔ ”چوں زیاد بن ابیہ ملعون اہل آں دیار را می شناخت لا جرم معاویہ حکومت عراقین کوفہ و بصرہ را باداد و او شیعه را بدست آورد و در تخت ہر حجر و در میکشت بعضے را گردن می زد و بعضے را دست و پاے می برید و پارہ را بردار می کشید و توے را چشمہا می کشید و توے را از خانماں آوارہ می ساخت۔“ کہ چونکہ ابن زیاد بنیہ (ولدا لڑنا) کوفہ کے شیعوں کو پہنچاتا تھا۔ لہذا معاویہ نے اسی کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس نے شیعوں کو باطل ختم کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ان کا قتل عام کر دیا۔ کسی کو حجر و بدر سے دیا کر مار ڈالا۔ کسی کی گردن ماردی۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کے جڑ کو لٹکا دیا۔ کسی کی آنکھیں نکلوالیں۔ کسی کے گھر جلوا دیے۔ غرض کہ اس طرح ظلم کیا کہ بظاہر کوئی شیعہ باقی نہ رہ گیا۔ ”مجالس المؤمنین“ صفحہ ۲۵۔ طبع ایران۔ نصائح کافیہ صفحہ ۷۔ مورخ طبری لکھتا ہے کہ زیاد بن ابیہ کے قتل و غارت کے بعد صرف دو شیعہ باقی رہ گئے تھے۔ نمبر اعرودہ۔ نمبر ۲۔ حجر ملاحظہ ہوتا رہن طبری صفحہ ۲۴ طبع لیڈن واقعہ شہادت حضرت ہانی (الغرض الیہ میں جو چند انے گئے شیعہ کوفہ میں رہ

گئے تھے وہ تین حال سے خالی نہ تھے۔ یا مسلم بن عقیل کے ساتھ قتل ہو گئے، جیسے حضرت ہانی بن عروہ (نور العین) یا قید کر دئے گئے جیسے حضرت مختار علیہ الرحمۃ (ریاض القدس) یا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شہید ہو گئے۔ جیسے حضرت سعید حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت زہیر قین وغیرہ (ناخ التوارخ وغیرہ)

شیعیان کوفہ نے اپنی کمال وفاداری سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ ”الکوفی لا یوسفی“ کا مقولہ صرف ان کے لئے ہے جن کا چھٹا خلیفہ یزید تھا۔ اور جن کے مذہب کے رکن رکیں عبداللہ ابن زیاد۔ عمر بن سعد۔ شمر ذی الجوشن۔ حرمہ بن کابل اسدی۔ حکیم ابن طفیل سنہسی، خولی بن یزید اگھی وغیرہ تھے جنہوں نے امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کو شہید کیا۔ اور ان کے سر کاٹے۔ ان کے لاشوں پر گھوڑے دوڑائے۔ تین دن پانی بند رکھا۔ ان کے خیمے جلانے عورتوں کو اسیر کر کے بازاروں میں بھرایا۔ اور سال بھر قید میں رکھا۔ چونکہ شیعوں نے پوری پوری وفاداری کی ہے اسی لئے امام حسینؑ نے یوم عاشورا ان کے مدح کی۔ عالم اہل سنت علامہ ابو اسحق، اسحاق لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے یوم عاشورا ایک دفعہ جنگ کی اور پلٹ کر خیمہ میں آئے۔ تو آپ نے چہرہ پڑھے۔ جن میں سے آخری شعر یہ ہے۔

وشیعتنا واللہ اکرم شیعۃ ومبغضنا یوم القیامۃ یخسر

اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے شیعہ بڑے قابل قدر اور بہترین شیعہ ہیں۔ اور بڑی عزت پائیں گے اور ہمارے دشمن قیامت کے دن گھائے میں رہیں گے۔

(نور العین فی مشہد الحسین صفحہ ۵۴ طبع بمبئی)

غرض کہ اس وقت جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت کوفہ دی گئی۔ کوفہ میں تین طبقے اور عقیدہ کے لوگ آباد تھے۔ اوّل خالص معاویہ والے جیسے عبداللہ بن مسلم خضرمی، عمارہ بن ولید بن عقبہ، عمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرہم۔ (دوسرے) خالص علی والے جیسے مسلم بن عوجہ۔ حبیب ابن مظاہر، ہانی بن عروہ اور (تیسرے) عام پبلک۔

طبقہ اوّل کے لوگ کثیر تعداد میں تھے اور طبقہ ثانیہ کے لوگ انے گئے چند حضرات تھے اور طبقہ ثالثہ والے بے شمار تھے۔ یزید کی مرضی کے مطابق معاویہ والوں نے امام حسین کو کوفہ بلا کر قتل کر دیئے کا خفیہ پروگرام بنایا اور یہ سوچتے ہوئے کہ حسین اپنے طرفداروں کی خواہش طلب کے بغیر کوفہ نہیں آئیں گے۔ علی والوں سے ملے اور ان سے کہا کہ یزید فاسق و فاجر ہے کیا یہ اچھا ہوتا کہ امام حسین یہاں آجاتے اور ہماری ہدایت کی ذمہ داری لیتے علی والوں نے اس پر فریب رائے کو پسند کیا



اور اس کی گہرائی تک نہ پہنچے۔ پھر ان لوگوں نے مشترکہ طور پر عام پبلک میں پروپیگنڈا شروع کیا۔ اور تمام کوفہ پر فریب کا جال بچھا کر امام حسین کی طلب شروع کر دی۔ اب کیا تھا۔ خطوط جانے لگے۔ اور چند ہی دنوں میں خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ اپنی کتاب سرائشا دتین طبع لدھیانہ کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ یہ خطوط ”من کل طائفة و جماععة“ ہر طبقے اور ہر جماعت کی طرف سے آئے تھے۔ ان خطوں میں ایسی باتیں لکھی گئی تھیں کہ حضرت امام حسینؑ کو مجبور کوفہ کے ارادہ سے چل کھڑے ہونا پڑا۔ چنانچہ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں، عورتوں اور مختصر سے ہوا خواہوں کو ہمراہ لئے ہوئے ۸ ذی الحجہ ۶۱ھ کو یوم شنبہ کو مکہ سے روانہ ہو گئے (وسامعہ کہ) ابھی تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ عمر بن سعید والی مکہ معظمہ نے یزید کے تیس آدمیوں والی اسکیم کا کامیاب ہوتے دیکھ کر اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ امام حسین مکہ سے باہر نہ جانے پائیں۔ مگر وہ اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہوا اور امام حسین ایک آیت کو تلاوت کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ (ابن نما) یہاں تک کہ منزل قسیم تک پہنچ گئے۔

### فرزوق سے ملاقات:

راستہ میں فرزوق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے عرض کی مولاج کو عمرہ سے بدل کر آپ نے اتنی جلدی مکہ معظمہ کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا ”لنولم اعجل لاخذت“ اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔ (الدمع اللجون ترجمہ جلاء العیون صفحہ ۴۴۴۔ ومع سا کہ صفحہ ۳۱۶ و تاریخ طبری تذکرہ سبط ابن جوزی)

صاحب: مع سا کہ لکھتے ہیں کہ ”وكان الحسين بن علي الما خرج من مكة اخره من مكي بن سعيد بن العاص ومع جليله ارطهم اليه عمر بن سعيد فقالوا لارصف ابی ابن تذهب تالی عهم ومقتل وتدافع الفرقتان وخطر يوا بالسياط وامنح الحسين واصحابه انتماعا قويا“ حضرت امام حسین علیہ السلام جب مکہ سے نکلے تو عمر بن سعید کی طرف سے کئی بن سعید وغیرہ نے آپ کو روکا اور کہا کہ یہاں سے کہاں نکلے جاتے ہیں۔ نوٹ: آپ نے انکار فرمایا اور دونوں جماعتوں میں بد بھیر ہو گئی۔ اور کوڑے چلے۔ امام حسین اور ان کی جماعت نے سختی سے مقابلہ کیا۔ (ص ۳۱۶) ناظرین کرام! اس مقام پر تاریخ وہی کہہ رہی ہے جو میں نے مع سا کہ لکھا۔ لیکن ذرا ابوالکلام آزاد کی بڑی نوازی ملاحظہ کیجئے۔ آپ اس روایت کو کس رنگ میں پیش کر رہے ہیں۔ آپ عبد اللہ ابن جعفر کے خلیفہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (والی کا خط) یہی نہیں بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کے ہونے والی عمر بن سعید بن العاص سے جا کر کہا ”حسین بن علی کو خط لکھ کر بالکل مطمئن کر دو۔“ عمر نے کہا آپ خود خط لکھ لائیں میں مہر کروں گا۔ چنانچہ عبد اللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا: میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس راستے سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی رہنمائی کرنے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کے لئے شقائق و اختلاف سے بچا ہوا انگا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبد اللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج کر رہا ہوں ان کے ساتھ وہاں چلے آئیں۔ میرے پاس آپ کے لئے امن و سلامتی احسان اور حسن جوار ہے اللہ تعالیٰ اس پر شاہد ہے وہ اس کا گمبیاں اور میل ہے۔ والسلام“ مگر آپ بدستور اپنے راہ پر تھے رہے۔ ملاحظہ ہو ”انسانیت موت کے دروازہ پر“

### ابو ہرہ سے ملاقات:

پھر آپ اور آگے بڑھے اور دوپہر کے وقت منزل تعلیمیہ پر پہنچے۔ آپ کی آنکھ لگ گئی خواب میں باتف کو کہتے سنا۔ ”انتم تسرعون والمنایا تسرع بکم الی الجنة“ آپ حضرات تیزی سے کوفہ کی جانب جا رہے اور موت آپ کو جنت کی طرف بھیج رہی ہے۔ آپ نے بیدار ہو کر حسرت علی اکبر سے خواب بیان فرمایا۔ عرض کی ”یسا ایسہ السنا علی الحق“ بابا! کیا ہم حق پر نہیں۔ فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں۔ عرض کی ”لا یبالی بالموت“ پھر موت کی کیا پرواہ ہے۔ (ومعہ صفحہ ۳۱۲) اس کے بعد ابو ہرہ ازدی ملا اس نے پوچھا۔ آپ نے حرم خدا اور رسول کو چھوڑ کر اس زمانہ میں سفر کیوں اختیار فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بنی امیہ نے ہمارے حقوق غضب کئے۔ ہم نے صبر کیا۔ ہمیں اعلانیہ برا بھلا کہا۔ ہم نے صبر کیا۔ اب ہمارے خون بہانے کے درپے ہیں۔ اس لئے ہم مکہ معظمہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ (ومعہ سا کہ ص ۳۱۶)

الغرض آپ تعلیمیہ سے روانہ ہو کر منزل عذیبؑ رہیمیہؑ قادسیہؑ حاجزؑ خرمیہ ہوتے ہوئے منزل زبالہ پر پہنچے تو جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن عقیل کی خبر شہادت ملی۔ امام حسین نے واپسی کا خیال کیا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر آگے بڑھنے سے قدم نہ رکے (تخریجہ الانبیاء ص ۲۸) تب آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ”ایہا الناس فممن کان یصبر علی حذ السیف وطعن لا منة فلیقم معنا والا فلیضرف“ لوگو! تم میں سے جو تلواریں کھا سکتا اور تیروں کی دعوت برداشت کر سکتا ہے وہ تو میرے ہمراہ رہے ورنہ پلٹ جائے۔ (ابو مخنف)

وہ لوگ جو مال کی دھول کی طرح میں راستہ سے ہمرکاب ہو گئے تھے اپنی راہ الگ گئے۔ صرف وہ بہادر جو حسین کے ہمراہ آئے تھے وہی باقی رہے۔ (ومعہ سا کہ ص ۳۱۸)

آپ منزل زبالہ سے کوچ کر کے طین عقبہ پر پہنچے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل شراف یا اشرف پر منزل گیر ہوئے۔

منزل شراف پر آپ نے اپنے جانثاروں کو حکم دیا کہ تمام مشکیں، چھالیں، پکھالیں، پانی سے بھر لو تعمیل حکم کی جاتی ہے اور اچھی طرح پانی لے لیا جاتا ہے۔ اور چلپلائی دھوپ میں رواں لگی ہو جاتی ہے۔

اعلامہ مجلسی نے مکہ معظمہ سے کر بلا تیرہویں منزل پر لکھا ہے کہ جس کی تفصیل یہ ہے (۱) تقیم (۲) تعلیمیہ (۳) عذیب (۴) رہیمیہ (۵) قادسیہ (۶) حاجز (۷) خرمیہ (۸) زبالہ (۹) طین عقبہ (۱۰) اشرف (۱۱) قصر بنی مقاتل (۱۲) قطفطانیہ (۱۳) کر بلا۔ (لامع الجہون ترجمہ جلاء العیون) ص ۳۵۶-۳۵۷

لشکر حسینی آفتاب کی تمازت دھوپ کی حدت میں باد بہ پیا کی اور صحرا نور دی کرتا چلا جاتا تھا کہ ناگاہ ایک صحابی نے تکبیر کہی ”اذکبر رجل من اصحابہ فقال له الحسين السله اکبر لم کبرت قال راثت التحل“ امام حسین نے فرمایا: ارے بھی تکبیر کا سبب عرض کی مولا مجھے تو خرمہ کی شاخوں اور کیلے کے درخت جیسے کچھ نظر آ رہے ہیں۔ لوگوں نے خیال کرتے ہوئے کہ ادھر نخلستان وغیرہ ہے نہیں۔ غور کرنا شروع کیا سیدہ غبار کے بیچ سے گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں۔ یقین ہو گیا کہ دشمن آ رہے ہیں۔ طے پایا منزل ذوقب کی طرف بڑھ کر پناہ گیر ہو جانا چاہئے۔

### حر کی آمد اور حضرت عباس کا فریضہ:

امام حسین کے لشکر نے رخ بدلا اور حر نے اس امر کو ناپسند کرتے ہوئے کہ امام حسین منزل ذوقب جائیں۔ دوڑ دھوپ میں تیزی کر دی۔ لیکن کچھ حاصل حصول نہ ہوا اور امام حسین منزل ذوقب پہنچ گئے۔ لشکر حرا سی ٹنگ دو میں بے انتہا پیاسا ہو گیا۔ سوار اور سواری دونوں کی زبانیں منہ سے باہر نکل آئیں۔ امام حسین کے جانناز سپاہی سینے تانے کھڑے تھے کہ اتنے میں حر اپنے لشکر سمیت آپہنچا۔ سوار اور سواری غرضکہ ہر جاندار پیاس سے بے حال تھے۔ زبانیں دہانوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے فریضہ سے غفلت نہیں کی اور آتے ہی اسی بدحواسی کے عالم میں بروایت کثر العبادات امام حسین علیہ السلام کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور بروایت ناسخ سامنے اڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا آگے بڑھنا تھا کہ حضرت عباسؓ نے لجام فرس تھام کر فرمایا ”ثکلتک املک ما ترید“ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ کیا چاہتا ہے (ماہنامہ ص ۱۸۳) اس نے آمد کا سبب بیان کیا۔ حسین نے عباس کے غصہ اور جوش کو ساقی کی طرف پھیر دیا۔ ممکن ہے کہ حسینی بہادروں میں سے کچھ ایسے بھی رہے ہوں کہ جن کا خیال رہا ہو کہ دشمن کو آب شمشیر سے سیراب کر دینا چاہئے۔ لیکن فرزند ساقی کوثر نے اس کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ انہوں نے لشکر حرا میں جب پیاس کی یہ حالت دیکھی فوراً حضرت عباس اور حضرت علی اکبر کو طلب کیا۔ فرمایا: دیکھو یہ نانا کے نام لیوا ایسا سے ہیں۔ انہیں جی بھر کے پانی پلاؤ۔ میرے بچوں کی پیاس کا اللہ مالک ہے۔ جب سوار پی چکے تو طشت منگوا کر سواری کے جانوروں کو پلانا شروع کیا۔ بروایت ومعہ سا کہ جب جانور تین چار پانچ مرتبہ طشت سے سرائٹھا اٹھا کر پانی پی چکتے تھے اور خود سے منہ ہٹا لیتے تھے تب طشت سر کا کر دوسرے جانور کے سامنے لایا جاتا تھا۔ (توضیح غرافہ ۲۰۰ طبع دہلی ۱۳۱۷ھ) علی بن طحان محاربی کا بیان ہے کہ میں لشکر حرا کا ایک سپاہی تھا۔ کسی وجہ سے اس وقت پہنچا جب سب کو پانی

پلایا جا چکا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے مجھے یہاں دیکھ کر فرمایا۔ سواری سے اتر اور پانی پی۔ میں اتر ا۔ امام علیہ السلام نے بہ نفس نفیس اپنے ہاتھوں سے مجھے اور میرے جانور کو پانی پلایا۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۱۰ و تاریخ التوارخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۹)

غرض کہ اسی پانی کے پینے پلانے میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کپڑے بدلنے کے لئے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حجاج بن سروق موزن نے اذان کہی۔ امام برآمد ہوئے۔ نماز سے پہلے خطبہ میں لشکر مخالف کے سامنے اپنا تعارف پیش کیا۔ اور کوفیوں کے خطوط کا حوالہ دے کر حر کے سامنے خطوط کی دو خورجیاں (بوریاں) ڈلوادیں۔

خطبہ کے بعد نماز باجماعت شروع ہوئی۔ امام حسین نے حر سے فرمایا: ”ان تریسد ان تصلی باصبحابک فقال الحرہ بل تصلی انت و نصلی بصلواتک“ کہ تم اپنے لشکروالوں کے ساتھ نماز باجماعت پڑھنا چاہتے ہو تو جاؤ۔ اس نے عرض کی آپ نماز پڑھائیں میں (اپنے طریقہ سے) آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ ملاحظہ ہو ”انسانیت موت کے دروازہ پر“ ص ۴۸

امام حسین علیہ السلام نے نماز سے فراغت حاصل کی اور سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ ٹھوڑی دیر کے بعد نماز عصر کا وقت آ گیا۔ موزن نے اذان کہی۔ نماز ادا کر لی گئی۔ آپ نے ایک خطبہ کے بعد کوچ کا حکم دے دیا۔ حر آپ کے راستہ میں حائل ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”کلکعلک امک اتريد“ تیری اماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ آخر چاہتا کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم حسین کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ اس نے کہا میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ جب زیادہ گفتگو بڑھی تو حر نے کہا۔ ”مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ منورہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں... شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔

(انسانیت موت کے دروازے پر ص ۵۰)

امام شلمی لکھتے ہیں کہ حر نے امام حسین کے اس کہنے پر کہ میں تمہارا طلبیدہ آیا ہوں۔ کہا آپ کسی طرف چپکے سے نکل جائیں میں ابن زیاد کو لکھ دوں گا کہ حسین راستہ بدل کر نہ جانے کس طرف نکل گئے۔ اور میری گرفت میں نہ آئے۔

خان بہادر خیرات احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت حر نے بعد رد و بدل کے شب کے

وقت تجلیہ کی ملاقات کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ یا حضرت میرا سارا لشکر سوتا ہے۔ آپ اس وقت کوچ کر جائیں کہ جس میں اعدا کے شر سے نجات ملے۔ آپ نے فوراً اس رائے کو قبول کیا۔ اور اسی وقت حضرت عباس کو کوچ کا حکم دیا اور خیمہ اکھڑ گیا۔ رخ۔ معراج شہادت صفحہ ۱۱۔ اس سے قبل صفحہ ۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور کوفہ سے غسان عزیمت موڑی اور شب کے وقت کوچ کیا۔ کہ جدھر اللہ تعالیٰ لے چلے ادھر متوکل بخدا چلے چلو۔ رخ

غرض امام حسین علیہ السلام ایک غیر معروف راستے سے ”راجع الی الحجاز“ حجاز کے رخ پر چل پڑے۔ ساری رات راستہ میں گزری۔ صبح ہوتے ہوتے پھر حرنے گھیر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا مشورہ دیا تھا۔ اور آج کیا کر رہے ہو۔ اس نے عرض کی۔ مولانا! میں کیا کروں۔ مشورہ کے فوراً بعد ابن زیاد سے میری چغلی کھائی گئی۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ حسین کا اس وقت تک ساتھ نہ چھوڑنا جب تک میرا کثیر لشکر نہ پہنچ جائے۔ مولانا حکم میں بڑی سختی ہے اور اب میرے لئے آپ کے چھوڑنے کا کوئی راستہ ہی نہیں۔ (نورالابصار ص ۷۱ طبع مصر)

پھر حضرت امام حسین طرمح کی راہبری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ”قصر بنی مقاتل“ پہنچے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر نینوا پر وارد ہوا۔ خر ساتھ ساتھ تھا۔ دن کے کسی حصہ میں ایک کوئی ناقہ پر سوار آیا۔ خر کو سلام کیا۔ اور ایک خط دیا۔ یہ خط ابن زیاد کا تھا جس میں لکھا تھا کہ میرا خط پاتے ہی ”لا تمزلہ الابلعاء فی غیر حضر و علی غیر ماء“ حسین کو ایسی جگہ پر اتارنا جو بے آب و گیاہ ہو اور جہاں پانی کا نام نہ ہو۔ ”تاریخ طبری ص ۳۷۰۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۶۔ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۲۰۱ و معہ سا کہ ص ۲۳۰ اخبار الطوال دینوری ص ۲۵۰۔ تاریخ ابن الوردي جلد ۱ ص ۱۷۲) حرنے حضرت امام حسین کو خط کا مضمون بتایا۔ آپ نے فرمایا اسی نینوا۔ یا پھر عاصریہ میں قیام کرنے کا موقع دو۔ اس نے کہا یہ ناممکن ہے۔ زہیر قین نے عرض کی مولانا اجازت دیجئے، یہ ابھی صرف ایک ہزار ہیں ان سے اسی وقت ٹپٹ لیں۔ حضرت نے فرمایا۔ میں ابتداء جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ (دمعہ سا کہ صفحہ ۳۲۱) اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس کا جواب اصحاب حسین نے بڑی عالی حوصلگی سے پیش کیا۔

**زہیر قین کا مشورہ:**

جناب زہیر قین نے جب یہ دیکھا کہ مارنے مرنے کی منزل قریب آ گئی ہے حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کی۔ ”بہتر ہوگا اگر حضور کربلا کی طرف روانہ ہو کر نہر فرات کا کنارہ

پکڑ لیں۔ تاکہ باعانتِ خدا ہم اچھی طرح جنگ کر سکیں۔ یہ سن کر امام حسینؑ رو پڑے اور آگے بڑھنے کے بجائے اپنے اعزاء کو جمع کر کے بارگاہِ احدیت میں عرض کرنے لگے۔ مالک! یہ تیرے نبی کی مظلوم عترت ہے ”الضرنا علی القوم الظالمین“ ہمیں ظالموں پر فتح نصیب کر۔ امام حسینؑ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اپنی مظلوم عترت و اصحاب کو لئے ہوئے ایک سمت چل کھڑے ہوئے۔ اور قنارہ۔ دوسری محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ کو سرزمینِ کربلا پر جا پہنچے۔ ملاحظہ ہو (ومعہ ساکبہ ص ۳۲۱) تاریخ ارشاد مفید ریاض الشہداء و تین جلاء الحیوان، بحار الانوار، تاریخ کا خوبی ورق، مجمع الاحزان، سفیہ الاولیاء محمد دار الشکوہ صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۸۷۷ء

## سرفروشان اسلام کا سرزمین کربلا پرورد۔ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

علامہ ابوالاسحاق استرآبی لکھتے ہیں:

فانہ لم یزل سائر اھو ومن معہ متی  
اسی بلد و فیہا قوم کثیر فسالھم عن  
اسم ذالک البلد فقالوا لہ شط  
الفرات فقال هل لھا اسم غیر هذا  
فقالوا لہ سربا ابا عبد اللہ ولا تسال  
فقال سالکم باللہ و بجدی رسول  
اللہ صلعم ان تجزونی عن اسمھا  
الثانی فقالوا اسمھا کربلا فعند ذالک  
بکی و قال ہی واللہ ارض کرب و  
بلاء ثم قال یا قوم ناولونی قبضۃ من  
تراب هذه الارض فاعطوه قبضۃ من  
تراب هذه الارض منہ فشمہ

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور آپ کے ہمراہی  
چلتے چلے ایک ایسے شہر میں جا پہنچے جہاں آبادی  
تھی۔ آپ نے وہاں کے... لوگوں سے پوچھا  
کہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ انہوں نے کہا۔ اسے  
شطِ فرات کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا کوئی  
دوسرا نام بھی ہے۔ ان لوگوں نے کہا۔ حضرت  
اس کا اور نام پوچھتے بغیر ہی آپ یہاں سے گزر  
جائیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم کو اللہ تعالیٰ و  
رسول اللہ ﷺ کی قسم ہے اس کا دوسرا نام  
بتاؤ۔ لوگوں نے کہا۔ مولا! اسے کربلا بھی کہتے  
ہیں۔ یہ سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ اللہ  
تعالیٰ کی قسم یہ زمین میرے لئے کرب بے چینی

۱۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اپنے لشکر سمیت دوسری محرم الحرام ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوئے ہیں۔ اس پر تمام مورخین کا  
اتفاق ہے تاریخ کے عین الفاظ یہ ہیں۔ ”تم نزل و ذالک یوم النحس و هو الیوم الثانی من المحرم سیدہ احدی و تین من  
الحجر“، لیکن خان بہادر مولوی خیرات احمد صاحب گیاروی نے تاریخ ورد کربلا ۳ محرم لکھی ہے (معراج شہادت ص ۵) جو  
حدا اعتبار سے ساقط ہے۔

والی ثابت ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا! لوگو ذرا مجھے ایک مٹھی خاک تو اٹھا دو۔ انہوں نے اٹھا دی۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک مٹھی خاک نکالی اور دونوں کو ملا کر سوگھا۔ اور فرمایا! یہی وہ زمین ہے جس کی مٹی جبریلؑ میرے نانا کے پاس لائے تھے اور کہا تھا کہ اسی مٹی میں حسین کی قبر بنے گی۔ پھر ہاتھ سے مٹی پھینک کر فرمایا۔ دونوں مٹیوں کی ایک ہی خوشبو ہے۔ اس کے بعد اپنے جاں نثاروں کو مخاطب کر کے کہا۔ اتر پڑو اور اب ایک انچ بھی نہ بڑھو۔ خدا کی قسم یہیں پر ہماری سواریاں اتریں گی۔ یہیں پر ہمارے خون بہیں گے۔ عورتیں اسیر ہوں گی۔ مرد قتل ہوں گے۔ بچے ذبح کئے جائیں گے اور ہماری قبریں بنیں گی۔ یہیں سے ہمارا حشر و نشر ہوگا۔ یہیں عزت و اذلیل ہوں گے اور میری خون سے خضاب ہوگا۔ اور میرے نانا باپ اور ماں کو یہیں تعزیت ادا کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ یہیں میرا وعدہ پورا ہو گا۔ یہ سب کچھ فرما کر سب اتر پڑے۔

ابوحنفہ کا بیان ہے کہ جتنی قافلہ روانہ ہو کر، کر بلا پہنچا۔ ”فوق فرس الحسين

من تحته فنزل عنہا و رکب اخری فلم کنیبعث من تحته خطوه واحده ولم یزل ملا جانی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور جبرائیلؑ میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اسے میں حسین آ گئے۔ جبریلؑ نے کہا کہ یہ فرزندِ مقرب کر بلا کے میدان میں قتل ہوگا۔ اور اے رسول اللہ ﷺ آپ کی امت ہی قتل کرے گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کس زمین پر قتل ہوگا۔ عرض کی میں ابھی ابھی مٹی لائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبریلؑ نے اشارہ کیا اور ایک مٹی سرخ رنگ کی مٹی کی رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ یہی مٹی جناب امہ سلمہؓ کے پاس ایک شیشی میں رہی جس ۶۷۔ امام حسینؑ نے بوقت سفر کر بلا اس میں سے کچھ اچھڑالے لئے تھے جسے کر بلا میں جیب سے نکالا تھا۔ (نور العین صفحہ ۴۶)

استخرج طينة من جيبه وقال له هذا الطينة جاء بها جبريل من عند الله لجدی رسول الله وقال له ده وقال همارثة واحدة ثم قال يا قوم انزلوا ولا بتروحوا فها هنا والله مناخر ركبنا وها هنا والله ليسفك و متاوها هنا والله تسي حريمنا وها هنا والله تقتل رجالنا وها هنا والله تذب اطفالنا وها هنا والله قبورنا وها هنا والله محشرنا و منشرا وها هنا بصير العزيز ذليلا وها هنا والله تقطع اوداجی و تختضب لحيیتی بدمی و يغری جدی و ابی و امی من ملائكة السماء وها هنا والله وعدی لجدی ولا خلف لوعده فلم نزل و نزلت اصحابه جميعا الخ. نور العین فی مشهد الحسين صفحہ ۳۶ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ حیاة الحيوان جلد ۱ صفحہ ۵۹ طبع مصر ۱۳۶۹ھ اخبار الاول و انار الاول صفحہ ۱۰۷ طبع تبریز ۱۲۸۲ھ

یرکب فرسا بعد فرس حتی رکبا سبعة افراس و هن علی هذا الحال. فلما راء الامام ذالك الامر الغریب قال یا قوم یا یقال لهذا الارض "چلتے چلتے حضرت کا گھوڑا رک گیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔

چلتے چلتے رک گیا گھوڑا تو حضرت نے کہا  
کیا زمین کربلا ہے تیری پہچانی ہوئی

جب گھوڑا کسی طرح نہ چلا تو آپ اتر پڑے اور متواتر سات گھوڑے بدلے۔ کسی نے بھی قدم آگے نہ بڑھائے تو آپ نے اس امر عجیب کو دیکھ لوگوں سے فرمایا۔ بھائی اس زمین کو کیا کہتے ہیں لوگوں نے غاصریہ بنو اخط فرات۔ جیسے نام لئے۔ آپ نے فرمایا۔ "هل اسم لها غیر هذا" کہ اس کا کوئی اور نام بھی ہے۔ الخ ومعہ سا کہ ص ۳۲۱ طبع ایران۔

فقالوا تسمى کربلا قال انزلوا واحطوا حالى ان فیہ عیسیٰ  
لوگوں نے کہا۔ مولاً اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا کہ کاٹھیاں اتار دو۔ یہیں مراد وعدہ موت ہے۔

و فی هذه یا قوم قتلی و مصماعی و فی هذه یا قوم تهتك حرمتی  
اے لوگو! یہی میرا قتل ہے اور میرے پہچاڑے جانے کی جگہ ہے اور اسی جگہ میری  
ہتک حرمت ہوگی۔

و فی هذه العباس یقتل ظامیا و لم یحظ من ماء الزلال بقطرة  
یہیں پر میرا عباس جیسا قوت بازو پیاسا قتل کر دیا جائے گا۔ اور اسے خوشگوار پانی کا  
ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ (تحفہ حسینیہ ص ۷۰۷ طبع ایران)

الغرض حضرت امام حسین اور آپ کے اہل بیت و جاں نثار اتر پڑے۔ امام چونکہ نور خدا  
ہیں لہذا آپ کے اترنے ہی زمین کربلا بقعہ نور بن گئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں۔

فلما تبدی فی ذویہ و منهم علی و عباس و عون و قاسم  
و فی عصبتہ من صحبہ کان منهم زہیر قین و الحیب و مسلم  
اضاءت عراض الطف و منه منهم کبان ہنا بدر احوالیہ انجم

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور قبر امام کو پہچانتے ہیں اور نشان قبر بتا دیتے ہیں۔ واقعہ کربلا کے علاوہ اس کا ثبوت اور  
دیگر واقعات سے بھی ملتا ہے۔ حضرت علی کی قبر کا نشان ایک گھوڑے نے اس طرح قدم روک کر بتایا۔ علامہ قزوینی لکھتے ہیں  
کہ حضرت کی قبر خوف بنی امیر سے پوشیدہ کر دی گئی تھی۔ ۱۷۵ھ میں باروں رشید کا اس زمین سے گزر ہوا۔ اس کا گھوڑا چلتے  
چلتے رک گیا۔ چند انکے جہد نمودا ہوا۔ درآں زمین میں ہی رفت۔ بڑی کوشش کی مگر گھوڑا نہ بڑھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ  
حضرت علی علیہ السلام کی یہاں پر قبر ہے نہ کہ القلوب صفحہ ۱۳۴ طبع یحییٰ (۱۳۱ھ)



جب آپ اپنے خاندان جن میں علیؑ، عباسؑ، عونؑ، قاسمؑ وغیرہ بھی تھے اور اپنے اصحاب جن میں زہیر قین، حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عویجہ بھی تھے۔ سمیت زمین کر بلا پر رونق افروز اور جلوہ فرما ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ماہ کامل ستاروں کے جھرمٹ میں ہو۔ (شیخ المجالس ص ۳۶ طبع لکھنؤ) علامہ اربلی لکھتے ہیں:

”چوں قدم آنحضرت بر زمین رسید رنگ خاک زرد شد۔ جب حضرت امام حسینؑ کے قدم زمین پر پڑے تو چہرہ زمین (نجات سے) زرد ہو گیا۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۶۹) علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں کہ (امام حسین کے کر بلا پہنچنے اور) کراہہ کشوں کے رخصت کرنے کے بعد سیدہ ام کلثوم نے عرض کی۔ بھائی جان! یہ زمین ہولناک ہے۔ میرا دل بے چین ہے۔ امام حسین نے فرمایا۔ ہاں ایک دفعہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ صفین کی طرف جا رہا تھا۔ ہمارا گزر اس سرزمین سے ہوا۔ والد بزرگوار اس سرزمین پر وارد ہونے کے بعد میرے برادر بزرگوار کی گود میں سر رکھ کر کسی قدر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو رونا شروع کر دیا۔ میرے برادر بزرگوار نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے کہ پھر خون کا سمندر بن گیا ہے اور میرا لخت جگر ”حسین“ اس دریاے خون میں ہاتھ مار رہا ہے اور کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ پھر مجھ سے فرمایا: ”کیف تسکون یا ابا عبد اللہ اذا وقعت ہھنا الواقعہ“، بیاتیر کیا حال ہوگا۔ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا۔ میں نے عرض کی بابا میں صبر کروں گا۔ (الارشاد والفرافصہ ص ۱۴)

### نصب خیمام اور حضرت عباس علیہ السلام:

حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ اور دیگر جانبازوں کو نصب خیمام کا حکم دیا۔ پس امام حسین علیہ السلام دلفر مود تاخیمہ ہا بر زدند۔ (کشف الغمہ ص ۶۹) چنانچہ لب فرات خیمے نصب کر دئے گئے۔ (شہید اعظم ص ۱۱۱) حرجے پہلے سے حکم تھا کہ حسین کو ایسی جگہ اتارے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اس نے مزاحمت کی ”و حال بین بحروم الفرات و بین الحسین و من معہ“ اور نہ فرات اور امام حسین کے درمیان حائل ہو گیا۔ (نور العین ص ۴۶) اسد اللہ کے شیر حضرت عباسؑ نے جب یہ ادبی و گستاخی دیکھی جوش شجاعت میں آپ سے باہر ہو گئے۔ امام حسینؑ نے آپ کے غصہ کو فرو کیا۔ فاضل معاصر جناب مولوی ریاض علی صاحب بناری مصنف ”اکبرار“ لکھتے ہیں:

## پچھلے صفحہ سے متعلق ضروری نوٹ

واضح ہو کہ یہ اس حکم کی تعمیل ہے جو حر کو حضرت امام حسین کے اتارنے کے متعلق دیا گیا تھا ”جو قصر مقاتل“ میں حر کو ملا تھا۔ اور جس کا مضمون یہ تھا کہ امام حسین کو ایسی جگہ اتار جہاں، پانی نہ ہو۔ انہی اسی بناء پر حر نے امام حسین کو گھیر کر کر بلا پہنچایا۔ اور جب امام حسین نے لب آب قیام کیا تو حر نے مزاحمت کی اور پانی سے دور آپ کو تین میل کے فاصلے پر ٹھہرایا۔ تاکہ تعمیل حکم ہو جائے اور ابن زیاد کی طرف سے عتاب نازل نہ ہو۔

حر کے لئے ابن زیاد کے حکم میں کہیں یہ موجود نہیں کہ امام حسین اور ان کے اہل بیت پر پانی بند کر دے اور نہ ہی یہ موجود ہے کہ امام حسین سے لڑے۔ جیسا کہ حر نے امام حسین سے پہلی ملاقات میں ظاہر کیا تھا۔ حر کو پہلا حکم یہ تھا۔ کہ امام حسین کو گھیر کر کوئلہ لاؤ۔ مگر جب حالات سے اس نے باخبر کیا۔ تو یہ حکم آیا۔ کہ انہیں ایسی جگہ اتارو۔ جہاں پانی نہ ہو چنانچہ حکم نامہ میں یہ جملہ ”فلا تنزلہ الا بالعراء“ موجود ہے۔

صاحب اظہار حقیقت نے صفحہ ۱۰۸ پر جو یہ لکھا ہے:

”ظاہر ہے کہ حکومت نے اپنے اس حکم کے ذریعہ امام حسین پر بندش آب کا حکم دے دیا تھا۔ جس کی تعمیل کرنا لشکر حر کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ موجودہ لشکر یزید نے سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل کی۔ اور حسین پر پانی روک دیا۔“

اور صفحہ ۱۰۹ پر نور العین کی عبارت کے ترجمہ میں یہ لکھا ہے ”اور حسین اور اصحاب حسین کے لئے پانی روک دیا۔ انہی“

حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ نہ حر کو بندش آب کا حکم تھا نہ اس نے اس کی تعمیل کی۔ اس کو تو اس موقع پر صرف اس امر کا حکم تھا کہ حسین کو لب آب نہ اترنے دے تاکہ جنگ چھڑے تو وہ حسین پانی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ (مجم الحسن)

حضرت عباس کی سرگرمیاں حسین دیکھتے ہیں۔ پیار سے مسکراتے ہیں اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں (شہید اعظم ج ۲ ص ۳۷۱)

غرض کہ خیمے لب فرات سے اٹھائے گئے اور بقول استقرئ تین میل پانچ میل یا ایک فرسخ کے فاصلہ پر نصب کر دیئے گئے ”ثم ان الحسین امر بنصب الخيام للحريم والا ولا دو جعل يصلح سيفه والبة حربہ وهو يبكي“ پھر امام حسین نے اہل بیت اور اولاد کے لئے خیموں کے نصب کا حکم دیا۔ اور اپنی تلوار وغیرہ کو اصف کرتے ہوئے رونے لگے۔ (نور العین صفحہ ۳۶)

## خیام میں داخلہ سے پہلے:

خیام نصب کئے جا چکے ہیں۔ ابھی اہل حرم داخل خیمہ نہیں ہوئے کہ حضرت امام حسین نے بے وفائی دنیا سے متعلق کچھ اشعار پڑھے جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

یادہول اف لك من خلیل كم لك بالامشرق والاصل

اے دنیا تجھ پر توف ہے کہ تو نے صبح و شام کیسے کیسے دوست تباہ کر دئے۔ اٹخ ناسخ التوارخ جلد ۶ شہید اعظم۔ عبد الحمید ایڈیٹر مولوی دہلی ص ۱۱۳

امام حسین علیہ السلام کے اشعار کا پڑھنا تھا کہ بیبیوں میں رونے کا کھرام برپا ہو گیا اور حضرت زینب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ امام حسین نے بہن کے رخسار پر پانی چھڑکا تب حضرت زینب کو ہوش آیا۔ (سوانح کثوری ص ۱۹۱ طبع لاہور) لہوف صفحہ ۱۰۶ طبع ایران الاشارة الاخران قلمی ص ۳۶) ۲

ثم دخلن الخيام ففسايجن و علت  
اصواتهن من كلامه بالبكاء  
والنحيب مدخل اليهن الخيام وقال  
طعن صبرايها اهل البيت فقالت  
زينب لا صبر لنا على ففلك ولا  
تطيب لنا الحيواة من بعد كيف لا  
نبكى وانت تقول هذا الكلام ونداك  
قبيلا وما لك نهباً بين العدى  
وحريمك سبائاً وجشك الطيبة  
ترزى عليها الرباح فكيف لا نبكى.

(نور العين ص ۴۷)

۱۔ ابوالکلام آزاد نے اپنے رسالہ انسانیت موت کے دروازے پر میں اشعار کا امام حسین کو پڑھنا شب عاشور دھلایا ہے جو پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ۱۲۴ھ مورخ زمانہ حضرت ریاض ناری لکھتے ہیں کہ جس روز حضرت امام حسین وادوسر زمین میوا ہوئے زور پشید تھا اور عمر ۶۱ کی بقول ابن خلدون دوسری تاریخ تھی۔ شہر فرات پر خیمہ نصب ہوئے۔ اصحاب و انصار دھیموں میں تھے۔ اور حسین ان اشعار کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ”یا ہر اف ک من خلیل“ ان اشعار کو سن کر جناب زینب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ غش کر گئیں جس پر امام حسین نے ٹھٹھے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے دئے (شہید اعظم ص ۱۱۱) و قتل ابی جعفر ص ۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ مناقب ابن خیر آشوب جلد ۶ صفحہ ۹۳) لہوف ص ۲۴ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ تاریخ المودہ ص ۳۳۹ طبع بمبئی ۱۳۰۲ھ بعض حضرات نے اس واقعہ صبا کو شب عاشور کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے لیکن یہ پایہ اعتبار سے ساقط ہے ان لوگوں کے ذکر کا ماخذ تاریخ طبری ہے۔ علماء اہل سنت اس روایت کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس کے سلسلہ روایت میں ابشماک ہے جو جمہول ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۶۶ طبع مصر ۱۳۲۵ھ)

علامہ سبھر کاشانی، لسان الملک لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسی موقع پر حضرت زینب کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ”لو ترك الفطال لنام“ اگر فطال طائر چھوڑ دیا جاتا یعنی اب اگر میری کسی طرح بیعت کے بغیر رہائی ممکن ہوتی تو میں مدینہ منورہ واپس چلا جاتا۔“ (ناخ التوارخ جلد ۶ ص ۲۲۵)

### زمین کر بلا کی خریداری:

امام حسین علیہ السلام مخدرات عصمت و طہارت کو سمجھا بجھا کر خیمہ زینب سے برآمد ہوئے اور غنیو اور غاضریہ کے زمینداروں کو طلب فرمایا۔ جب وہ آئے تو ان سے اپنے حالات بیان فرمائے اور ان کے اپنے قتل و عارت کا یقین دلا کر ان سے کر بلا کی زمین کی خریداری کا سوال کیا اور ساٹھ ہزار درہم پر ۱۶ مربع میل زمین خریدی۔ اور دو شرطوں کے ساتھ انہیں کے لئے ہبہ کر دی۔ علامہ شیخ بہائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ان الحسين اشترى التواصي	امام حسین علیہ السلام نے اطراف سمیت
فيها تبره من اهل نينوى والفاخرية	زمین کر بلا و غنیو اور غاضریہ والوں سے ساٹھ
(والغاضرية) سبتين الف درهم و	ہزار درہم میں خرید لی جن میں آپ کی قبر
تصدق عليهم بها و شرط ان يرشد	مبارک ہے۔ پھر اس زمین کو ان دو شرطوں
والى قبره و يضيفوا من زاره ثلاثه	کے ساتھ انہیں کے لئے ہبہ کر دی ہبہ جواز
ايام. (کشکول بھائی ص ۹۹. طبع	آئے اسے قبر کا نشان بتائیں نمبر ۲ اس آنے
مصر ۱۳۰۵ھ و شاہ یثرب صفحہ ۲۶۰	والے کو تین روز تک مہمان رکھیں۔

### طبع لاہور

۱۔ سید ابن طاووس فرماتے ہیں کہ اہل غنیو اور غاضریہ نے چونکہ شرطیں پوری نہ کیں اس لئے یہ وقف ٹوٹ گیا اور حضرت کی اولاد اور دوستوں کے لئے اس کا استعمال حلال ہو گیا۔ (کشکول ص ۹۹ مجمع ص ۲۳۲ طبع لکھنؤ)

۲۔ تحفہ العوام صدقہ جناب مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مجتہد العصر کے صفحہ ۱۹۴ پر ایک زیارت ہے جس میں حضرت عباس علیہ السلام حضرت قائم حضرت حبیب ابن مظاہر حضرت حرو وغیرہ کی قبروں کو حائر سے علیحدہ فرمایا گیا ہے۔ اگر درایتی حیثیت نصی اعتبار سے یہ زیارت درست ہے تو جائے دم زدن نہیں۔ اس لئے کہ یہ زیارت حضرت صادق آل محمد کی طرف منسوب ہے لیکن پھر بھی بعض حضرات نے جو حائر کے حدود بتلائے ہیں۔ ان سے حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام وغیرہ کی قبر کے داخل حائر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب لغات کشوری ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں کہ حائر وہ موضع ہے جہاں امام حسین کا کعبہ واقع ہے۔ مجمع البحرین ورق ۵۳۹ علامہ محمد بن مرتضیٰ لقب بہ محسن اپنی کتاب مناقب الشراعیہ ص ۱۲۷ میں خاک خفا کے کھانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبر حسین کے گرد اگر دو ستر ہاتھ یا چار فرسخ تک حائر ہے۔ علامہ ابو الفضل شرح زیارت کے سلسلے میں زیر جملہ ”حلت بفسائك واناخت بساحتك“ تحریر کیا ہے کہ اگرچہ ابو الفضل

عباس علیہ السلام کی قبر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر سے دور ہے۔ لیکن داخل ”رحل و فسا و صاحت“ ہے ملاحظہ ہو شفاء الصدور ص ۱۰۸ الطبع بھی ۱۳۰۹ھ

سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلقت زمین کعبہ سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کر بلا کی تخلیق ہوئی علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ زمین تبرک زمین ہے۔ علاج کے لئے اس کی خاک کھانے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ یہ خاک شفاء ہے۔ اس زمین کے علاوہ کسی نبی یا امام کی تربت کی خاک تبرک کھانا جائز نہیں ہے۔ (تحفۃ الرازی طبع ایران) باب فضیلت کر بلا ”علامہ سید حسین صاحب اعلی اللہ مقدمہ خاک کر بلا کی ایک عجیب صفت تحریر فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ باید کہ با تو باشد اندک از خاک کریم امام حسین از برائے حفظ جان و مال تو دور وقت بردارتن آں گو۔“ اللهم انی اخذتها من قبر ولیک اخذتها حوزا لہما اخاف و لہما لا اخاف “ جب سفر کا ارادہ کرو تو حفظ جان و مال کے لئے خاک شفاء اپنے ہمراہ رکھو۔ اور خاک شفاء ہمراہ رکھتے وقت یہ دعا پڑھو۔ ”اللہم انی اخذتها“ ویلۃ النجات ص ۲۵۶ طبع کنکو۔

میرے استاد محترم جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ اکفر فرمایا کرتے تھے کہ جس مال میں خاک تربت ہو وہ چوری نہیں جاتا۔ مجھے اس کا تجربہ ۱۹۴۲ھ میں ہوا۔ ماہ مبارک کا زمانہ تھا اور میں کو اتھ ضلع آدہ صوبہ بہار میں مقیم تھا۔ میرا سارا سامان سید عابد حسین صاحب وکیل سیوان ضلع سارن کے وہاں رکھا ہوا تھا۔ قضا را ان کے گھر میں چوری ہو گئی اور ان کا سارا اثاث الیبت چور اٹھا کر لے گئے۔ جس کمرہ میں ان کے برتن رکھے تھے اسی کمرہ میں میرا بکس اور ناشیہ دان بھی تھا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ سخت حیرت ہے کہ جس جگہ آپ کا سامان تھا وہیں میرا سامان تھا۔ میری چیزیں چوری چلی گئیں۔ اور آپ کا سامان بچ گیا۔ مجھے خود تعجب تھا۔ جب سیوان کیس کر سامان دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں سامان میں جگہ گاہ رکھی ہوئی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اسی خاک تربت نے میرے مال کی حفاظت کی ہے۔

میں ایک شب حاجی غلام حسین صاحب رئیس پشاور کے ہاں مجلس پڑھنے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک سنی دوست نے شعبوں پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ پر بھی زمین کر بلا کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مردوں کو کعبہ کے بجائے کر بلا میں دفن کرنا تبرک اور اچھا جانتے ہیں۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے اگر اس کی کوئی خاص وجہ آپ بتائیں تو بہتر ہے۔ میں نے کہا مجلس میں چلو۔ میں نے مجلس میں تقریر کرتے ہوئے ان کے موضوع کا بھی جواب دیا۔ اور جوابوں کے علاوہ ایک جواب یہ بھی تھا کہ ہم اپنے مردوں کو زمین کر بلا میں اس لئے دفن کرتے ہیں کہ ایک دن یہ زمین اپنے تمام مدفون مردوں سمیت جنت میں اٹھائی جائے گی۔ جیسا کہ روایات میں موجود ہے تو ہمارے مردے بلا حساب کتاب اپنے مسکن سمیت جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ زمین کعبہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ اس لئے واضح ہو کہ بعض حضرات مطلقاً نفش کے مخالف ہیں اور اسے برا جانتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ فعل منوع نہیں۔ بلکہ سنت نبوی ہے۔ حضرت آدم کی نفش زمانہ طوفان نوح میں منتقل کی گئی۔ حضرت یوسف نے حضرت یعقوب کی نفش فلسطین سے شام میں منتقل کی۔ شریعت ابراہیم میں نفش کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بلا خلاف جائز تھا۔ شریعت محمدی میں اگرچہ بعض علماء نے اس کی ممانعت کی ہے مگر کسی حدیث تیر قرآنی آیت میں اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ (اعظم النشایر۔ سنی۔ ج ۱ ص ۱۱۷)

کتاب من لا یحضرہ الفقہ میں ہے کہ زمین کر بلا ”روضة من ریاض المعجنت“ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے ارن۔ اس کی تصدیق کے سلسلہ میں علامہ شیخ بہاء الدین غالی فرماتے ہیں کہ مجھے علم رتل سے عقیدت نہ تھی۔ ایک دن ایک یہودی رمال سے ملاقات ہوئی۔ میں نے خاک شفا کی تیج کو مٹی میں دبا کر پوچھا۔ بتایا ہے میرے ہاتھ میں کیا ہے اس نے بہت سوچ بچار کر کے کہا کہ تمہارے ہاتھ میں جنت کی مٹی معلوم ہوتی ہے اسی دن سے مجھے علم رتل سے شغف پیدا ہو گیا۔

## حرم کر بلا کے حدود:

حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں۔

حرم حسین الذی اشعرہ اربعۃ  
امیال فی اربعۃ امیال فهو حلال  
حرم حسین وہی ہے جسے امام حسین علیہ السلام  
نے ۱۶ مربع میل خریدا ہے جو ان کی اولاد اور  
دوستوں کے لئے حلال اور دشمنوں کے لئے  
ہم اہل الفہم و فیہ البرکۃ۔ حرام ہے۔ اور اس میں بڑی برکت ہے۔  
(کشکول ص ۹۱)

## زمین کر بلا کی فضیلت:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلاق عالم نے خلق زمین کعبہ سے  
۲۳ ہزار سال قبل زمین کر بلا کو پیدا کیا ہے اور اس میں برکتیں بھر دی ہیں۔ ”فلا زالت الارض  
کبریا لئلا یقدس مبارکۃ طاهرہ“ اور یہ زمین ہمیشہ سے مقدس مبارک طاہر ہے۔ ”وانہا  
اذا زلزل اللہ الارض و سیرھا رفعت کما ہی“ اور جب قیامت کا منظر ہوگا زمینوں کو  
زلزلے آئیں گے اس وقت یہ زمین پوری کی پوری مجسم اٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی۔ اور  
جنت کا بہترین طبقہ قرار دی جائے گی۔ اور اس میں انبیاء مرسلین اور اولوالعزم پیغمبران فروکش  
ہوں گے اور وہ پورا طبقہ کو کعبہ دری کی مانند چمکتا ہوگا اور وہ زمین فخر و مباہات کرنی ہوگی اور کہتی ہو  
گی میں وہ مقدس پاک اور مبارک زمین ہوں جس کی آغوش میں سید الشہداء سید شباب اہل الجنۃ  
ابو عبد اللہ الحسین کا جسد مبارک جلوہ افروز ہے۔ مجھے زمین کعبہ پر فخر حاصل ہے۔ الخ۔ معالم الزلفی  
ص ۳۰ طبع ایران

## زمین کر بلا کی خریداری کے بعد بنی اسد سے وصیت:

جناب حکیم محمد حسن صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے دوسری ہی محرم  
الحرام ۱۱۰ھ کو چار میل زمین ساتھ ہزار درہم میں خرید لی۔ اس کے بعد اس زمین کو انہیں کے نام  
سہہ کر کے ذیل کی وصیتیں فرمائیں۔

- ۱۔ جہاں ہماری قبریں بنیں وہاں پر کاشت نہ کرنا۔
- ۲۔ ہمارے زائروں کو ہماری قبروں کے نشانات بتاتے رہنا۔
- ۳۔ ہمارے ہر زائر کو تین شبانہ روز مہمان رکھنا۔

۴۔ جب ہم قتل کر دئے جائیں اور ہماری لاشوں کے دفن کی فکر کرنا اگر ہر ایک علیحدہ علیحدہ دفن نہ کر سکو تو ایک گڑھا کھود کر سب کو دفن کر دینا۔

مردوں سے اس وصیت کے بعد عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اگر تمہارے مرد خوفِ حاکم سے ہمیں دفن نہ کریں تو انہیں غیرت دلا کر ہماری لاشوں کو تہ خاک چھپا دینا۔

پھر بچوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے بچو! اگر تمہارے ماں باپ ہمارے دفن میں اغماض کریں تو تم سب ایک ایک مٹھی خاک لے کر ہمارے اجساد بے سر پر اس قدر ڈالنا کہ ہم غریب الدیار لوگوں کی لاشیں چھپ جائیں۔ ”جالس عز“ ص ۶۰ و ص ۶۳ طبع میرٹھ ۱۹۱۲ھ

### حضرت امام حسین کے نام ابن زیاد کا پیام:

محرم کی دوسری تاریخ ہے اور دن کا بڑا حصہ خرید و فروخت زمین کر بلا اور دیگر انتظامات میں گزر چکا ہے کہ ناگاہ ابن زیاد محلون کا خط امام حسین علیہ السلام کے نام پہنچا۔ جس میں مرقوم تھا۔

ترجمہ: اے حسین تمہارے کر بلا پہنچنے کی خبر ملی۔ اور  
یزید کا خط بھی ملا۔ وہ مجھے لکھتا ہے کہ میں اس وقت  
تک چین سے نہ بیٹھوں اور پیٹ بھر کھانا نہ  
کھاؤں۔ جب تک یا تم سے بیعت نہ لے لوں یا  
تمہیں قتل نہ کر ڈالوں۔

امام بعد یا حسین فقد بلغنی  
نزولک بکربلا وقد کتب الی امیر  
المؤمنین یزید ان لا اتوسد الوثیر  
ولا اشبع من الخمیر الا الحقک یا  
اللطیف الخیر۔ اور ترجع الی  
حکمی وحکم یز بن معاویہ

ابن زیاد دید نہاد کا نامہ برخط لئے ہوئے حضرت سید الشہداء کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔  
آپ نے خط پڑھا۔ اور زمین پر پھینک کر فرمایا۔ ”لا افلس قوم اشترو امرضاة المخلوق  
بسخط الخالق“ وہ قوم نجات نہیں پاسکتی جو رضاے مخلوق کے لئے خالق کو ناراض کرتی ہے۔  
نامہ برنے جواب مانگا تو آپ نے فرمایا: ”ماله ذا عندی جواب لانه قد حقت  
علیه کلمة اعداب“ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے کہ اس کے واسطے عذاب  
معین ہو چکا ہے۔ تاریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۰

۱۔ صاحب خلاصۃ المصاب کی اس تحریر سے جو انہوں نے روایت عبد اللہ ابن اسودؓ کو ایک قافلہ کا زمین کر بلا پر آنا  
لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ محرم الحرام کا ہے ۱۲ ص ۲۶۱

نامہ برنے ابن زیاد تک کل واقعہ پہنچا دیا۔ حضرت کا عذاب آسا جواب پاتے ہی ابن زیاد آتش زیر پا ہو گیا۔ اور آگ بگولہ ہو کر ابن سعد کو طلب کیا۔ ”جو“ ملک عجم میں قبیلہ ولیم کے مقام ”دستی“ پر باغیانہ قبضہ کو روکنے کے لئے چار ہزار کی فوج لئے ہوئے مقام ”حمام العین“ پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس سے کہا کہ قتل حسین کی زبردست مہم درپیش ہو گئی ہے۔ پہلے اسے سر کر لے۔ پھر ایران کی طرف رخ کرنا۔ عمر سعد نے کچھ تکلف کیا۔ اور چپکچاہٹ ظاہر کی۔ بقول صاحب ناسخ ابن زیاد نے ابن سعد کو دس سالہ ”رے“ کی گورنری دینے کا وعدہ کیا اور بقول دیگر مورخین ابن زیاد نے کہا کہ اگر تو اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا نہ اٹھائے گا تو وہ پروانہ حکومت ”رے“ جو دس سال کے لئے تجھے دیا گیا ہے واپس لے لیا جائے گا۔ (جلاء العیون ص ۱۹۶ نور الابصار ص ۱۱۷) عمر بن سعد نے سوچ بچار کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی مہلت ملی۔ گھر آیا۔ رات بھر بعض اصحاب رسول اور انصار چھپ چھپ کر اس کے مکان پر آئے اور اسے سمجھاتے رہے لیکن جب صبح ہوئی تو اس ملعون کی زبان پر چند شعر تھے جن میں سے ابتداء کے تین شعر ہیں۔

قو اللہ ما ادری وانی لاحائر اف کسوفی امیری علی خطری  
اللہ تعالیٰ کی قسم سخت حیراں ہوں اور دواہم امروں کے بارے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو اختیار کروں اور کسے ترک کروں۔

لا تترك ملک الرے والرے میتی ام اصبح ما ثوما بقتل حسین  
آیا ملک رے کو چھوڑ دوں اور آنحالیکہ وہ میری اہم تمنا کا مرکز ہے۔ یا قتل حسین سے گناہ گار بن جاؤں۔  
حسین بن عمی والحوادث جمۃ لعمری ولی فی الرے قرة العین  
حسین میرا چچا زاد بھائی ہے اور بڑے حوادث میں گھرا ہے لیکن اپنی قسم ملک رے کی گورنری میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک موجود ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے جب ان اشعار کو سپردنوک زبان کیا۔ ہاتھ غیبی نے آواز دی  
الا ابھا النسل الذی خاب سعبہ وراح من الدنیا بخسة عین  
اے وہ فاسد النسب جس کی کوشش برباد ہو کے رہے گی اور جو دنیا سے بری طرح اٹھے گا  
ستصلی حجیما لیس لطیفی لہیہا وسعیك من دون الرجال بشین  
عقرب تو ایسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جس کے شعلے بھڑکتے ہی رہیں گے۔ اور  
تیری سخی بدترین ثابت ہوگی۔

وانت تراء اشرف الثقلین

اذا كنت قتال الحسین بن فاطم



اور جبکہ توحسین بن فاطمہ کو اشرف کائنات جانتے ہوئے ان سے مقابلہ پر آمادہ ہو رہا ہے

فلا تحسینی المرے یا اخسر الوری تقو زیہ من بعد قتل حسین

تو یہ بھی جان لے اے بدترین خلاق کہ تو قتل حسین کے بعد حکومت رے پر فائز نہ رہے گا۔  
الغرض صبح ہوتے ہی ابن سعد ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوا۔ ابن زیاد نے مسجد جامع میں خطبہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ کون بہادر ہے جو حسین کو قتل کر کے دس سال کے واسطے مجھ سے حکومت رے کی گورنری لے کر آرام و چین کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص صحابی رسولؐ نے بڑھ کر کہا میں حاضر ہوں۔ میں حسین کو قتل کر کے امیر اور یزید کی رضا مندی حاصل کروں گا۔ (ناخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۰ تا ۲۳۲۔ و کتاب المیلان ابن فقیہ ص ۲۷۱)

### دوسری محرم کو حضرت امام حسین کا خطبہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زیاد کے نامہ بر کو سخت جواب دینے کے بعد اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ اور ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے:

”آپ نے فرمایا کہ اب میں اس منزل میں ہوں کہ اسے میں ہی جانتا ہوں اور دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور دم لہوں پر ہے اور لوگوں نے حق سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور باطل کو حق جان رہے ہیں۔ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ دنیا سے منہ پھیر لے اور اللہ تعالیٰ کا مشتاق ہو بیٹھے۔ کیونکہ شہادت ایک شرف ابدی ہے۔ (لیکن) ان دشمنوں کے ساتھ لڑ بھڑ کر اپنی زندگی ختم کر لی اور ان کی غلبگی سوامحت و مشقت اور تکلیف کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ یہ سن کر زہیر قین کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ مولا اگر دنیا ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے تو البتہ آپ کا فرمانا درست ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسی صورت میں جب زندگی صرف چند روزہ ہے۔ پھر آپ کی نصرت سے ہاتھ اٹھانے میں کیا فائدہ ہے۔ ان کے بعد ہلال بن نافع بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے۔ مولا! ہم لوگوں نے دل سے عہد کیا ہے اور آپ پر قربان ہونے کو سعادت ابدی جانتے ہیں۔ مولا! ہم ان منافقین میں سے نہیں ہیں جو عہد رسول ﷺ میں لے لے وعدے کرتے اور موقع پر دھوکا دیتے رہتے تھے۔ اور امیر المؤمنین و امام حسن کے ساتھ برا سلوک کرتے رہے۔ مولا! آج آپ بھی اسی قسم کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے ارادے بڑے مستحکم اور عزم بہت مضبوط ہیں۔ ہم انشاء اللہ آپ پر کمال دلیری کے ساتھ قربان ہوں گے۔ مولا! ہم آپ کے دوستوں کو دوست اور آپ کے دشمنوں

کو دشمن سمجھتے ہیں۔ جو آپ کا حکم ہوگا۔ بسر و چشم بجالائیں گے۔

پھر بریر بن خضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی طرح جانبازی اور جاں نثاری کے جذبات کا اظہار کیا امام حسین علیہ السلام نے اپنے ان جانبازوں کو دعائیں دیں اور اپنے اہل بیت کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں کلمات دعا عرض کئے۔ جلاء العیون ص ۱۹ طبع ایران ۱۳۰۷ء

### امام حسینؑ کا خط محمد حنفیہ کے نام:

حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ اسی دوسری محرم کو حضرت امام حسینؑ نے حضرت محمد حنفیہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں تحریر فرمایا تھا:

اما بعد۔ بس بدانید کہ ترک زندگانی کر دیم۔ دول بر شہادت گزاشتیم و دنیا را چنین قرار دادیم کہ ہر گز نہ بودہ و آخرت را باقی دوام می دانیم۔ و آخرت را بردنیا اختیار کر دیم۔ والسلام ترجمہ: بھائی! میں کر بلا پہنچ گیا ہوں اور اب زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ اور شہادت کی ٹھان لی ہے۔ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی جانتا ہوں۔ (اسی لئے) دنیا پر آخرت کو ترجیح دے دی۔ والسلام۔ جلاء العیون ص ۱۹۶۔

علامہ شیخ جعفر شوستری کتاب المواعظ والبرکاء کی دوسری مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ”آج دوسری محرم ہے۔ دیکھئے آج ابن زیاد نے کثرت سوار پیادہ سے کوفہ سے قادسیہ یا قسطنطنیہ تک تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص آج نجاب کی مدد کے لئے نہ پہنچ سکے۔ یا کوئی آنحضرت کی طرف سے کوفہ نہ پہنچ سکے۔ ہم روحانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت اموی لشکر میں محصور ہو چکے ہیں۔ اور یزیدی فوجوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں۔ آنحضرت کے اس گھیرے کو حرمین یزید ریاحی نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہم اس کا مخلص کتاب بحار الانوار سے پیش کرتے ہیں۔ حضرت حشر یزید کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں: ”ارے تم نے اللہ تعالیٰ کے اس عبد صالح کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ اس نے قبول کیا۔ تو اس پر تم نے انہیں تمام اطراف و جوانب سے گھیرے میں لے لیا۔ اور سانس لینے کا راستہ بھی تنگ کر دیا۔ ان لوگوں نے امام حسین کو ان کے جد پاک کے حرم سے علیحدہ کیا۔ پھر انہوں نے بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس دارالامان میں بھی امن سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں تک کہ آپ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے وارد زمین کر بلا ہوئے۔ ذرا امامت کی مظلومیت اور مصیبت کو دیکھئے۔ جو شخص راستے میں ملتا ہے۔ عرض کرتا ہے۔ یمن چلے جائیے وہاں آپ کے شیعہ ہیں۔ کبھی کوئی کہتا ہے کہ فلاں پہاڑ میں پناہ

لیجئے۔ آخر کار سرکار سید الشہداء نے فرمایا۔ ”اے فلاں! اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں بھی چلا جاؤں اور وہاں منزل اختیار کروں اور پناہ گزین ہو جاؤں تب بھی یہ دشمن مجھ سے دست کش نہ ہوں گے“ یہی خیال نہ کیجئے کہ آں حضرت کی مصیبت تیر، تلوار نیزہ، خنجر کی مصیبت تھی۔ آنحضرت کے مصائب میں سے ایک عظیم مصیبت یہ تھی کہ آپ جس راستے سے گزرتے تھے۔ ایام حج ہونے کی وجہ سے راستے انسانوں سے لٹے پڑے تھے لیکن ان قافلوں کے لوگ آنحضرت سے کنارہ اختیار کرتے تھے۔ تاکہ حضور طلب اعانت نہ فرمادیں۔ (الارشاد۔ والعراض ۱۳۳۔ طبع لاہور)

۳ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

### عمر ابن سعد کا کر بلا پہنچنا

تیسری محرم الحرام کو عبید اللہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو قتل حسین پر آمادہ کیا اور پانچزار یا چھ ہزار سوار اور بقول علامہ عسکری ۲۲ ہزار سوار و پیادے دے کر روانہ کر بلا کیا۔

(ناخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۲۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۳۳۳۔ کسیر التواریخ ص ۶۹)  
علامہ ساوی لکھتے ہیں کہ ”ابن سعد کی روانگی کے بعد ابن زیاد نے عام منادی کرائی کہ جو کوئی سوار یا پیادہ کوفہ میں رہ جائے گا اور کر بلا نہ جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی کے بعد ایک مرد مسافر کوفہ میں دیکھا گیا۔ اس کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ ابن زیاد نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا میں شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں ایک شخص کے ذمہ میرا قرض ہے۔ قرض لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر بھی ابن زیاد نے حکم دیا۔ اگرچہ یہ شخص کوفہ کا رہنے والا نہیں ہے مگر اس کو بھی قتل کرو۔ تاکہ لوگوں کو کامل عبرت ہو۔ اور کوئی مرد کوفہ میں باقی نہ رہے۔

(ترجمہ البصائر لعین ساوی ص ۱۸ طبع حیدر آباد ۱۳۵ھ الاخبار الطوال ص ۲۵۲)  
الغرض عمر بن سعد کر بلا پہنچا اور اپنا خیمہ فرات کے اس پار مشرقی سمت میں نصب کیا۔  
(تاریخ کاغونی ورق ص ۲۷ بحوالہ مقتل ابی مخنف) اس کے بعد حضرت امام حسین کے پاس کثیر بن عبد اللہ ثعنی کو بھیجا کہ جا کر امام حسین سے دریافت کرے کہ وہ اتنی لمبی مسافت طے کر کے کیوں تشریف لائے ہیں۔ جب وہ قریب پہنچا۔ حضرت ابو ثمامہ حیداوی نے فرمایا کہ سلاح جنگ اتار کر حضرت کی خدمت میں جاسکتے ہو۔ اس نے سلاح جنگ اتارنے سے انکار کیا۔ آپ نے اسے واپس کر دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بھیجا۔ حضرت زہیر قین آگے بڑھے اور اسلحہ اتروا دیئے۔

قرۃ نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عمر بن سعد کی پیغام رسانی کی۔ حضرت نے فرمایا ”اہل کوفہ نے بارہ ہزار خطوط لکھ کر طلب کیا ہے۔ اسی بنا پر میں آیا ہوں۔ اب اگر میرا آنا تم لوگ پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں“

قرۃ نے واپس آ کر حضرت کی ساری گفتگو ابن سعد کے سامنے دہرا دی۔ اس نے کہا کہ انشاء اللہ صلح ہو جائے گی۔ اسی امید صلح پر ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا کہ: میں نے کربلا پہنچ کر امام حسین سے اس طرف آنے کا سبب دریافت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خطوط لکھ کر بلایا گیا ہے۔ لیکن بہر صورت میرے آنے کو اہل کوفہ پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں“

حسان بن قادم علیی کہتا ہے کہ جب ابن سعد کا نام پہنچا تو میں دربار میں موجود تھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔ ”آلان عنقت فحالنا بہ یرجو النجاة ولات حسین مناص“ امام حسین۔ اب جبکہ ہمارے جنگل میں آگے ہیں۔ جان بچانا چاہتے ہیں۔ بھلا اب چھکارا کہاں ممکن ہے۔ اس کے بعد عمر بن سعد کو لکھا

”فقد بلغنی کتابک وفہمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یتابع لیزید ہو و جمیع اصحابہ فاذا فعل ذالک راینما فیہ راینما“

تراخط مجھے ملا۔ میں نے اسے سمجھا۔ جواباً لکھا جاتا ہے کہ حسین کے سامنے بیعت یزید پیش کر۔ اگر انہوں نے اپنے اصحاب سمیت بیعت کر لی۔ تب میں ان کے بارے میں سوچوں گا۔

خط پڑھ کر ابن سعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حسین سے جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی صورت بھی بیعت نہ کریں گے۔ (ناخ جلد ۶۔ ص ۲۳۵۔ روضۃ الشہداء ص ۳۰۴)

**حبیب ابن مظاہر کا امداد طلبی کے لئے قبیلہ بنی اسد میں جانا:**

تیسری تاریخ کی شام آگئی ہے، حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، مولاً بنی اسد ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔ امام نے فرمایا۔ تم جا سکتے ہو۔ حبیب رات کے تاریک پردے میں ان لوگوں کے پاس جا پہنچے۔ اور ان سے اپنی رشتہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے فرزند رسول علیہ السلام کی اعانت و امداد کی طرف انہیں متوجہ کیا۔ نوے (۹۰) اسدی امداد کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

امام حسین کے بچنے کے دوست ”حبیب“ ان لوگوں کو لئے ہوئے آ رہے تھے کہ انہیں

میں کا ایک شخص چپکے سے ابن سعد کے پاس جا پہنچا اور اس سے واقعہ کو بیان کر دیا۔ عمر سعد نے ازرق شامی کی سرگردگی میں چار سو سواروں کا لشکر اس کمک کے روکنے کے لئے بھیج دیا۔ اس لشکر نے اسدیوں سے مزاحمت کی اور باہم جنگ ہونے لگی۔ اسدی بہادر تھوڑے تھے۔ تاب مقادمت نہ لا سکے۔ اور مجبوراً واپس ہو گئے۔ حضرت حبیب سرکار حسینی میں حاضر ہوئے اور واقعہ نقل کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اظہار تاسف فرمایا۔ تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۵ ومعة الساکہ صفحہ ۳۲۲

### ۴ محرم الحرام یوم شنبہ

عمر بن سعد کے خط کا جواب لکھنے کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں اجتماع کرایا اور منبر پر جا کر کہا۔ ایہا الناس! اے لوگو تم نے آل ابی سفیان کو اچھی طرح جانچا ہے۔ اور انہیں بڑا رحم و کرم والا پایا ہے ان کے نوازشات لوگوں پر کس قدر عام ہیں۔ اب تمہارے سامنے اس وقت حاکم شام یزید ہے۔ دیکھو وہ کتنا لائق ہے۔ اپنی رعیت کو کس قدر چاہتا ہے اور اس پر کس درجہ مہربان ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ تم پر مزید انعامات و اکرامات کو دافر کروں۔ اور تمہارے لئے خزانوں کے منہ کھول دوں ”واخر حکم الی حرب عدوہ الحسین فاسمعوا لہ واطیعوہ“ اور تمہیں یزید کے دشمن حضرت امام حسین سے لڑنے کے لئے بھیج دوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس بارے میں اس کی بات کو کان دھر کے سنو اور اطاعت گزاری میں سر سے گزراؤ۔

اس کے بعد منبر سے اتر۔ ”وامرہم ان یخسر جوا الی حرب الحسین ویکنوا عوناً لابن سعد علی حربہ“ اور ان لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً حسین سے لڑنے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ اور کربلا جا کر ابن سعد کے معین بنیں۔ ”فاول من خرج شمر بن ذی الجوشن فی اربعة الاف“ یہ سن کر کثیر افراد کربلا جانے کو تیار ہو گئے۔ اور سب سے پہلے جو کربلا روانہ ہوا وہ شمر ذی الجوشن تھا۔ اس کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ ”فضار ابن سعد فی تسعة الاف ثم اتبعه یزید بن رکاب الکلبی فی الفین و الحصین بن نمیر السکونی فی اربعة الاف و مضائر بن رھینۃ المازنی فی ثلاثة الاف و نظربن خرشد فی الفین فذلک عشرون الفا“

علامہ محمد باقرؒ لکھتے ہیں کہ شمر کے لشکر کو ملا کر ابن سعد کا لشکر نو ہزار ہو گیا۔ پھر ابن زیاد نے شمر کے بعد ابن رکاب کو دو ہزار اور حصین بن نمیر کو چار ہزار اور مضائر بن رھینسیہ کو تین ہزار اور نظربن خرشد کو دو ہزار سواروں کے روانہ کر بلا کر دیا۔ جس کا مجموعہ بیس ہزار ہوتا ہے۔ ومعة ساکہ ص ۳۲۲

## ۵/ محرم الحرام ۶۱ھ یوم یکشنبہ

علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔ ”ثم ارسل الى شيث ابن ربيعي النخ“ بیس ہزار پر مشتمل لشکر بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے شیث بن ربیع کو طلب کیا۔ اس نے حاضری میں تامل سے کام لیا۔ تو اسے تہدید کی خط لکھ کر بلا دیا۔ جس کا آخری جملہ یہ تھا۔ ”ان كنت في طاعتنا فاقبل الينا مسرعا“ اگر تیری گردن میں میری اطاعت کا طوق ہے تو فوراً حاضر خدمت ہو جا۔ ابن ربیع دربار میں حاضر ہوا۔ اسے چار ہزار سوار دے کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کے لئے کر بلا روانہ کر دیا۔ اس کے بعد عروہ بن قیس کو بلا کر چار ہزار لشکر کا سردار اور سنان بن انس کو دس ہزار لشکر کا سردار اور محمد بن اشعث کو ایک ہزار اور عبداللہ الحسین کو ایک ہزار پر مشتمل لشکر کا سردار بنا کر روانہ کر بلا کیا۔ یہ سارا لشکر کوفہ سے روانہ ہو کر کر بلا پہنچا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں جا اتر اومعہ سا کہہ ص ۳۲۲ و ناخ التواريخ جلد ۶ ص ۳۳۳

## ۶/ محرم الحرام ۶۱ھ یوم دوشنبہ

کوفہ سے لشکر کی آمد کا تاثر تباہ کن ہوا ہے اور ابن زیاد پل پل پر عمر بن سعد کو ابھار رہا ہے کہ حسین سے جنگ کرنے میں پوری دلیری سے کام لے۔ چنانچہ آج جو خط پہنچا ہے۔ اس میں مرقوم ہے۔ ”انسی لم اجعل لك علة في كثرة الخيل والرجال“ عمر سعد دیکھ میں نے لشکر کی کثرت کے ذریعہ سے تیرے لئے نہیں چھوڑا کہ تو قتل حسین سے پہلو تہی کرے۔ ذرا ہوش کر تیری خبر صبح و شام میرے پاس پہنچ رہی ہے۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔ ”وكان ابن زیاد لعنه الله يستحث عمر بن سعد لسته ايام مصنين من المحرم“ کہ ابن زیاد نے چھٹی محرم کو اس نے عمر بن سعد کو تحریر کیا کہ قتل حسین میں بہانہ تلاش نہ کرنا۔ میرے پاس لشکر بہت ہے۔ صرف کوفہ کے لشکر میں جو میں تیرے پاس بھیج چکا ہوں ۸۰ ہزار ہیں جن میں ایک بھی شامی اور حجازی نہیں۔ (ومعہ سا کہہ ص ۳۲۲) اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو مخنف لکھتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر میں صرف کوفہ کے باشندے ۸۰ ہزار تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے ابن زیاد کے لشکر والوں کی تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تحریر کی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ ناخ التواريخ جلد ۶۔ صفحہ ۳۳۳

علامہ محمد باقر بروایت ابی مخنف لکھتے ہیں۔ ”فتکامل العسکر ثمانون الف فارس من اهل کوفه ليس منهم شامي ولا حجازي وسار واحتج نزولوا قريبا من عسکر الحسين“ لشکر برابر کر بلا بھیجا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی ہزار کوئی جن میں ایک بھی شامی اور حجازی نہ تھا۔ کر بلا جا پہنچا اور امام حسین علیہ السلام کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ ومعہ ساکبہ ص ۳۲۲ جن میں خولی بن یزید اصبحی دس ہزار اور کعب بن طلحہ تین ہزار اور جبار بن الحر ایک ہزار سواروں سمیت شامل تھے۔ ناخ التواريخ ج ۶ ص ۲۳۳ اور بروایت امام زین العابدین علیہ السلام ابن جنودنا مسعود در روز ششم محرم در کر بلا جمع شدند یہ لشکر والے چھٹی محرم کو کر بلا میں جمع ہو گئے۔ جلاء العیون ص ۱۹۷

### خولی بن یزید اصبحی کا خط ابن زیاد کے نام:

مورخین لکھتے ہیں کہ ابن سعد کو چونکہ یہ خیال تھا کہ اگر امام حسین سے جنگ نہ کرنی پڑے تو بہتر ہے۔ لہذا تخیل میں اس نے حضرت سے کئی مرتبہ گفتگو کی۔ خولی بن یزید اصبحی ملعون کو جب اس خفیہ بات حجت کی اطلاع ملی۔ تو اس نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔

”اما بعد: ایہا الامیر ان عمر بن سعد ینخرج کل لیلۃ ویبسط بساطا و یدعوا الحسین و یتحدثان حتی نمصی من اللیل شطره وقد ادرکتہ علی الحسین الرحمة والرافۃ فامرہ ان ینزل عق حلمک و یضیر الحکم لی و اتا الفیک امرہ.“ (ناخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۶ طبع ایران)

اے امیر! عمر بن سعد رات کے تاریک پردے میں ایک علیحدہ مقام پر جا کر امام حسین کو بلاتا ہے۔ اور چادر بچھا کر بیٹھتا ہے۔ اور کافی رات گئے تک دونوں بات چیت میں مشغول رہتے ہیں۔ میں تو اسے حسین پر بڑا مہربان پاتا ہوں۔ میرے خیال میں تو عمر سعد کو حکم دے کہ وہ استغفی دے کر مجھے ذمہ دار بنادے پھر دیکھ میں کیسا کام کرتا ہوں۔

اس خط کا پہنچنا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً عمر سعد کو خط لکھا:

### ابن زیاد کا خط عمر سعد کے نام:

ابن سعد!	اما بعد یا بن سعد قد بلغنی انک
مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو ہر شب اپنے خیمہ سے نکل کر	تخرج فی کل لیلۃ ویبسط بساطاً
امام حسین کو بلاتا ہے اور ان سے رات گئے تک	تدعوا الحسین و تتحدث معہ حتی

یَمْضَى مِنَ اللَّيْلِ شَطْرَهُ فَإِذَا قَرَأَ  
كِتَابِي فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْزِلَ عَلَيَّ حَكْمِي  
فَأَنْ اطَّاعَ وَالَا أَضْعَهُ مِنْ شَرْبِ مِنْ  
الْمَاءِ فَانِي حَلَّتْهُ عَلَيَّ الْيَهُودُ  
وَالنَّصَارَى وَحَرَمْنَهُ عَلَيَّ وَعَلَى  
هَلْبِيَّتِهِ فَحَلَّ مِينَ الْحُسَيْنِ  
وَاصْحَابِهِ وَبَيْنَ الْمَاءِ فَلَا يَذُوقُوا  
مِنْهُ قَطْرَةً كَمَا ضَعَّ بِالْبَقِيَّ النَّحْيِ عُمَانِ  
أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ الْمَظْلُومِ. (ناسخ ج. ۶.  
صفحة ۲۳۶. اخبار الطوال دنیوی  
ص ۲۵۲. طبری جلد ۱ ص ۳۹۲  
البدایہ والنہایہ. جلد ۸ ص ۱۷۵)

باتیں کرتا رہتا ہے۔ سن میرا خط پاتے ہی ان  
سے کہہ دے کہ وہ میرے حکم پر آ جائیں۔ اور  
اگر میرا حکم نہ مانیں تو ان کے لئے پانی روک  
دے۔ کیونکہ میں نے یہود اور نصاریٰ کے  
لئے پانی حلال اور آزاد کر دیا ہے لیکن حسین  
اور ان کے اہل بیت کے لئے حرام اور بند کر  
چکا ہوں۔ دیکھ ان کے اور پانی کے درمیان  
حائل ہو جا اور ایسا کر کہ وہ ایک قطرہ پانی کا نہ پا  
سکیں۔ جیسے کہ امیر المؤمنین عثمان غنیؓ نہیں پا  
سکے تھے۔

علامہ ہرودی لکھتے ہیں کہ چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر لشکر ابن  
زیاد عین کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب کے لئے مقرر ہوئے۔ موعاظہ حسینہ صفحہ ۲۳۸  
شب ہفتم میں پانی لانے کا واقعہ:

چھٹی کا دن گزر چکا ہے۔ اور پانی خیمہ میں باقی نہیں رہا۔ جاں نثاروں نے حسب  
دستور پانی لانے کی کوشش کی۔ چنانچہ تیس بہادر نہر فرات کی طرف پانی لانے کے لئے روانہ  
ہوئے۔ اور پانی لائے۔



(۷/ محرم الحرام ۶۱ھ یوم سہ شنبہ)

## ساقی کوثر کے پیاروں پر نہر آب فرات کی بندش

پسہر کاشانی لکھتے ہیں کہ

جب ابن زیاد کا خط ابن سعد کو ملا۔ اسے مطالعہ کرنے کے بعد ابن سعد بندش آب پر متوجہ ہوا اور عمر بن حجاج کو بلا کر اسے پانچ سو سوار حوالے کئے اور حکم دیا کہ نہر فرات پر ایسا مستحکم پہرہ ڈالے کہ حسین اور اصحاب حسین پانی نہ لے جانے پائیں۔ (اور یہ واقعہ ۷ محرم الحرام یوم سہ شنبہ کا ہے)

چوں ابن سعد بر مضمون ایں نامہ مشرف و مطلع شد بچارہ گشت و در زمان عمر بن حجاج را طلب داشت و اور ابایا نقد سوار بر شریعہ فرات بگماشت و فرمان کرد کہ حسین و اصحاب را زیر برداشتن آب مانع و دفع باشند و راه بشر یع نکذارند۔ و ایں واقعہ روز شنبہ ہفتم شہر محرم الحرام بود۔ (ناخ جلد ۶ ص ۲۳۷)

مورخ طبری لکھتا ہے۔

عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت بندش آب کے لئے معین کر دیا۔ حکم پاتے ہی عمر بن حجاج امام حسین وغیرہ اور پانی کے درمیان اس طرح حائل ہو گئے کہ یہ پیاسے ایک ایک قطرہ آب کے لئے ترس جائیں۔ اور یہ واقعہ قتل حسین سے تین دن پہلے کا ہے۔

فبعث عمرو بن حجاج علی خمسة مائة فارس فنزلوا علی شریعة و مالوا بین حین و اصحابہ و الماء ان یقوامنہ فطرة و ذالک قتل قتل الحسین ثلثا۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۳۱۶)

غرض کہ عمر سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نہر فرات پر بھیج دیا۔ اس کے بعد فوجی افسر حجر کو بلا کر چار ہزار سواروں کی سرکردگی میں غاضریہ کے گھاٹ پر متعین کر دیا۔ پھر شیت ابن ربیع کو بلایا اور ایک ہزار سواروں کا افسر بنا کر حکم دیا کہ تم یہ فوج لے کر گھاٹ پر جاؤ اور پانی روکو۔ یہ لوگ نہر فرات کے گھاٹ پر آ گئے اور پورے انہماک سے اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حسین اور ان کے بچے نہ پائیں۔ مقتل ابی محض ص ۳۲

الغرض یزید کے حکم سے ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا کہ۔

کافر تلک یحییٰ تو نہ تم منع کجیو پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو  
عمر سعد نے عمر حجاج وغیرہ کو حکم دیا کہ نہر پر مضبوط پہرہ رکھا جائے اور کسی طرح امام

حسین اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک پانی کا قطرہ نہ پہنچنے پائے۔  
دوسری کو خامس آل عبا داخل ہوئے ساتویں سے ظالموں نے بند پانی کر دیا

### بندش آب اور طعنہ زنی:

بندش آب ہی امام حسین کے لئے کیا کم مصیبت تھی۔ کہ اس پر عبد اللہ بن حصین نے ان لفظوں میں طعنہ زنی کی۔

یا حسین الانتظرون الی الماء کانه  
کبد السماء واللہ لا تذوقون منه  
قطرة واحدة حتی تموتوا عطشاً ناسخ  
جلد ۶ ص ۲۳۷۶. ذخیرۃ المال ورق  
۱۳۴. امالی صدوق ص ۸۲ مقتل  
عوامل. صواعق محرقة ص ۱۱۸

روایت ابن جوزی عمر بن حجاج نے پکار کر کہا:

یا حسین هذا الماء تلغ فيه الکلاب  
وتشرب منه خنازیر اهل السواد  
والحمير ولزئاب ولا تذوق منه  
والله قطرة حتى تذوق الحمیم فی  
نار حمیم (ناسخ جلد ۶ ص ۲۳۷)  
نور العین

اے حسین! کیا تم پانی کو نہیں دیکھتے کہ کس  
طرح کروٹیں لے رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم تم  
کو ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے۔ یہاں تک  
کہ تم پیاسے مر جاؤ۔

اے حسین دیکھو! اس نہر فرات سے کتے اور  
سور اور جنگلی جانور پانی پی رہے ہیں۔ لیکن تم اگر  
چاہو کہ پانی پی لو تو یہ ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ  
کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی پانی کا نہ دیں گے۔  
یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم کے گرم  
پانی سے سیراب ہو۔

حضرت امام حسینؑ کو بندش آب سے زیادہ اس طعنہ زنی کا صدمہ ہوا۔ ”و کمان  
سماع هذا الکلام علی الحسین اشد من معنهم اياه الماء“ آپ نے ابن حصین کے  
جواب میں فرمایا: ”اللهم اقبله عطشا ولا تغفر له ابدا“ خدایا اسے پیاس سے مار دے اور  
کبھی نہ بخش۔ (تذکرہ خواص الامۃ - صفحہ ۱۴۱ - طبع ایران)

### ابن خوشب کی طعنہ زنی پر حضرت عباسؑ کا غصہ

مورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ امام حسینؑ پر پانی بند کرنے کے بعد شہر ابن خوشب نے کہا۔  
”لا تشربوا منه حتی تشربوا من الحمیم“ اے حسین تم پانی سے پہلے جہنم کے آب گرم سے  
سیراب ہو گے۔ یہ سننا تھا کہ ”فقال العباس بن علی یا ابا عبد الله نحن علی الحق فشقنا قل

فقال نعم فركب فرسه و حمل بعض اصحابه على الخيول الخ“ کہ حضرت عباس عرض پرداز ہوئے۔ حضور! کیا ہم حق پر نہیں ہیں کہ پانی پر لڑیں، فرمایا حق پر ہیں۔ یہ سن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ (الامامة والسياسة - ج ۲ ص ۸ طبع مصر) اعجاز حسینی سے چشمہ کا جاری ہونا:

ساتویں کی صبح سے پانی بند ہے اور دن کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ اب امام حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے بہت پیاسے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک تیر یا پیلچہ دست مبارک میں لے لیا ہے۔ خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ تشریف لے جاتے ہیں اور اسے زمین پر مارتے ہیں۔ خوشگوار پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے۔ جو تھوڑی ہی دیر بعد ہمیشہ کے لئے ناپید ہو گیا۔ (ناخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۷، مقتل عوالم ص ۷۸، اعصم کوئی ص ۲۶۶، جلاء العیون ص ۱۹۸، ومعسا کہ ص ۳۲۳ طبع ایران)

### حضرت کے پانی کی دستیابی پر ابن زیاد کی برہمی:

چشمہ کے جاری ہونے کی اطلاع ابن زیاد بد نہاد کو دی گئی۔ وہ بہت برہم ہوا۔ اور اس وقت ابن سعد کو لکھا: ”اما بعد بلغني ان الحسين يحفر الابداد و يصيب الماء فيشرب هو واصحابه فانظر اذا ورد عليك كتابي فامنعهم من حضر الا يار ما استطعت و ضيق عليهم ولا تدعهم يذوقوا الماء و افعل بهم كما فعلوا با لذكى عثمان“ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ کنواں وغیرہ کھود کر پانی نکالتے اور پیتے ہیں۔ دیکھ میرے اس خط کو پاتے ہی انہیں اپنی پوری طاقت بھر کنواں کھودنے سے روک اور ان پر مکمل سختی کر اور بالکل پانی نہ پینے دے۔ ان کے ساتھ وہی کر جو عثمان کے ساتھ کیا گیا۔ (ناخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷)

### ۸ محرم الحرام ۶۱ھ یوم چہار شنبیہ

### شب ہشتم محرم کو حضرت عباسؑ کی سقائی

ساتویں کا دن گزرتے گزرتے خیمہ اہل حرم سے پانی بالکل ختم ہو گیا۔ اور اب وہ وقت آ گیا کہ امام حسین علیہ السلام کو طلب آب کے لئے اپنے برادر عزیز حضرت عباسؑ کو نہر فرات پر بھیجنا پڑا۔ علامہ ہروی لکھتے ہیں کہ شب ہشتم حضرت بربر ہمدانی سمیت بائیس آدمیوں کو لے کر نہر فرات پر گئے اور پانی لائے۔ (مواعظ حسنہ ص ۲۸۳)

مورخ ابو حنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ لکھا ہے:

”ولما اشتد بالحسين واصحابه العطش امر اخاه العباس بن علي و كانت امه من بني عامر بن صعصعه ان يمضي في ثلاثين فارساً و عشرين راجلاً مع كل رجل قربة حتى يا تو الماء في حاربوا من حال بينهم و بينه فمضى العباس نحو الماء و اما مهم هلال بن نافع حتى و نوا من الشريعة فممنهم عمرو بن حجاج مجاد لهم العباس على الشريعة بمن معه حتى اذا لوهم عنها و اقتحم رجالة الحسين الماء فملؤ قوبهم و دقف العباس في اصحابه يذبون عنهم حتى اوصلوا الماء الي عسكر الحسين“ اخبار الطوال ص ۲۵۲ تاريخ طبري ص ۳۱۳ ج ۲ تاريخ ابن اثير کامل ج ۳ صفحہ ۲۲

ترجمہ: جب امام حسین اور ان کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عباس بن علی کو حکم دیا جن کی ماں بنی عامر سے تھیں کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ ایسے پیدل جن کے پاس مشکیں ہوں کو لے کر نہر فرات کی جانب چل کھڑے ہوں اور جو بھی مزاحمت کرے اس سے لڑیں۔ یہ سن کر حضرت عباس نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ہلال بن نافع ان سب سے آگے آگے تھے۔ یہاں تک کہ لب نہر فرات جا پہنچے۔ یہ دیکھ کر عمر بن حجاج (جو ہلال کا عزیز تھا) مانع ہوا۔ حضرت عباس نے حملہ کر کے ان سب کو لب فرات سے ہٹا دیا اور مشک برداروں نے فوراً مشکیں بھر لیں۔ حضرت عباس دشمنوں کو روک رہے۔ اور مشکیزے خیموں میں پہنچ گئے۔ ”و لذلک سمی العباس سقاء“ اسی زبردست ستائی کی وجہ سے حضرت عباس کا لقب ”سقاء“ قرار پایا۔ (دمعة الساکہ ص ۳۲۳، تاریخ اشم کوئی ص ۲۶۶، تاریخ التواریخ جلد ۶ ص ۶۳، مقتل عوام ص ۷۸، تحفہ حسینہ ص ۱۱۶، الہوف طبع ایران ص ۳۶۹، جلاء العیون ص ۱۹۸ طبع ایران)

۱۔ بعض ارباب ظلم نے اس واقعہ کو ستائی کو روا کی افسانہ تسلیم یوم عاشورہ کو باطل کرنے کی خاطر ساتویں سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ تواریخ اور مقاتل کے عیادین واضح کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ شب ہشتم سے قبل کا نہیں ہے۔ میرے خیال میں اگر اس واقعہ ستائی کو شب ہشتم کا واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ نہ اس سے کارنامہ عطش حسینی کی بجلی ہوتی ہے اور نہ تاریخ کی مخالفت اس لئے کہ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا مسلمہ ہے اور تین دن کی پیاس بھی مانی ہوتی ہے۔ اب اگر ساتویں ہی سے پیاس مانا جائے تو عاشورہ تک تین دن کے بجائے چار دن ہوتے ہیں۔ یعنی ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰ جو تاریخی نقطہ نظر سے ناقابل تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں لاحالہ ماننا پڑتا ہے کہ ساتویں سے پانی بند ہوا۔ لیکن ناشب ہشتم توڑا بہت بانی دستیاب ہوتا رہا۔ پھر صبح ہشتم سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا۔ اس طرح تین دن ۸۔ ۹۔ ۱۰ محرم سے حسین اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے خندرات عصمت اصحاب و انصار کا پیاسا ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر کر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمر بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا۔ لیکن آپ ۲۰ مشکیں بھر لائے۔ (انسانیت موت کے دروازہ پر)

جناب عبدالحمید خاں صاحب ایڈیٹر سالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں۔

بہر حال ظالموں اور کوفیوں نے پانی بالکل بند کر دیا اور ایک ایک قطرہ کے لئے ترسانے لگے۔ یہ انتظام ان بے رحموں نے ساتویں محرم سے کیا تھا۔ جناب امام عالی مقام نے حضرت عباس کو جو آپ کے برادر عالی قدر تھے۔ حکم دیا کہ یا اخی اخص 'اے جان برادر جاؤ اور فرات سے پانی لاؤ۔ پس حکم امام پا کر جناب عباس تیس سو اور بیس پیدل لے کر اور بیس مشکیں کا ندھوں پر ڈال کر پانی لانے کے لئے فرات پر تشریف لے گئے۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ جب کنار فرات پر پہنچے تو عمر بن الحجاج نے آواز دی۔ "تم کون لوگ ہو؟" یہ ظالم و شقی وہی ناپاک و نجس تھا جس نے امام سے دریدہ و فنی کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اس پانی کا قطرہ تم کو نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں جا کر جہیم پیو یہ دریا کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس نجس و ناپاک کتے کے بھونکنے پر ہلال بن نافع نے جواب دیا کہ میں ہوں تیرا چچا زاد بھائی اس نے کہا۔ خوب اچھی طرح بیو۔ اور تم کو یہ پانی گوارہ ہو۔ جناب ہلال بن نافع نے جواب دیا۔ تجھ پر لعنت ہو کہ مجھے تو پانی کی اجازت دیتا ہے۔ مگر فرزند رسول اللہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہیں ان کو پانی نہیں پینے دیتا۔ اس پر یہ شقی بولا۔ سچ ہے مگر مجھ کو تو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کروں گا۔ ہلال بن نافع نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس خبیث کی باتوں کی پرواہ نہ کرو اور اپنا کام کرو جس کام کے لئے تم آئے ہو۔ یزیدی بھی بڑھے اور جنگ شروع ہوئی۔ انصار امام دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ پانی سے مشکیں بھر رہا تھا اور دوسرا گروہ یزیدی اشتیاق سے لڑ رہا تھا۔ اور لڑنے والوں کو پانی بھرنے والوں تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔ اس طرح لڑتے بھڑتے حضرت عباس اور ان کے رفقاء اس ناپاک ہجوم سے بغیر وعافیت نکل آئے۔ اس معرکہ میں امام حسین کے اعوان و انصار میں سے کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور ساتی کوثر کے فرزند دلہند کے حضور میں پانی لانے میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ جناب امام حسین نے بھی پانی نوش فرمایا۔ اور سب اہل بیت اور ان کے ساتھیوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ اسی وقت سے حضرت عباس سقائے اہل بیت کے معزز خطاب سے مفتخر ہوئے۔

(شہید اعظم عرف بڑا شہادت نامہ ص ۱۲۵ طبع دہلی)

### حضرت عباسؓ کا سقا ہونا:

منصب سقایت چونکہ جلیل القدر منصب ہے۔ لہذا امام حسینؓ نے اس منصب کا حامل حضرت عباس کو قرار دیا تھا۔ مورخ بطلانی لکھتے ہیں۔ "وقدر لاختیہ العباس سقایۃ العطشان" کہ حسین نے اپنے بھائی عباس کو پیاسوں کی سقائی کا منصب عطا فرمایا۔ (تحفہ حسینیہ)

ص ۱۷۸) اور چونکہ آپ نے اپنے فریضہ منہی کی ادائیگی میں پوری جان بازی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ آپ کے دست مبارک بھی کاٹے گئے۔ اسی لئے آپ کا لقب ”سقا“ قرار پایا۔

مورخین لکھتے ہیں ”و یلقب السقاء لانه استسقى الماء لایحیه الحسین علیہ السلام یوم الطف“ آپ کا لقب سقا اس لئے قرار پایا کہ آپ نے معرکہ کربلا میں پانی کے حصول میں بے حد کوشش کی۔ (عمدة الطالب، مقتل عوالم ص ۹۴، مناقب ج ۳ ص ۹۷ منہج المقال قلمی)

عبدالرزاق موسوی ”قمر بنی ہاشم“ صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ محرم کے عشرہ بھر چونکہ حضرت عباس امام حسین اور ان کے اہل بیت کے لئے پانی کا انتظام کرتے رہے اس لئے آپ کو سقا کے لقب سے یاد کیا گیا۔ جیسا کہ ابوالحسن نے مجدی میں داودی نے عمدة الطالب میں ابن اور لیس نے مزار ابرائز میں، دیار بکری نے تاریخ خمیس میں، نویری نے نہایت الارب میں، بخاری نے نور الابصار میں قاضی نے کیریت احمر میں بیان کیا ہے۔

**ابن حصین ہمدانی کا ابن سعد کی فہمائش کو جانا:**

آٹھویں کی رات گزری صبح ہو گئی اور پیاس کا غلبہ حد سے بڑھ گیا۔ تو یزید ابن حصین ہمدانی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ جا کر ابن سعد کی فہمائش کریں۔

سپہر کا شانی لکھتے ہیں کہ بامداداں کہ بعد از سقایت عباس اصحاب محتار، آب شدند بروایت شرح شافعیہ ومطالب السؤل یزید بن حصین ہمدانی محضرت حسین آمد و عرض کرد یا بن رسول اللہ اگر اجازت رو دو عمر سعد را دیدار کنم۔ باشد کہ از غوایت باز آید۔ الخ

حضرت عباس کی سیرابی کے بعد صبح ہوئی اور اصحاب بے حد پیاسے ہو گئے تو بروایت شرح شافعیہ ومطالب السؤل یزید بن حصین ہمدانی حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی مولا اگر اجازت ہو تو میں ابن سعد کے پاس جا کر اسے سمجھاؤں۔ شاید وہ گمراہی سے باز آ جائے۔ حضرت نے اجازت دی ابن حصین درانہ خیمہ ابن سعد میں گھس گئے اور سلام کئے بغیر گفتگو شروع کر دی۔ ابن سعد نے کہا کہ اے ہمدانی تم نے سلام نہیں کیا۔ کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔ ابن حصین نے فرمایا تو مسلمان ہوتا تو فرزند رسول کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کرتا۔ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بندش آب کا ارتکاب کیسے کرتا۔ اے ابن سعد وہ پانی جسے کتے اور سور تک پیتے ہیں۔ حسین اور ان کے بچوں کے لئے حرام ہے۔ تو نے پانی بند کر رکھا ہے اس کے بعد بھی اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ یہ سن کر عمر سعد شرمندہ ہوا۔ ”فقبال یا اخی حمداں ما اجد

نفسی تحجینی الی ترک الرائے بغیری“ اور کہنے لگا کہ میں تو اپنے نفس کو اس بات پر راضی نہیں پاتا کہ ملک رے کی حکومت دوسرے کے سپرد کر دے۔ یہ سن کر ابن حصین واپس تشریف لائے اور خدمت امام میں حاضر ہو کر عرض پرواز ہوئے۔ مولانا عمر بن سعد ملعون حکومت رے کے لالچ میں آپ کے قتل کو ضروری جانتا ہے۔ اور کسی طرح اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا۔  
(ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۸ طبع ایران)

### خیموں کے گرد خندق کھودنے کا حکم:

علامہ شہبازی لکھتے ہیں کہ: یزید بن حصین نے عمر سعد کی گفتگو عرض کی تو آپ نے یقیناً جنگ پر خندق کھودنے کا حکم دیا۔

فلما عرف الحسين ذالك منهم  
تيقن ان القوم مقاتلوه فامر اصحابه  
فاحتفروا حفيرة شبيهة بالخندق  
وجعلوا جهته واحده يكون القتال  
منها. نور الابصار ص ۱۱۷ طبع  
مصر، نور العينين ص ۵۱ طبع يمني

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے خیالات معلوم کئے تو یقین کر لیا کہ یہ ضرور لڑیں گے تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ تمام خیموں کو یکجا کر کے ان کے گرد ایک گڑھا خندق کی شکل کا کھودو۔ اور ایک جانب مقابلہ کے لئے راستہ رہنے دو۔ پھر ان لوگوں نے خندق کھودی۔

مورخ شہبیر مولوی سید علی حیدر صاحب لکھتے ہیں: پھر امام حسین کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دیں تاکہ وہ لڑائی کے وقت جلادی جائیں اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔ الخ (تاریخ آئمہ ص ۳۵۷)

### حضرت عباسؓ اور ان کے اہل بیت کا کنواں کھودنا

آٹھویں کا دن گزر رہا ہے۔ دھوپ کی حدت اور پیاس کی شدت نے جاں نثاران اسلام کے جگر کباب کر دیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنی اپنے بال بچوں اور اصحاب و انصار کی پیاس محسوس کر رہے ہیں پانی کے حصول کے لئے سیلیں سوچتے ہیں۔ لیکن دستیابی آپ کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ اب آخری صورت جو حضرت امام حسین کے سامنے ہے وہ ”چاہ کنی“ ہے یعنی آپ اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر مناسب تصور نہیں فرماتے۔ کہ سقائے سیکندہ کو حکم دیں۔ اور وہ کنواں کھود

کر پیاسوں کی سیرابی کی تسکین پیدا کریں۔

مورخ ابوحنیفہ اور علامہ ابن طاووس لکھتے ہیں:

واشد العطش بالحسين واصحابه  
واولاده فشكوا ذلك الى الحسين  
فلدعى باخيه العباس وقال يا اخي  
اجمع اهلبتيك واحضروا بنا ففعلوا  
ذلك فلم يجدوا فيه ماء فطمواها  
مقتل ابی محنف ص ۳۷ طبع بمبئی  
امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب و اولاد  
پر پیاس کی شدت ہوئی۔ تو ان لوگوں نے امام  
حسین کی خدمت میں شکایت کی تو حضرت  
عباس کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے اعزاء کو جمع کر  
کے کنواں کھودو۔ حضرت عباس نے سب کو جمع  
کیا اور کنواں کھودا۔ لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ تو  
اسے آپ نے بند کر دیا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم سے حضرت نے دیگر اہل بیت  
کی مدد سے ایک کنواں کھودا۔ لیکن بمشیت خداوندی پانی برآمد نہ ہوا۔ لیکن علامہ بسطامی نے جو  
افادہ فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن سعد نے یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ کنواں کھودا جا رہا  
ہے قبیل حکم ابن زیاد میں لشکر لے کر آیا اور کنوئیں کی کھدائی کو اس منزل تک پہنچنے سے پہلے کہ جہاں  
تک کھودنے کے بعد پانی برآمد ہوتا ہے۔ اس نے کنوئیں کو بند کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب شدت  
عطش حد سے بڑھ گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے بے حال ہونے لگے۔

برادر خود را طلبید و فرمود اہل بیت خود را جمع  
نماد چاہے بکن۔ حضرت عباس چاہے کند۔  
تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی  
حضرت عباس کو طلب فرما کر حکم دیا کہ اہل بیت کو  
جمع کر کے ایک کنواں کھودو حضرت عباس نے  
عمر سعد چاہہ را پر کرو۔

(تحفہ حسینہ ص ۲۳۲ طبع ایران) کنواں کھودا لیکن عمر سعد نے اسے بند کر دیا۔

واضح ہو کہ حضرت عباس علیہ السلام کو دو دفعہ کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ پہلی دفعہ کے حکم  
میں یہ موجود تھا کہ اپنے ہمراہ اہل بیت کو لے کر کنواں کھودو۔ اور دوسرے حکم میں اصحاب کی ہمارہی  
ہے۔ پہلا حکم آٹھویں تاریخ کو چاہہ کئی کا ملا تھا۔ جس کی طرف علامہ شیخ جعفر شومتری نے بھی اپنی  
کتاب مجالس المواعظ والبرکاء موعظہ ہشتم محرم الحرام میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا حکم نویں محرم  
الحرام کی صبح سے متعلق ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کثیر اصحاب اور غلاموں کی  
موجودگی کے باوجود شہزادوں کو کنواں کھودنے کا حکم کیوں دیا۔ اس کے جواب میں بعض مورخین



فرماتے ہیں۔ ”ان الحسین کان مامورا فی ذالک الیوم بان یامر اخوته وابنائہ واهلبیتہ خاصۃ لحضر البئر“ امام حسین علیہ السلام کو حکم خداوندی تھا۔ کہ آج کے دن اپنے بھائی بیٹوں اور اہل بیت کو خصوصیت کے ساتھ کنواں کھودنے کا حکم دیں۔ اور اس کی بھی افسری حضرت عباس علیہ السلام کو عطا کریں۔ ”وہنی الکرامۃ العظمیٰ“ جو ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ (مائیں ص ۴۴۷)

علامہ کثوری تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کا اعزاء و اقرباء کو کنواں کھودنے کا حکم دینا اور اتنی بڑی مشقت میں مبتلا کرنا بظاہر چار وجوہات پر مشتمل تھا۔  
 الاول اختیار ہم فی طاعة الامام و کسر سورة نفوسهم و تذللهم و نسوتهم یا صحابہ فی درجاتهم و مراتبهم کی لا یكونون مغرورین بالقراۃ التی لہم بالחסین فان اللہ یقول ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فان حضر البر من ہولاء الکرام مع وجود الاصحاب والعبيد بہن ظاہر لا ہلبیتہ ولما لم یستکفوا بل فعلوا ما امر وہ فقد صدق علیہم انہم کانوا ابروا فی من کل اہل بیتہ و ثانیہا۔ اختیار نسائہ الطاہرات فی تحمل مرضاتہ فان امہات ہولاء الکرام و اخواتہم و عماتہم و ازواجہم تذکن یرون باعینہن وہم یحضرون البر و فی ید کل واحد منہم فاس و ابدانہم ملطخۃ بالغراب کانہم اجراء و عمال فی تعمیر العمارات و مع ذالک لم ینزجون و لم یتکلن بکلمۃ تشعیر بعدم رضاهن بذالک بل لم یرو من احد اہل الانکار من ذلک ولا استنکاف و الافقد تعلم ما لہن من الغر و الشرف و قد کان یقضی عدم رضاہن بہ ذالک هذا و لکن تدبر یا اخی و ارجع الی فطرتک السلیمة فانہا تشہد علی انہ وان کن الطاہرین من النباۃ تابعات لمرضات امامہن و لکن اذا قام اہل المجد و الفخر تولیۃ امر مستہجن علی الظاہر فما یصیبہم من النحر و التحر و کیف یرضون بفعلہ ثم کیف ترضی المعظمتات المخدرات من النساء ان یرون اعزا اقریائہن فی تلك الذلۃ و الهوان و لا یکبھن عالیات و یحظرن بیالہن انہن فی مثل ذالک و المشہد قد اصابہن من الالم و الہموم ما اصابہن فظنی ان اصواتہن قد كانت عالیات بالبکاء۔ (ثالثہا) ان الحسین اذا دان یجعل اخاہ العباس فی ذالک المشہد سقاء کما جعل النبی عمہ حمزہ سقاء و قد زاد الحسین لایخہ فی

شرفه ان امره باتیان مقدمات السقی اولاً و منها حضر البراء الفیاء (رابعها) ان  
حضر تلك البراطن انه كان قریباً من خيام النبوة ابطاھرات ..... واذا كان حضر  
البراء فی مثل المقام فلا بد ان يحضرها اهل بیتہ الذین هم المحارم الطاھرات من  
النساء الخ (مائتین ۴۵۱، ۴۴۸)

(پہلی وجہ) یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اہل بیت کو جانچنا چاہا ہے کہ میری  
اطاعت میں وہ کس درجہ سرگرم ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نفوس کی تیزی کو توڑنا اور انہیں اصحاب  
کے برابر دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ان میں امام کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے غرور نہ پیدا ہو  
جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (قرابت نہیں بلکہ تقویٰ انسان کو باعزت بناتا ہے) بے  
شک اصحاب اور خدام کی موجودگی میں اہل بیت کرام کا کنواں کھودنا کھلی ہوئی توہین ہے۔

بہر صورت جب ان شاہزادوں نے حکم امام پر عذر نہ کیا اور کنواں کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ تو یہ  
بات ظاہر ہو گئی کہ یہ حضرات تمام اہل بیت میں وفا شعار اور جوش کردار ہیں۔ (دوسری وجہ) یہ تھی  
کہ امام حسین علیہ السلام ان بیبیوں کا بھی امتحان کر رہے تھے جو آپ کے ہمراہ تھیں۔ اور ان  
شاہزادوں کی ماں بہنیں، پھوپھیاں اور بیویاں تھیں۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھتی تھیں کہ یہ لوگ  
کنواں کھود رہے ہیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں بیچلے ہوئے ہیں اور ان کے جسم خاک میں اٹے ہوئے ہیں۔  
گویا وہ مزدور اور معمار کی صورت میں ہیں۔ لیکن دم نہیں مارتی تھیں اور کوئی جملہ ایسا منہ سے نہ کہتی  
تھیں جس سے اس فعل پر عدم رضا ظاہر ہوتی ہو۔ اور کسی راوی نے اس امر کی روایت نہیں کی کہ ان  
عورتوں نے اس فعل کو ناپسند کہا ہو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ان کی بلند عزت اور خاندانی شرافت اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ اس سخت کام پر رضا  
مند نہ ہوتیں۔ لیکن برادر! بات تو یہ ہے کہ جب تم عقل سلیم پر زور دے کر سوچو گے تو معلوم ہوگا  
کہ ان لوگوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی اگرچہ یہ پاک عورتیں تھیں اور ابام کی رضا  
پر راضی رہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ جب صاحبان مجد و فخر کسی ذلیل کام کے ذمہ دار بن جائیں اور  
انہیں ذلت کا کام کرنا پڑے تو ضرور رنج و الم اور غم و افسوس ہوتا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ یہ  
شاہزادے کیونکر اس فعل پر راضی رہے اور ان کی عورتیں اپنی آنکھوں سے اپنے اعزاء کو ذلیل کام  
کرتے دیکھ کر روئیں چلائیں نہیں اور رنجیدہ نہیں ہوں گی۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ضرور رو پڑی ہوں  
گی۔ ان کی صدائے گریہ ضرور بلند ہوئی ہوگی۔ (تیسری وجہ) یہ تھی کہ امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ  
اپنے برادر عزیز کو اس وقت اس طرح ساقی قرار دیں جس طرح حضرت پیغمبر اسلام ﷺ نے

اپنے چچا حضرت حمزہ کو ساقی بنایا تھا۔ اور اس کی صورت یہی تھی کہ مقدمات سقایت کو بھی عباس بنی سے ادا کرائیں جن میں کنواں کھودنا بھی داخل تھا۔ اسی لئے کنواں کھودنے کا حکم عباس کو دیا گیا۔ (چوتھی وجہ) یہ تھی۔ میرے خیال میں وہ جگہ جہاں کنواں کھودا جا رہا ہے۔ خیام اہل بیت علیہم السلام سے متصل تھی اس لئے ضروری تھا کہ ایسے لوگ کنواں کھودتے جو اہل حرم کے محرم اور قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان شہزادوں کو کنواں کھودنے کا حکم ملا تھا۔

۹ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو  
حضرت عباس اور علی اکبرؑ بھی ساتھ تھے

آٹھویں کا دن کنواں کھودنے، کھانے میں گزر گیا۔ اور نویں کی رات آگئی۔ حضرت امام حسین نے ابن سعد سے تمام حجت کے لئے آخری گفتگو کر لینی مناسب سمجھی۔ مورخین لکھتے ہیں:

پھر امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں لہذا تو رات کو دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے مل۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں اپنے اپنے خیموں سے ۲۰-۲۰ افراد کو لئے ہوئے نکلے۔ جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے علاوہ تمام اصحاب کو اپنے سے ہٹا دیا۔ اور عمر سعد نے بھی اپنے لڑکے اور غلام کو ہمراہ رکھا۔ اس کے بعد امام حسین نے فرمایا۔ اے عمر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تم مجھے قتل کرتے ہو۔ حالانکہ میں تمہارے ہی نبی ﷺ کا نواسہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسی میں خوش ہوگا کہ تم میرے ساتھ نیکی

ثم ارسل الحسين الى عمر بن سعد لعنه الله الى ايهدان اكلمك فالقضى الليلة بين عسكري وعسكرك فخرج اليه ابن سعد في عشرين وخرج اليه الحسين في مثل ذلك فلما اليقا امر الحسين واصحابه فتخووا عنه وبقى معه اخوه العباس وابنه علي الاكبر وامر ابن سعد اصحابه فتخووا عنه وبقى معه ابنه حفص وغلام له فقال له الحسين عليه السلام وبيلك يا بن سعد ما تشقى الله الذي اليه معادك اتقاتلني وانا من

علمت ذوهولاء القوم وكن معي فانه  
اقرب لك الى الله فعال عمر  
الحسين عليه السلام انا ابنيها لك  
فقال ان توخذ ضيعتي فقال الحسين  
انا اخلف عليك خيرا منها من مالي  
يا الحجاز فقال لي عيال و اخاف  
عليهم ثم سكت ولم يحبه الى شيء  
فالضرف عنه الحسين وهو يقول  
مالك ذبحك الله على فراشك  
عاجلا ولا غفر لك يوم حشرك فوالله  
انني لا رجوان لا تاكل من بر العراق  
الا يسيرا . فقال ابن سعد في  
الشعير كفاية عن البر مستهزئ  
بذلك القول 'دمعة الساكيه صفحه

۳۲۳ جلاء العيون ص ۱۹۸

تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر سعد میں اب تک جتنے بھی تھلیے ہوئے تھہائی میں ہوئے۔ لیکن اس دفعہ کی ملاقات میں ۲۰-۲۰ آدمیوں کا ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ اب عمر سعد کے خیالات بدل چکے ہیں۔ اور وہ قتل پر آمادہ ہو چکا ہے۔ اور موقعہ گفتگو پر حضرت عباس اور حضرت علی اکبر کا اس طرف اور عمر سعد کے بیٹے اور غلام کا اس طرف سے ہونا تا تا ہے۔ کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن نہیں ہیں۔

ابن سثیر اور ابن بریر میں گفتگو:

مورخ شہیر سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ ”در شب پنجشنبہ ہم محرم، حسین علیہ السلام در سر پرہ خویش جائے داشت و اصحاب آں حضرت ہر کس در خیمہ خویش میزیست، لشکر ابن سعد در گرد معسکر حسین پرہ داشتند۔ الخ۔“

ترجمہ: ہم محرم پنجشنبہ کی رات کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں اور اصحاب حسین اپنے اپنے خیمہ میں فروکش تھے۔ کہ ناگاہ عمر بن سعد کے لشکر نے ان حضرات کے خیموں کا دورا اور

کرو۔ عمر بن سعد نے کہا۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا گھر گرا دیا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو میں اس کو بنوادوں گا۔ اس نے کہا میرا مال و متاع لوٹ لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو میں اس سے بہتر تجھے دے دوں گا۔ پھر اس نے کہا میرے بال بچے ہیں۔ میں ان کی تباہی سے ڈرتا ہوں۔ پھر اس کے بعد بالکل خاموش ہو گیا۔ اور کوئی جواب نہ دیا بعدہ امام حسین علیہ السلام واپس تشریف لے آئے اور آپ نے کہا جلد تجھے اللہ تعالیٰ غارت کرے اور اللہ تعالیٰ تجھے حشر کے دن نہ بخشے۔ الخ

قریب سے محاصرہ کر لیا۔ اور ایک شخص عبداللہ بن سحر نامی خیمہ امام حسین کے قریب جا کر سننے لگا کہ امام کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اس نے حضرت کو ”ولا تحسبن الذين كفروا“ کی تلاوت کرتے پایا جس کے آخر میں ”ما كان الله ليجذر المومنين على ما انتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب“ تھا۔

یہ سن کر اس نے آواز دی کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جو پاک اور طیب ہیں۔ حضرت بریر ہمدانی کے کانوں تک یہ آواز پہنچی۔ فوراً خیمہ سے برآمد ہو کر کہا۔ اے ملعون تو طیب ہے کہ نجس محض۔ اس پر تادیر گفتگو جاری رہی۔ شمر نے پکار کر کہا۔ جتنی باتیں چاہے بنا لو۔ کل تو تم ہمارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترو گے۔ بریر نے فرمایا۔ ہمیں موت سے ڈراتے ہو۔ حالانکہ ہم موت سے ڈرنے والے نہیں۔

جب گفتگو نے طول پکڑا تو حضرت امام حسین نے حضرت بریر کو آواز دی اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کسی اچھائی کا اثر نہیں ہو سکتا۔ واپس چلے آؤ۔ وہ حکم امام سے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔ ناخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۲۔

**ماہ محرم کی نویں تاریخ حضرت عباس اور اصحاب کا کنواں کھودنا**  
**صبح نہم محرم:**

نویں کی رات جوں توں گزر گئی اور صبح ہوئی۔ اہل بیت حسین علیہ السلام اور اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہے اور پانی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قوت بازو ساقی اہل بیت کو طلب فرما کر ارشاد کیا۔ بھائی! چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنواں کھودو۔ شاید پانی برآمد ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ

چوں شب محرم پیاں رسید و سفیدہ صبح بردمید۔ در معرکہ حسین آب تنگیاب بود۔ اہل بیت و اصحاب سخت تشنگ لب شدند و شکایت بحضرت حسین آوردند۔ ابو عبد اللہ براور خود را طلب کرو۔ و فرمود۔ با چند تن اصحاب چاہے حضر کنید۔ باشد کہ آبے برآوردید۔ دریں کرت برقتند و چند کہ کاوش کردند آب نیافتند۔ (ناخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۵)

”جب نویں محرم کی رات تمام ہوئی اور سپیدہ صبح نمودار ہوا تو اس وقت حضرت امام حسین کے لشکر میں پانی مطلق نہ تھا۔ اہل بیت حسین اور اصحاب سخت پیاسے تھے اور فرزند ساقی کوڑکی

خدمت میں حاضر ہو کر پیاس کی شکایت کرنے لگے۔ حضرت نے حضرت عباس علیہ السلام کو طلب فرمایا۔ اور حکم دیا کہ چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنواں کھودو۔ شاید پانی کی سبیل پیدا ہو جائے۔ حضرت عباس آلات کنڈنی لے کر ایک طرف تشریف لے گئے اور کئی جگہ کوشش کی مگر پانی برآمد نہ ہو سکا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ صبح نہم حضرت سکی نہ پر پیاس کا بے حد غلبہ ہوا۔ آپ حضرت زینب کے پاس آئیں اور کہنے لگیں۔ پھوپھی اماں اب پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی بالکل ختم ہو گیا ہے سب برتن خالی ہیں مشکیزوں کی تری جاتی رہی ہے اور وہ بھی بالکل سوکھ گئے ہیں۔ حضرت زینب نے جناب سکی نہ کا یہ حال دیکھا۔ حضرت زینب علی اصغر کو گود میں لئے اضطراب کی وجہ سے کبھی اٹھتی اور کبھی بیٹھتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور حضرت علی اصغر کی یہ حالت ہے کہ مچھلی کی طرح ترپ رہے ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں۔ صبر اصراب۔ بیٹا صبر کرو۔ حضرت سکی نہ سے رہا نہیں جاتا۔ رو پڑتی ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں بیٹی کیوں روتی ہو۔ عرض کرتی ہیں ”حال انھی الرضع“ علی اصغر کی حالت رلا رہی ہے۔ پھر سکی نہ عرض کرتی ہیں۔ پھوپھی اماں! اصحاب و انصار کے خیموں میں پانی تلاش کرائیں شاید کہیں سے تھوڑا بہت مل جائے جناب زینب ان کی تسلی کے لئے ام کلثوم وغیرہ کے خیموں میں تشریف لے گئیں۔ حضرت عباس اور حضرت قاسم و دیگر قرابت داران کے خیموں میں گئیں لیکن کہیں سے ایک قطرہ بھی میسر نہ ہو سکا۔ تو آپ مایوس ہو کر ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو لئے ہوئے جن کی تعداد بیس تھی واپس اپنے خیمہ میں تشریف لائیں۔ (مشکین ص ۳۱۶ مواعد حسنہ ص ۲۸۳)

”ثم طلب العباس وقال فاجمع اصحابك واحضر بنا“ پھر حضرت نے حضرت عباس کو بلایا اور حکم دیا۔ بھائی اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ اس لئے کہ بچے شدت تشنگی سے جاں بلب ہیں۔ حضرت عباس اٹھے اور کنواں کھدنے لگا۔ ”قال فعند ذلك اجتمعت الاطفال على تلك البر وبيد كل واحد منهم ركوة قالوا يا عمه العطش“ راوی کہتا ہے کہ جب بچوں کو کنواں کھودے جانے کی خبر ملی تو ہاتھوں میں کوزے لئے ہوئے اور العطش کہتے ہوئے لب لب مر آ گئے اور جھک جھک کر اسے دیکھنے لگے۔ ”واذا جاء القوم فطموها فهرت الاطفال الخيام“ ادھر کنواں کھد رہا ہے۔ ادھر کسی نے عمر سعد کو خبر کر دی۔ وہ لشکر لئے ہوئے آ پہنچا۔ پیاس کے مارے ہوئے بچے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے خیموں کی طرف بھاگے۔ ان ظالموں نے اس کنوئیں کو بند کر دیا۔ ”ثم حضر بنا فطاموها حتى حضرا ربعا“ ان دشمنوں کے چلے جانے کے بعد عباس نے دوسرا کنواں کھودا۔ اب کی مرتبہ پیاس سے بچے خوف و ہراس کے مارے لب چاہ تک نہ آئے اور

در خیمہ سے العطش کا نعرہ لگاتے رہے۔ پھر ان دشمنوں نے آ کر اسے بھی بند کر دیا۔ الغرض حضرت عباس نے پے در پے چار کنوئیں کھودے۔ اور سب بند کر دئے گئے۔ پھر جب پانچواں کنواں کھودا تو اتفاقاً پانی کی برآمدگی کا موقع مل گیا۔ ”فإذا بلغ الماء جاءت مسكينه و معها الرکوة“ یہ دیکھ کر حضرت سیکنہ کوزہ لئے ہوئے دوڑ پڑیں۔ اور کہا چچا جان مجھے ایک جام بھر دیجئے۔ میرا جگر پیاس کے مارے کباب ہو رہا ہے۔ ”فبکی العباس بکاء شديدا و صلاء الرکوة“ یہ سن کر حضرت عباس بے ساختہ رو پڑے اور کوزہ بھر کے سیکنہ کو دیا۔ سیکنہ ابھی پانی پینے بھی نہ پائی تھیں کہ دشمن کا لشکر پھر آ گیا۔ یہ بے چاری ہاتھ میں کوزہ لئے ہوئے خیمہ کی جانب دوڑیں۔ ”فضل رجلها في الطناب فانكبت و قالت يا عمته تری هذا الحال“ ناگاہ آپ کا پاؤں طناب خیمہ سے الجھ گیا۔ اور زمین پر منہ کے بل گر گئیں۔ اور بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی پھوپھی حضرت زینب کو پکار کر کہا۔ اے پھوپھی جان پانی ہاتھ میں آ کر جاتا رہا ”فعند ذلك اغتم الحسين عمّا شديدا“ یہ حال دیکھ کر امام حسین علیہ السلام بے انتہار رنجیدہ ہوئے۔ (خلاصۃ المصاب ص ۱۱۲ طبع نولکشور ۱۸۷۶ء)

### امام حسین علیہ السلام خود نکل پڑے:

جب پانی کی کوئی کسبیل نظر نہ آئی۔ اور حضرت امام حسین نے اپنی آنکھوں سے بچوں کی مایوسی اور بے چینی اس موقع پر بھی ملاحظہ کی تو برداشت نہ ہو سکا اور اتمام حجت کے لئے ناقہ پر سوار ہو کر قوم اشقیاء کے سامنے جانکلے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں۔

روزنہم امام حسین علیہ السلام برائے اتمام حجت بر شتر سوار شدہ بہ نزدیک لشکر خصم رفت و فرمود۔ اگر بہ اعتقاد دشمن گناہگار م این زنان و اطفال صغیر کہ اہل رسولندا اند بے گناہ ہست۔ آنہار اثر بیت آ بے دھید کہ بہ ہلاکت نزدیک رسیدہ اند۔ عمر گفت اے حسین اگر تمام عالم را آب گیر و تصرف ما باشد یک قطره بتو و اتباع تو مدیم۔ مگر بریزید بیعت کن انخ

نویں تاریخ کو حضرت امام حسین اتمام حجت کے لئے ناقہ پر سوار ہو کر لشکر مخالف کی طرف تشریف لائے اور فرمایا: اے قوم! اگر تمہارے خیال ناقص میں میں گنہگار ہوں تو ان عورتوں اور بچوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں اور بے گناہ۔ انہیں تھوڑا پانی دے دو کہ جاں بلب ہیں۔ عمر نے کہا۔ کہ اے حسین اگر ساری دنیا پانی پانی ہو جائے اور ہمارے قبضہ اقتدار میں ہو تو ہم اس وقت تک ایک قطرہ بھی نہ دیں گے۔ جب تک تم یزید کی بیعت نہ کر لو گے“

یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے اپنا تعارف کرایا اور رسول اللہؐ سے اپنا رشتہ واضح کیا۔ لیکن  
باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ نہ رود میخ آہنی در سنگ

(اکسیر التواریخ صفحہ ۷۰)

الغرض ادھر اہل بیت کرام پانی کی فکر میں کنوئیں کھود رہے ہیں۔ اور امام حسین علیہ  
السلام سرگرداں ہیں۔ ادھر شمر ملعون اپنی ترکیبوں میں لگا ہوا ہے۔ وہ پوری فکر کے ساتھ یہ چاہتا  
ہے کہ کسی نہ کسی طرح امام حسین کے خشک گلے پر خنجر پھر جائے۔  
شمر کا کوفہ جانا:

شب ہم جو گفتگو امام حسین اور عمر سعد میں ہوئی تھی۔ شمر کو اس کی خبر نہ تھی۔ لیکن جب اس

نے سنا کہ:

”عمر بن سعد در شب رفتہ با حسین سخن گفتہ فی  
الحال بکوفہ رفت و پا پسریا و گفت کہ میان  
حسین و عمر سعد رسل و مراسلہ واقع است و  
شب نیز با یکدیگر ملاقات نمودہ تدبیر ہائی  
کنند و حقیقت ایں حال معلوم نیست“  
روضۃ الشہداء ص ۳۰۶ طبع بمبئی

عبید اللہ بن زیاد نے جب شمر کی زبانی ان دونوں کی گفتگو کا حال سنا تو آگ بگولا ہو گیا  
اور فوراً عمر سعد کو لکھا اما بعد۔

ابعثک الی الحسین لتکف عنه ولا  
تسطاولہ ولا لیمینہ السلامة والبقا  
ولا لتعذر عنه ولا لتکون عندی  
شفیعاً انظر فان نزل الحسین  
واصحابہ علی حکمی واستسلمو  
فابعث بہم الی سلجافان ابوانا  
زحف الیہم ام حتی تقتلہم و  
تمثل بہم فانہم لذلك مستحقون  
فان قتلت حسینا فاوطی الخیل

میں نے تجھے امام حسین کی طرف سے اس لئے  
نہیں بھیجا کہ تو انہیں باڑ رکھ اور ان کی حفاظت کر  
اور نہ اس لئے بھیجا ہے کہ نال منول کر۔ اور  
سلامتی و بقا کے لئے دعائیں کر۔ اور دیکھ تو مجھ  
سے ان کی شفاعت نہ کر۔ اچھا سن! اگر حسین  
اور ان کے اصحاب میرے حکم کو مان لیں تو ٹھیک  
ہے۔ ورنہ پھر انہیں قتل کر دے۔ کیونکہ وہ اسی  
کے مستحق ہیں اور جب حسین کو قتل کرے تو ان کی  
لاش پر گھوڑے دوڑا دے تاکہ پیچھے اور پیٹ



سب پس جائیں۔ میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان چیزوں سے تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر تو نے انہیں قتل کر ڈالا تو میں تجھ کو بڑی جزا دوں گا۔ اور تجھے بہت ہی سزا ہوں گا۔ اور اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ تو شکر کو اپنا قائم مقام کر دے۔

صدرہ و ظہرہ فانہ عات ظلوما  
ولست اری ان هذا یضر بعد  
الموت شیئا ولکن علی قول  
قد قتلہ تفعلت ہذا یہ فان انت  
مصیت لا مرنا حفر نیاك جزاء  
الشامع المطیع وان انت ابیت  
فاعزل عملنا و حیدنا دخل بین  
شمر بن ذی الجوشن و بین  
العسکر فاننا قد امرناہ بامرنا.  
والسلام و معہ ساکبہ ص ۳۲۳ و  
ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۹

## حضرت عباس کے لئے امن نامہ کی حصول

ابن زیاد نے بھرے دربار میں مذکورہ بالا خط لکھ کر شمر ذی الجوشن کے حوالے کر دیا۔ شمر ابھی روانہ ہونے نہ پایا تھا کہ حریر بن عبد اللہ بن خالد کلابی کھڑے ہو گئے۔ اور ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا: اے امیر! میری ایک خواہش ہے اگر قبول کرنے کا وعدہ کرے تو عرض کروں ابن زیاد نے کہا۔ کہو تو سہی کیا بات ہے۔ حریر نے کہا جب حضرت علیؑ کو فہ میں قیام پذیر تھے تو انہوں نے میری چچا زاد بہن ام البنین کے ساتھ عقد کیا تھا اور اس سے چار فرزند پیدا ہوئے تھے۔ عبد اللہ، جعفر، عباس، عثمان۔ یہ چاروں میرے چچا زاد بھائی ہیں اور کربلا آئے ہوئے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں ایک تحریر کے ذریعہ سے خط امان لکھ دوں۔ اے امیر یہ مہربانی بڑی وزنی ہوگی۔ ابن زیاد نے کہا۔ اچھا میں نے انہیں امان دے دی۔ تم صورت حالات انہیں لکھ بھیجو وہ لوگ ڈر کر گھبرانہ جائیں۔

ایہا الامیر! مرا سخنے است اگر فرماں رود بعرض  
رسانم۔ ابن زیاد گفت بگوئی تاجہ داری گفت  
علی بو طالب گاھے کہ در کوفہ سکون اختیار  
فرمود۔ دختر عم مرا کہ ام البنین نام داشت  
بہالہ نکاح خویش در آورد و از روئے چہارم  
پسر متولد گشت بنشین عبد اللہ دوم جعفر سہ دیگر  
عباس چہارم عثمان داین ہر چہارتان عم زادگان  
من باشند۔ اگر اجازت فرمائی ایشان  
را منشورے قم کنم و خط امان فرستم داین  
بزرگ عطائی است کہ در حق ما کردہ باشی ابن  
زیادہ گفت۔ ایشان را امان دادم۔ صورت  
حال را رسم کن و بدیشان فرست۔ تا از حول و  
ہرب برآسانیہ۔ ناسخ۔ ج ۶ ص ۲۴۲

عبداللہ بن جریر نے جب امن نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو شمر ابن ذی الجوشن جو عبداللہ کے خاندان سے تھا اس نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ناسخ۔ جلد ۶ ص ۲۴۳ و تبرذاب قلمی۔  
الغرض عبداللہ بن جریر نے ابن زیاد سے امن نامہ حاصل کر لیا اور اسے خط کی شکل دے کر اپنے غلام ”عرفان“ کے حوالے کر کے کہا۔

بایدت بہ تعیل و تقریب بکر بلا رفت و اس سن جلد سے جلد منٹوں میں کر بلا پہنچ اور اس  
نامہ را بدست عبداللہ۔ عباس، جعفر و عثمان نامہ کو عبداللہ، عباس، جعفر و عثمان کے حوالہ کر اور  
داد۔ و مگراں باش کہ جزا زیں چہارتن کس دیکھ خبرداران چاروں کے علاوہ اس کی کسی کو  
ازیں نامہ آگاہ نہ شود۔ ناسخ جلد ۶ ص ۲۴۲ کانوں کا خبر نہ ہو۔

عرفان۔ فرمان نامہ لئے ہوئے بات کی بات میں کر بلا جا پہنچا اور اس نامہ کو حضرت عباس کے دست مبارک میں دیا۔

## عبداللہ کے خط امان کا حضرت عباس کی طرف سے جواب

حضرت عباس اور ان کے بھائیوں نے عبداللہ بن جریر کے خط امان کو پڑھا اور لکھے ہوئے حالات سے آگاہی ہوئی۔ اس کے بعد نہایت دلیری کے ساتھ عرفان سے فرمایا۔ کہ ہمارے مہربان عبداللہ بن جریر سے کہہ دو کہ:

ما انکس یتیم کہ دست در ذیل اماں پسر زیاد ہم ایسے نہیں ہیں کہ ابن زیاد کے زیر سایہ امان  
زیم۔ اماں خداوند قاہر غالب از بہر مائیکو کی چھاؤں میں بیٹھیں۔ خدائے غالب و قاہر کی  
تراست ما از آخواجم کہ خدا خواہد اماں ہمارے لئے کافی ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں  
جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

عرفان جواب باصواب پا کر کوفہ واپس گیا اور عبداللہ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ عبداللہ چونکہ کر بلا والوں کے مال کار سے واقف تھا۔ لہذا سخت آزرده ہوا اور کف افسوس ملتا ہوا خاموش ہو گیا۔

## عرفان کے امن نامہ پیش کرنے پر خیمہ میں اضطراب:

علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ ”جریر کا امن نامہ حضرت عباس کی خدمت میں پیش کیا  
۱۔ علامہ طبریزی شافعی لکھتے ہیں کہ خط میں یہ بھی لکھا ”خان ابی ذاک فلیؤذن بقتل قطیع الوثین و جل الوریہ و یصح  
الارواح الی اهل الاعلیٰ و یصرع الی شایخ علی الصعید و یثبث نفسه الاچیرہ جد باؤ آ بارہا و مطالب السؤل ص ۲۴۰“ یعنی اگر حسین  
بیعت سے انکار کریں تو ان سے جنگ کا حکم لکھ کر کوئے دے۔ اور لڑ کر ان کی رگ جان اور ہجر رگ کاٹ دے اور ان کی روح  
کو اوپر بھیج دے اور ان کے چہروں کو پچھاڑ دے اور ان کے سر کش نفس کو ان کے باپ دادا کے پاس پہنچا دے۔“

گیا تو آپ نے اسے ملاحظہ فرما کر جواب دے دیا۔

عرفان کی آمد اور حضرت کا ہاتھوں میں لے کر امان نامہ کو پڑھنا۔ خیمہ کی محذرات نے دیکھا، انسانی جذبہ کے ماتحت یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں عباس نے اسے منظور کر لیا تو کیا ہوگا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور اظہار خیال کیا۔ مطمئن بہادر نے ان عورتوں کو اطمینان دلانے کے لئے حضرت عباس کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت زینب علیہا السلام بھی اسی جگہ تشریف فرما تھیں۔ آپ نے دست بستہ ہو کر طلبی کا سبب پوچھا۔ حضرت زینب نے فرمایا۔

برادر عباس می خواہی مارا بدست دشمن بھائی عباس کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو دشمن کے بگڑاری و بہ لنگر شرمحق شوی ہاتھوں میں دے دو اور خود لشکر شمر سے جاملو۔ اس تعجب خیز سوال پر حضرت عباس رو پڑے۔ نزدیک بود کہ خود را ہلاک کند۔ اور قریب تھا کہ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں۔

عرض کی ہمیشہ معظم! وہ پاؤں ٹوٹ جائیں جو آستانہ حسینی سے سرکیں۔ اور وہ آنکھیں پھٹ جائیں جو جمال حسینی کے علاوہ کسی بدمال کی طرف دیکھیں۔ معظم! آپ کیا فرماتی ہیں۔ میں نے تو یہ جواب دیا ہے کہ حسین جیسے اللہ والے مجاہد کے دامن کا سایہ تیرے امان سے بہتر ہے۔ ہمارے لئے نخل وجود حسینی کافی ہے۔ (حدائق الانس۔ ج ۲ ص ۶۹)

## زیادی فرمان لے کر شمر ذی الجوشن کا کر بلا میں پہنچ کر ابن سعد کو دینا

مورخین کا بیان ہے کہ شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا آخری حکم لئے ہوئے کر بلا پہنچا اور اسے عمر سعد کے حوالہ کیا۔ ابن سعد نے کہا خدا لعنت کرے تو نے صلح نہ ہونے دی۔ اور جنگ کی آگ بھڑکا ہی دی۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔

فا قبل شمر بن ذی الجوشن بکتاب عبید اللہ بن زیاد الی بن سعد۔ پس شمر بن ذی الجوشن عبید اللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمرو بن سعد کے پاس آ پہنچا۔ جب عمرو بن سعد ملعون نے یہ خط پڑھا تو اسے کہنے لگا تجھ پر وائے ہو۔ خدا تجھے برکت نصیب نہ کرے اور اس پیغام کا انجام بھی برا ہو۔ خدا کی قسم

فلما قدم علیہ و اقراہ قال له عمر لعنة الله مالک و یلک لا قرب الله دارک و قبح الله ما قدمت به علی

والله انى لا ظنك نهيتہ عما كتب  
به اليه و افسدت علينا امر اقد  
كنار جونا ان يصلح لا يستسلم  
والله حسين وان نفس ابیه بین  
حبیه فقال له شمر اخبرنى ما انت  
صانع اتمضى الامر اميرك و تقاتل  
عدوه و الافخل بينى و بينه و بین  
الحبد و العسكر فقال لا ولا كرامة  
لك و لكن انا اتولى ذالك فدونك  
فكن انت على الرجاله و معه  
ساكبہ ص ۳۲۳

میرا گمان یہ ہے کہ میں نے اسے جو کچھ لکھا تھا تو  
نے ہی اس سے اسے روکا ہے۔ اور جس امر  
کے اصلاح کی ہمیں امید تھی اس پر پانی بھیر دیا  
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم امام حسینؑ کبھی یزید کی  
اطاعت قبول نہ کریں گے! اس لئے کہ ان کے  
باپ کا دل ان کے دونوں پہلوؤں میں موجود  
ہے۔ شمر نے کہا اب یہ بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتے  
ہو امیر کے حکم پر چل کر اس کے دشمن سے جنگ  
کر دو گے یا نہیں، یہ معاملہ میرے سپرد کرو میں  
جائوں اور وہ جانے اور یہ فوج و لشکر جانے۔ عمر  
ابن سعد نے جواب دیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں کہ شمر اس نامہ ابن زیاد کو لئے نو بیس محرم الحرام یوم پنجشنبہ کو کر بلا  
پہنچا اور عمر سعد کو دیا۔ تحفہ حبیبہ ص ۱۱۸ مقتل عوالم ص ۷۹ جلا العیون ص ۱۹۸

عمر بن سعد کے شمر کے برا بھلا کہنے کے باوجود جنگ سے باز آنے اور فرزند رسول کے  
خون سے درگزر کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو قتل کر کے حکومت  
رے کو ہاتھ میں سے نہ جانے دے۔ چنانچہ شمر کو پیادوں کا حاکم بنا کر خود سواروں کی کمان کرتا  
ہے۔ اور پیاسوں پر حملہ کرنے کی اسکیم مرتب کرنے لگتا ہے۔

## حضرت عباس کی خدمت میں امان نامہ

محرم کی نو بیس تاریخ کو دن دھل چکنے کے بعد شمر اپنے خیمہ سے برآمد ہوا اور حضرت  
امام حسین علیہ السلام کے خیام کے قریب آ کر آواز دی۔ ”ایمن بنوا اختنا عبد الله و جعفر  
و عباس و عثمان“ میرے بھانجے عبد اللہ و جعفر و عباس و عثمان کہاں ہیں۔ میرے سامنے  
آئیں۔ میں ان کے لئے حکم امان لایا ہوں۔ ان حضرات نے جب امن کا لفظ سنا۔ خاموشی اختیار  
فرمائی اور بظاہر جواب بھی دینے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے شمر کے کلمات  
سننے ہی حضرت عباس سے فرمایا۔ ”اجیبوہ وان کان فاسقا۔ فانہ بعض اخو الکم“ تم  
لوگ دیکھو تو سہی۔ یہ کہتا کیا ہے۔ اگر چہ یہ فاسق ہے۔ لیکن تمہارا ماموں ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت

اسد اللہ کے چاروں شیر خیمہ سے نکل پڑے۔ اور قریب جا کر پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا: ”یسا بنی اختی انتہم امنون“ اے میرے بھانجوا! تمہارے لئے دامن امن و وسیع ہے اور ابن زیاد سے میں نے تمہاری نجات کا حکم لے لیا ہے۔“ بابر اور خود حسین رزم مزید و خود را بیہودہ یکشتن مدہید۔ از معسکر حسین کنارہ گیرید و سر در اطاعت امیر المؤمنین یزید در آوریڈ“ تم حسین کے ساتھ رہ کر فضول اپنی جان نہ دو۔ اور حسین کے لشکر سے کنارہ کش ہو کر یزید کی اطاعت میں آ جاؤ۔

### حضرت عباس کا شمر کو منہ توڑ جواب:

”فقال له الفقه لعنك الله ولعن امانك اتؤمننا وابن رسول الله لا امان له“ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے بڑی دلیری کے ساتھ امان نامہ کو ٹھکراتے ہوئے کہا۔ ”اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے۔ ہمیں تو امن دیتا ہے۔ اور فرزند رسول علیہ السلام کے لئے امان نہیں“ سید ابن طاووس فرماتے ہیں کہ

فناداه العباس بن علی علیہما السلام تبست و يداك ولعن صاحبك به من امانك يا عدو الله اتامرنا ان نترك اخواننا و سيدنا الحسين عليه السلام و ندخل في طاعة اللعنا و اولاد اللعنا. فوجع الشمر الى عسكره مغضبا

حضرت عباسؓ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تجھے داخل جہنم کرے۔ اور تیری امان پر لعنت کرے۔ اے دشمن خدا! ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور آقا حضرت امام حسین علیہ السلام کو چھوڑ کر ملعون بن ملعون کی طاعت میں داخل ہو جائیں۔

یہ سنتے ہی شمر ملعون آگ بگولہ ہو کر غیظ و غضب کے عالم میں اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔ تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۴۳ جلاء العیون ص ۱۹۸۔ دمعه سا کہ ص ۳۴۳ مقتل عوالم ص ۷۹ تحفہ حسین ص ۱۱۹ تاریخ انعم کوئی ص ۶۷۷ فخر البرکاء ملا صلاح برفانی ج ۶ طبع ایران ۱۳۹۹ھ مائتین فی مقتل الحسین ص ۴۵۷۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۷

۱۔ علامہ کتوری لکھتے ہیں کہ بعض روایات کی بنا پر حضرت امام حسینؓ نے حضرت عباسؓ سے نہیں۔ بلکہ ان کے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ شمر کو جواب دو۔ ان کے عیون الفاظ یہ ہیں۔ ”قتل الحسین لا خوفاً و بیوہ“ اور آپ نے یہ اس لئے کہا تھا تاکہ حضرت عباسؓ کا احترام ہو سکے۔

۲۔ ”تبست یداً“ و دخول جہنم سے کنایہ ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم کو ابولہب نے کہا ”تبسأ لک“ تو خداوند عالم نے سورہ تبت یا ابی لہب اے نازل فرما کر اس امر کو واضح فرمایا کہ ابولہب جہنمی ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۵۲۳ طبع ایران اور حضرت عباسؓ نے شمر کو تبت یداً فرما کر اس کے جہنمی ہونے کی سند دے دی ہے۔

## حضرت عباسؓ اور شمر ملعونؓ میں باہم قرابت داری کا انکشاف

مذکورہ بالا واقعہ کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شمر ملعونؓ حضرت عباسؓ کا ماموں تھا۔ اور آپ اس کے بھانجے۔ اور ابو الکلامؓ آزاد کی تحریر مندرجہ ذیل سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ ابو الکلامؓ آزاد لکھتے ہیں۔

”شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں۔ اور انہیں کے نطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس۔ عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمران چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔“

لیکن یہ درست نہیں کہا جاسکتا۔ یعنی حضرت عباسؓ کو شمر کا بھانجا سمجھنا اور اس کو آپ کا ماموں قرار دینا کسی طرح تاریخ کی روشنی میں راست نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اگر مجازی طور پر اس رشتہ کو تسلیم کیا جائے تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ ان میں کوئی حقیقی رشتہ داری نہ تھی۔ نہ شمران حضرات کا ماموں تھا اور نہ پھوپھی زاد بھائی۔ صرف بات یہ تھی۔ کہ یہ دونوں ایک ہی قبیلہ کلاب سے تھے۔ اور دستور عرب کے مطابق صرف قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے مجازی طور پر ماموں بھانجہ کا منہ بولا رشتہ قرار دیا جاتا تھا۔ ابو الکلامؓ نے جو حضرت ام البنین کو شمر ملعونؓ کی پھوپھی تحریر کیا ہے۔ اس کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں۔

یہ دونوں ہم قبیلہ تھے:

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ”بعضے از برادران آں حضرت از قبیلہ ابودند“ شمر اس لئے امن نامہ لایا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہن بھائی اس کے قبیلہ سے تھے۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ شمر نے آکر کہا کہ ”چوں اور اشاء از قبیلہ من است۔ شمارا مان دادم“ چونکہ تمہاری ماں میرے قبیلہ سے ہیں۔ اس لئے میں تمہارے لئے امان لایا ہوں۔

(جلاء العیون ص ۱۹۸ طبع ایران ۱۳۰۱ھ)

اس سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں میں حقیقی قرابت داری نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شمر نے آپ کے سامنے قرابت کا حوالہ دیا۔ تو آپ غصہ کے مارے آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ علامہ کنزوری لکھتے ہیں۔ ”کان قد امتلاً حتفاً و غیظاً لا یتساب الشمر له بالقربت و ذالک الملعون هو اشقی الاشقیاء الخ“ حضرت عباسؓ شمر کے انتساب قرابت پر غصہ

میں بھر گئے۔ اس لئے کہ وہ ملعون شقی مطلق تھا۔ اور حضرت عباس سعید ازیلی ان دونوں میں حقیقی رشتہ داری کہاں۔ (ماہیتیں ص ۴۵۷)

اب ہم ذیل میں اخبار ”نظارہ“ سے اپنا وہ مضمون من و عن درج کرتے ہیں۔ جو ۱۳۵۷ھ کے ابو الفضل العباس نمبر میں شائع ہوا تھا۔ جس سے آپ کی مجازی قرابت داری پر مکمل روشنی پڑ جائے گی۔

## کیا شمر ملعون حضرت عباسؑ کا حقیقی ماموں تھا

تاریخ کربلا کے ماتی اور اراق پر سٹھی اور سرسری نظر ڈالنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمر ابن ذی الجوشن ملعون حسینی بیرو حضرت عباس ابن علی علیہ السلام کا حقیقی ماموں تھا۔ لیکن دراصل یہ خیال خام ہے۔ وہ ملعون برائے نام یعنی مجازی ماموں تھا۔ اسی طرح سرکار حسینی کے محافظ علمدار کربلا بھی مجازی بھانجے تھے۔ دستور عرب کے مطابق وہ اپنے کو ماموں اور ان کو اپنا بھانجا کہتا تھا۔ عرب کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ماں کسی قبیلہ کی لڑکی ہوتی ہے۔ تو قبیلہ والے اس عورت کو مجازی بہن بنا کر اس کی ساری اولاد کو ”ابن اخت“ ”بہن کے بیٹے“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس عورت کے بیٹے اس ماں والے قبیلہ کے مردوں کو ماموں سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں:

قاعدہ عرب این است کہ ہمیں مادر شخصے از  
طاقفہ او باشد اطلاق اخت اہل طاقفہ  
بر آں زن مے نمایند۔ و بچہیں بر فرزندش  
ابن اخت و نیز اطلاق حال مے نمایند  
بروز کور طاقفہ کو مادر شخصے از اں طاقفہ  
عرب کا دیرینہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب کسی کی  
ماں کسی طاقفہ اور قبیلہ سے ہوتی ہے تو اس قبیلہ  
کی عورت پر بہن کا اطلاق (مجازاً) ہوتا ہے۔  
اور اسی طرح ماموں کا اطلاق اس قبیلہ کے تمام  
مردوں پر ہوا کرتا ہے۔

است۔ تحفہ حینہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ طبع ایران

حضرت عباس علیہ السلام کی مادر گرامی جناب ام البنین خزام ابن خالد ابن ربیعہ ابن لوی ابن غالب ابن کعب ابن عامر ابن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابن ابی بکر ابن ہوازن سے تھیں۔ جیسا کہ تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۷ طبع بمبئی ۱۲۰۹ھ اور عمدۃ الطالب ص ۳۲۴ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ اور البصار العین علامہ ساوی ص ۲۶ طبع نجف اشرف اور فتبی المقال فی احوال الکربلاء طبع ایران ۱۳۶۷ھ اور منہج المقال قلمی وغیرہ میں ہے اور کتب تواریخ سے یہ بھی معلوم

ہے کہ شمر ملعون اسی قبیلہ کا چشم و چراغ سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ ایک ہی قبیلہ سے تھا لہذا اسی قاعدہ عرب کی بنا پر سرکار حسینی سے مملکت و فاداری کے بادشاہ کو جدا کرنے کی فکر میں لعنت آمیز امن نامہ پیش کرنے کے لئے آ کر نعرہ زن ہوا۔ ”ایمن بنو اختنا“ میری بہن ام العتیں کے بیٹے عباس وغیرہ کہاں ہیں۔ کہا تھا اور اسی قاعدہ عرب کی بنا پر امام حسین نے فرمایا تھا کہ اے عباس ”اجیبوہ وان کان فاسقاً فانہ بعض اخو الکم“ ہاں ہاں سنو تو سہی۔ یہ کیا کہتا ہے عباس یہ ملعون فاسق تو ضرور ہے مگر تمہارا ماموں ہوتا ہے۔ ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۲۱ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ علامہ بخاری لکھتے ہیں:

عن انس قال دعا البني الانصار  
فقال هل فيكم احد من غيركم  
قالوا الا ابن اخت لنا فقال رسول  
الله صلى الله عليه وآله وسلم ابن  
اخت القوم منهم (صحيح بخاری  
جلد ص ۱۶۶ باب ابن اخت القوم  
منهم کتاب بدء الخلق طبع مصر)

انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلاتے ہوئے فرمایا کہ تم میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ عرض کی سوائے ایک بھانجے کے اور کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جن لوگوں کا ابن اخت ہو۔ انہیں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس قوم کا ابن اخت ہو۔ اسی قوم کا یہ بھانجا ہوتا ہے اور وہ لوگ اس کے ماموں کہے جاتے ہیں۔ اب ہم آزادی کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں۔ کہ حسینی ہیر و کا شمر ملعون مجازی ماموں تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے یہ بھانجے ہوئے اور وہ ماموں ہوا۔ نہ کہ باہمی حقیقی تعلقات تھے۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں۔ کہ یہ مجازی تعلقات صرف ماموں بھانجوں تک محدود اور منصر نہیں ہیں۔ بلکہ چچا کو باپ اور خالہ کو ماں کہنا مجاز متعارف ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی اور علامہ کبیر رازی اور علامہ ابوالقاسم رخشری جناب یوسف کے قصہ میں اس آیت (اولی الیہ ابویہ) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”صم الیہ و خاتم باعتقہما نزلہا منزلة الام تنزیلا لعدم منزلة الاب فی قوله انعمد انہک و الہ آبائک ابراہیم واسمعیل واسحق“ الخ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۰۷ طبع لکھنؤ ۱۲۸۲ھ و تفسیر کبیر جلدہ ص ۱۶۱ طبع مصر تفسیر کشفاف جلد ۲ ص ۲۲۲ طبع مصر اس عبارت کی شرح کے طور پر علامہ محمد رحیم بخش صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمانا تغلیب کے طور پر



ہے۔ کیونکہ حضرت اسمعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے نہ کہ والد۔ اور چچا کو باپ کہنا مجاز متعارف ہے۔ نحاس کہتے ہیں کہ عرب چچا کو باپ اور خالہ کو ماں بولا کرتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ ”السخالة الام و عم الرجل صنوا ابیه“ یعنی خالہ بجائے ماں اور چچا باپ کے برابر ہوتا ہے الخ۔ اعظم التفسیر ج ۱ ص ۲۸۸ حصہ اول طبع دہلی ۱۳۱۲ھ۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ خداوند عالم سورہ زخرف میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”اذ قال ابراهیم لابنہ لا بیہ و قومہ انی براء مما تعبدون“ اے رسول اس وقت کو یاد کرو جب اپنے (منہ بولے) باپ آزر اور اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے باپ کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس سے چچا مراد لیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قصہ آزر کا ہے نہ کہ تاریخ کا اور یہ معلوم ہے کہ آزر باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ جیسے اتفاق سیوطی ج ۲ ص ۱۲ طبع مصر اور تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۳ طبع مصر میں موجود ہے۔ عہد نامہ قدیم و جدید (بائبل) باب ۱۱ کتاب پیدائش آیت ۲۷ طبع کو دیانہ ۱۸۸۳ء میں ہے۔ سارہ سے ابرام (ابراہیم) اور خور اور صاران پیدا ہوئے۔ الخ علامہ فخر الدین رازی نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ان والد ابراهیم کان تاریخ و ازر  
کان عما له و نعم قد یطلق علیہ  
اسم الاب کما حکى الله تعالى  
عن اولاد یعقوب انهم قالوا نعبد  
الهک والہ ابناء لہ ابراهیم و  
اسمعیل واسحق ومعلوم ان  
اسمعیل کان عما ليعقوب وقد  
اطلقوا علیہ لفظ الاب فکذا همتنا  
الخ تفسیر کبیر پارہ ۷ سورہ  
انعام ج ۴ ص ۱۰۲ طبع مصر

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم کے باپ تاریخ تھے۔ اور آزر جناب ابراہیم کا چچا تھا۔ اور چچا پر باپ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اولاد یعقوب کی حکایت کرتا ہوا فرماتا ہے۔ کہ وہ لوگ کہتے تھے۔ کہ ہم تمہارے باپ ابراہیمؑ اسمعیلؑ اسحقؑ کے معبود کی پرستش کریں گے اور یہ معلوم ہے کہ جناب اسمعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے۔ مگر ان پر باپ کا لفظ بولا گیا۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ میں بھی ہے۔

ہم یہاں تک لکھنے کے بعد عرض کرتے ہیں۔ کہ ایسے مجازات کا استعمال کوئی تازہ استعمال نہیں ہے۔ جناب ابراہیمؑ اور فرعون والے معاملہ میں بھی مجاز موجود ہے۔ آپ نے اپنی بیوی جانب سارہ کو بہن کہا ہے امام بخاری کو دھوکا ہو گیا۔ اور انہوں نے مجازات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ پر اس مسئلہ میں کذب کا الزام دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ۲

ص ۱۴۵ باب اتخذ الله ابراہیم خلیلاً کتاب بدء الخلق طبع مصر میں ہے۔ ”لم یکذب ابراہیم الا ثلاث کذبات فقال من هذه قال اختی“ الخ ابراہیم نے اپنی عمر میں تین جھوٹ بولے۔ تیسرا یہ کہ فرعون نے سارہ کو پوچھا یہ کون ہیں۔ تو جواب دیا کہ میری بہن ہیں۔ علامہ عماد الدین السمعیل ابی الفداء لکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم نے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ ”هذه اختی“ یعنی فی الاسلام۔ یعنی یہ میری اسلامی بہن ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ابراہیم پر کذب کا الزام مجازات سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔ ”کان صدیقاً نبیاً“ ابراہیم تو بالکل سچے نبی تھے۔ بخاری کہتی ہے جھوٹے تھے۔ ناظرین خود فیصلہ کر لیں۔ تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر۔ اس کے علاوہ بائبل کتاب استثناء کے باب ۱ آیت ۱۱ میں اس موقع پر ہے۔ جہاں جناب الحقؑ پر یہی الزام قائم کیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بہن سے تعبیر کیا۔ ”انہا اختہ“ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ”انہا اختہ من حیث القبیلۃ“ اس کی بیوی قبیلہ کی حیثیت سے بہر حال بہن تھیں۔ اور اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اس لئے کہ۔

سمى الادومی اخلاً سراًیلی باعتبار  
اجتماعهما فی النسب بعیسو  
ويعقوب فی اسحق الخ۔ الہدی ج ۱  
ص ۸۰ طبع نجف اشرف ۱۳۳۱ھ  
حیث رکھتے تھے۔

بحوالہ کتاب استثناء باب ۱ آیت ۱۱

ان تمام نظائر سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ مجاز معارف کا استعمال ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام نہ شمر کے حقیقی بھانجے تھے۔ نہ اس نے حقیقی سمجھ کر ان کو بھانجہ کہا تھا۔ بلکہ صرف قبیلہ کا ایک شخص تھا اور مجازات و دستور عرب کی بنا پر انہیں بھانجہ کہا۔ ورنہ نورثا کا اتحاد اور جنت و دوزخ کا ایک ہونا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ ان کی باہمی قرابت کو مجاز کی دستوری حد سے بڑھ کر حقیقت کے آئینہ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ سر اسر غلط ہیں اور انصاف کش ہیں۔

## یزیدی رو با ہوں کا جنگ کی پہل کے لئے آنا

اسد اللہ کے شیر حضرت عباس علیہ السلام کی زبان مبارک سے شہر ملعون امن دہی کا دندان شکن جواب پا کر واپس گیا۔ اور ابن سعد سے کہنے لگا۔ کہ اب تو تاخیر جنگ حد برداشت سے باہر ہے۔ فوراً لشکر کو حکم دیا کہ راست ہونے سے پہلے ان مدینہ والوں کا قصہ پاک کر دے۔ عمر بن سعد جو حکومت رے کی لالچ میں قتل امام حسین علیہ السلام کا عزم بالجزم کر چکا تھا۔ فوراً لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”یا خیل اللہ! رکبی و ابشری بالجنة“ اے خدائی سوارو۔ اپنی اپنی ساریوں کی پشتوں پر جا سوار ہو۔ اور جنت کی بشارت لو۔ ”فر کب الناس ثم زحف نحوهم بعد العصر“ یہ سننا تھا کہ لشکر کے لشکر تیار ہو گئے۔ اور بعد عصر قتل امام حسین علیہ السلام کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

### حضرت امام حسین کا خواب:

یہاں تک کہ خیام حسین کے قریب جا پہنچے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سر اقدس اپنے گھنٹوں پر رکھے ہوئے تھے۔ کہ خود گی طاری ہو گئی۔

حضرت زینب علیہا السلام نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ دل دہل گیا۔ بھائی کی خدمت میں آئیں۔ اور عرض کی۔ ”یا اخی اما تسمع هذه الاصوات قد اقترب العدو“ بھائی آپ یہ لشکر کا شور و غل نہیں سن رہے ہیں۔ ارے دشمن آپ پہنچے۔ ”فر رفع الحسین رأسه فقال انی رايت رسول الله الساعة فی المنام وهو يقول لی انک تروح الینا غدا“ یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے سر اقدس اٹھایا اور فرمایا۔ بہن! ابھی ابھی نانا رسول اللہ ﷺ اور بابا حضرت علی اور مادر گرامی حضرت فاطمہ اور برادر محترم امام حسن خواب میں تشریف لائے تھے۔ وہ فرما گئے ہیں۔ کہ اے حسین تم کل تک ہمارے پاس آ جاؤ گے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زینب رو پڑیں۔ آپ نے سمجھا بھجا کر انہیں خاموش کیا۔

### حضرت عباس کی حاضری:

اتنے میں حضرت عباس آپ پہنچے اور عرض کی بھائی جان دشمن آپ پہنچے۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا بھائی تم ذرا سوار ہو کر جاؤ اور ان سے مل کر پوچھو۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ خیر تو

وقال له العباس بن علی یا اخی اتاك القوم منهضی ثم قال ارکب۔ انت یا اخی حتی تلقاهم و تقول سالکم وما بدالکم و تسئلهم عما

جاء بهم فاتاهم العباس في نحو عشرين فارساً فيهم زهير ابن القين و حبيب ابن المظاهر فقال لهم العباس ما بدالكُم وما تريدون قالوا قد جاء امر الامير ان نعرض عليكُم ان تنزلوا على حكمه او ننا جزكُم قال فلا تعجلوا حتى ارجع الى ابى عبد الله فاعرض عليه ما ذكرتم فوقفوا فقالوا الله واعلمه ثم اتفأ بما يقول لك فانصرف العباس راجعاً يركض الى الحسين يخبره الخبر و وقع اصحابه يحاطبون القوم و يعظونهم و يكفرونهم عن قتال الحسين فجاء العباس الى الحسين و اخبره بما قال القوم. دمعه ساكبه ص ۳۲۴ ناسخ ج ۶ ص ۲۴۵ جلاء العيون ص ۱۹۹

ہے کیوں آئے ہو۔ حضرت عباس میں بہادریوں کو لئے ہوئے۔ جن میں زہر قین حبیب ابن مظاہر بھی تھے۔ جانچنے۔ اور ان سے پوچھا کیا بات ہے۔ کیا ارادہ رکھتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ ابھی ابھی حکم امیر آیا ہے۔ کہ ہم تمہارے سامنے یہ بات پیش کریں۔ کہ تم اس کے حکم پر اتر آؤ۔ یا پھر لڑو۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ جلدی نہ کرو۔ میں حضرت کی خدمت میں جاتا ہوں۔ اور تمہارا مقصد واضح کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں جاؤ۔ اور انہیں بتا دو پھر جو وہ کہیں اس سے ہمیں باخبر کرو۔ حضرت عباس پلٹ کر چلے۔ تاکہ حضرت کو واقعہ کی اطلاع دیں۔ اور ان کے ساتھی وعظ و نصیحت میں لگ گئے اور امام حسین سے لڑنے سے باز رہنے پر زور دیتے رہے اور حضرت عباس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے قول کی ترجمانی فرمادی۔

حضرت عباس علیہ السلام تو پیغام رسانی کے لئے واپس تشریف لائے۔ لیکن زہر قین اور حبیب بن مظاہر وغیرہما ان لوگوں کو روکے رہنے کے لئے وہیں بھیڑے رہے۔ ان دنیاداروں نے سوچا۔ کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنی چاہئے شاید کچھ فائدہ بخش ہو سکے۔ اسی بنا پر تادیر وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ لیکن

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ زرد میخ آہنی در سنگ

بقول ابن خلدون حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ چلو ہم تم مل کر چلیں۔ اور ان سے پوچھیں کہ کیوں آئے ہو۔ حضرت عباس نے عرض کی ”بل زروح انا“ مولانا میں تمہا جاؤں گا۔ آپ زحمت نہ فرمائیے! کبریت احمر ص ۹۱۔ مورخ ابن حریر کہتا ہے کہ حضرت امام حسین سے فرمایا ”یا عباس اربک بنفسی انت“ اے عباس میری جان تم پر فدا ہو۔ ذرا جا کر پتہ تو لگاؤ۔ کہ یہ کیوں آئے ہیں۔ تاریخ ج ۶ ص ۲۳۷

## حضرت عباس کو حضرت امام حسینؑ کا حکم کہ ایک شب کے لئے لڑائی روک دو

اسد اللہ کے شیر حضرت عباس نے جب آ کر خبر دی کہ دشمن لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یا تو بیعت کرو یا لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ کہ سوال بیعت تو غلط ہے۔ اب اگر وہ لڑنا ہی چاہتے ہیں اور قتل پر آمادہ ہی ہیں۔ تو اے عباس تم واپس جاؤ اور جا کر انہیں آج کی رات جنگ سے روک دو۔ تاکہ ہم مناجات و عبادات وغیرہ میں اسے بسر کریں۔ پھر کل دیکھا جائے گا۔

تاریخ کے عیون الفاظ یہ ہیں:

اے عباس واپس جاؤ۔ اور اگر ہو سکے تو لڑائی کل تک کے لئے روک دو۔ ان لوگوں کو آج کی شب ہم سے دور کرو۔ تاکہ ہم آج کی رات اور نمازیں پڑھ لیں اور دعا و استغفار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نماز اور تلاوت کلام مجید اور کثرت دعا اور استغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں۔

قال ارجع اليهم فان استطعت ان تؤخرهم الى غد وقد فهم عنا العشية لعننا نصلى لربنا الليلة و ندعوه و نستغفره فهو يعلم انى قد كنت احب الصلوة له وتلاوة كتابه وكثرة الدعاء والاستغفار. دمعہ ساكبہ ص ۳۲۴ تحفہ حسینہ ص ۱۲۱ مقتل عوالم ص ۸۰ ناسخ ج ۶ ص ۲۴۴ اکسیر التواریخ ص ۶۹ تاریخ کامل ج ۴ ص ۲۴

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس علیہ السلام کو یہ فرمایا تھا۔ کہ بھائی جاؤ اور جا کر آج ان لوگوں کو جنگ سے باز رکھو۔ تاکہ میں آج کی شب عبادات خداوندی کو رخصت کر لوں اب تک تو میں نماز تلاوت کلام مجید استغفار دعا اور دیگر عبادات میں مہمک رہا۔ اب چاہتا ہوں کہ اس ایک رات کو بارگاہ غنیمت میں مشاہم جلاء العیون ص ۱۹۹

”امشب وداع عبادت پروردگار خود بجا آورم زیرا کہ پیوستہ خواہاں دشتاق نماز و تلاوت و استغفار و دعا و عبادات بودہ ام دیک شب را برائے مناجات و تضرع بدرگاہ قضی الحاجات غنیمت میں مشاہم جلاء العیون ص ۱۹۹

حکم امام علیہ السلام پاتے ہی حضرت عباسؓ واپس تشریف لے گئے۔ اور ان لوگوں سے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ ”آج جنگ نہ کرو۔ کل تمہارا جو جی چاہے کر لیتا۔

عمر سعد با شمر گفت۔ رائے چسیت۔ عمر سعد نے شمر سے کہا۔ تیری کیا رائے ہے۔  
 ردوا باشد کہ ایثاں را زایں ہنگام تا فردا بگاہ  
 مہلت گز ارمیم، شمر گفت۔ اگر من زمام کار  
 دا شتم۔ ساعتے ایثاں را مہلت نھے  
 گز ا شتم۔ اکنوں کار بدمت تست و امیر  
 جنگ توئی۔ من چہ گویم۔ عمر سعد گفت کاش  
 ہرگز بایں امیری تن درندام و بایں تہلکہ در  
 میتمام۔ ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۳۶

کیا ہوتا اور اس مصیبت میں نہ بڑتا  
 حضرت سید ابن طاووسؒ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباسؓ کے اس کہنے پر کہ ایک  
 شب جنگ نہ ہونی چاہئے۔ عمر بن سعد نے توقف اختیار کیا۔

فقال له عمرو ابن الحجاج الزبيدي  
 والله لو انهم من التورک والديلم و  
 سالونا مثل ذالك لا جبننا هم  
 فيكف وهم ال محمد صلى الله  
 عليه واله وسلم فاجابوهم الي  
 ذالك. (معه ساکبہ ص ۳۲۴)  
 اس پر عمر بن حجاج بول پڑا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر یہ  
 لوگ ترک اور ديلم والے ہوتے اور ہم سے  
 اس قسم کا سوال کرتے تو ہم ضرور قبول کر  
 لیتے۔ یہ لوگ تو آل رسول اسلام ﷺ  
 ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت عباسؓ  
 کے فرمانے کو تسلیم کر لیا۔ اور جنگ ایک شب  
 کے لئے رک گئی۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ ”مولوی“ دہلی لکھتے ہیں کہ!  
 ”دشمن کی فوج کو تیار دیکھ کر جناب امام عالی مقام کے جان نثار بھی تیار ہو گئے تھے۔  
 اور جنگی لباس اور اسلحے پہن کر خمیوں سے نکل آئے تھے۔ اور حضرت عباسؓ کا انتظار کر رہے تھے۔  
 کہ آپ ملاعنہ کا کیا جواب لاتے ہیں۔ یہ انتظار کی گھڑیاں عجیب بے چینی سے گزر رہی ہوں گی۔  
 عورتوں اور بچوں کا جو حال ہوا ہوگا۔ وہ ظاہر ہے لیکن فدا کاروں اور جاں نثاروں کے گروہ میں  
 شوق شہادت اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ نہ فکر تھی، نہ تشویش۔ نہ اضطراب، نہ بے چینی اور بے قراری ہاں

صرف کا شانہ نبوت کے شمع ضیاء بار کی فکر ضرور سب کو لاحق تھی اور اہل بیت اطہار کی مصیبت کو دیکھ کر مضطرب و بے چین تھے۔ حضرت عباس کے آنے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں گئے۔ اور ہتھیار وغیرہ کھول کر رکھے۔ اربع شہید اعظم ص ۱۳۸

### حضرت عباس کی واپسی:

دشمنوں سے التوائے جنگ منوا کر حضرت عباس واپس تشریف لائے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں سارا واقعہ بیان فرمایا۔ مورخین لکھتے ہیں:

ورجع العباس من عندہم و معہ رسول من قبل عمر بن سعد یقول اننا قد اجلنا کم الی غد فان استسلمتم سرحنا بکم الی عبید اللہ ابن زیاد وان ابیتم فلسنا بتارککم۔ فانصرف حضرت عباس پلٹے اور آپ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک پیامبر بھی آیا۔ اور اس نے حضرت کی خدمت میں ابن سعد کا یہ پیغام پہنچایا۔ کہ ہم نے تم کو ایک رات کی مہلت دے دی ہے اگر تم نے بیعت قبول کر لی۔ تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے۔ اور اگر تم نے انکار کر دیا۔ تو پھر تمہیں قتل کے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پیغامبر یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

### التوائے جنگ کا اعلان ہو گیا:

حضرت عباس واپس تشریف لائے۔ اور برید نے زبانی پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے التوائے جنگ کا اعلان کر دیا۔ امر منسادیہ فنادی اننا قد اجلنا حسینا واصحابہ یومہم ولیلہم الخ۔ و معہ ساکبہ ص ۳۲۴ اس نے اعلان کر دیا۔ کہ امام حسین اور ان کے اصحاب کو آج کے دن اور رات کی مہلت دی گئی۔

اس اعلان کے بعد ایک شب کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔ علامہ ابو الفضل محمد احسان اللہ عباس لکھتے ہیں۔ کہ ۹ محرم کی لڑائی حسین کی درخواست پر ملتوی رہی۔ ملاحظہ ہوتا رہا اسلام ص ۲۷ طبع گورکھ پور ۱۹۳۱ھ

علامہ کاظمی فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کے التوائے جنگ کی آواز پر ”شمر نے زود کہ شہر امان نیست و امہال مجال ندارد۔ شمر نے زن ہوا۔ کہ تمہیں بالکل امان نہیں ہے۔ اور مہلت ناممکن ہے۔“ روزہ اشہد احوں ۳۰۸

## ایک شب کے لئے التوائے جنگ کی غرض:

حضرت عباس علیہ السلام کی کوشش سے جنگ تو ملتوی ہو گئی۔ لیکن فطری طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک شب کے لئے کیوں جنگ کا التواء چاہا۔ اکثر مؤرخین تو یہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے التوائے جنگ صرف اس لئے چاہا تھا کہ عبادت دعا استغفار وغیرہ میں رات گزاریں۔ اور اپنے پروردگار عالم کی عبادت کریں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کونسا دن۔ کوئی گھڑی، کونسا منٹ اور سیکنڈ ایسا گزرتا تھا۔ جس میں آپ عبادت نہ کرتے رہے ہوں۔ پھر عبادت کے لئے التوائے جنگ اور ایک شب کی مہلت طلبی۔ اس کا کیا مطلب۔ مجھے التوائے جنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے امام حسین علیہ السلام کی اس سے کوئی خاص غرض رہی ہو۔ اب وہ خاص غرض کیا تھی۔ اسے تو حضرت ہی جانتے تھے۔ لیکن استنباطی جدوجہد سے حسب ذیل وجوہ سمجھ میں آتے ہیں۔ ممکن ہے انہیں مندرجہ ذیل وجہ میں سے حضرت کی کوئی غرض رہی ہو۔

### پہلی وجہ:

معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی شہادت کا دن یوم عاشورا ہی تھا۔ اس سے قبل شہادت ناممکن تھی۔ اگر جنگ ہو بھی جاتی۔ تو آپ اس دن شہید نہ ہوتے۔ اور رات بھی بے چینی میں گزرتی۔ اس لئے آپ نے اس رات کو جنگ ملتوی کرادی۔

### دوسری وجہ:

یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جب عمر سعد جنگ کی پہل کے لئے آیا تھا۔ اور لاتعداد لشکر اس کے ساتھ تھا۔ اور آپ پر غنودگی طاری ہوئی تھی۔ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے خواب میں فرمایا تھا کہ اے حسین۔ ”انک رائج الینا غدا“ تم کل ہمارے پاس آ جاؤ گے (ومعہ سا کہ ص ۳۲۳) حسین نے سوچا کہ نا فرما رہے ہیں کہ تم کل ہمارے پاس پہنچو گے یعنی میری شہادت کل واقع ہونے والی ہے۔ اور یہ لوگ آج ہی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا چونکہ کل سے پہلے میری شہادت ناممکن ہے۔ اس لئے آپ نے التواء کا حکم دیا۔ اور التواء تسلیم بھی کر لیا گیا۔ ورنہ شمر کی رائے مانی جاتی۔ اور جنگ شروع ہو جاتی۔

### تیسری وجہ:

بقول علامہ مجلسی یہ ہو سکتی ہے کہ امام حسین یہ چاہتے تھے۔ کہ اب تک میں نے عبادت



کی دعا کی، استغفار کیا۔ اب یہ آخری رات اگر مل جائے۔ تو میں مناجات کر کے طہانیت عبادات کو رخصت کر لوں اس کے بعد جو عبادت کا موقع ملے گا۔ اس میں اطمینان اور سکون نصیب نہ ہوگا۔

### چوتھی وجہ:

یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ خیال تھا کہ پردہ شب میں چراغ گل کر کے اتمام حجت کر لیں۔ اور لوگوں سے کہہ دیں کہ جسے جانا ہو۔ چلا جائے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حسین کے ساتھ جو لوگ مارے گئے۔ وہ مجبوراً پھنس کر مرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین نے شب عاشورہ کے خطبہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا۔ ”ایں مہلت برائے شاہ خواتم“ (روضۃ الشہد اص ۳۵۹)

### پانچویں وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سوچا۔ کہ آج کی رات مہلت لے کر اپنے اصحاب کی گردنوں سے طوق بیعت اتارنے کا کھل کر اعلان کر دوں۔ تاکہ وہ لوگ جو بھوک پیاس اور دیگر شدائد کو برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ راتوں رات چپکے سے نکل جائیں۔ اور میدان جنگ میں نہ جائیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ رزمگاہ میں پہنچ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگیں۔ تو ہماری سبکی ہو جائے۔ اور لوگ کہنے لگیں کہ حسین کے ساتھی بزدل تھے۔

### چھٹی وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں وہ تمام حضرات اس وقت تک نہ پہنچے ہوں۔ جنہیں آپ کے ساتھ شہید ہونا تھا۔ اور چونکہ آپ جانتے تھے کہ اس رات کو سب مجتمع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بقول مجلسی ”تیس آدمی فوج مخالف کے اسی شب میں حضرت سے ملے۔ لہذا آپ نے التواء کا حکم دیا۔

### ساتویں وجہ:

یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والوں میں حضرت علی اصغر بھی تھے جن کی عمر چھ ماہ کی جانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چھ ماہ پورے ہونے میں ایک رات کم رہی ہو۔ اور حسین یہ چاہتے رہے ہوں۔ کہ اصول قربانی کے لحاظ سے پورے چھ ماہ ہو جائیں۔ تاکہ میری قربانی میں نقص واقع نہ ہو جائے۔ اسی لئے ایک رات جنگ ملتوی کرادی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## شب عاشورہ

جنگ کے التواء کا اعلان ہو چکا ہے۔ زرد رو آفتاب مائل بہ غروب ہے۔ عاشورہ کی وہ تاریک رات جس کی قدرت نے قرآن مجید میں قسم کھائی ہے۔ کالی بلا کی صورت ڈراونی شکل میں آ رہی ہے۔ دونوں لشکر والے اپنی اپنی قیام گاہوں میں پہنچ چکے ہیں۔ التوائے جنگ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو سب سے پہلے فکر و اسٹکیر ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ کسی طرح اپنے اصحاب کو اس آگ کے میدان اور تیر و تیر کی دنیا سے نکال دیں۔

فجمع الحسين عليه السلام  
اصحابه عند قرب المساء قال  
علي ابن الحسين زين العابدين  
عليه السلام فدنوت منه لا سمع ما  
يقول لهم وانا اذا ذاك مريض  
قسمت ابي يقول لاصحابه اني  
علي الله احسن الثناء واحمده  
علي السراء والضراء. اللهم اني  
احمدك علي ان كرمنا بالنبوة و  
علمتنا القرآن وفهمتنا في الدين و  
جعلت لنا اسماعا وابصارا وافئدة  
فاجعلنا منا لشكرين. اما بعد فاني  
لا اعلم اصحابا اوفى وخيرا من  
اصحابي ولا اهل بيت ابرو او صل  
منا هل بيتي فجزاكم الله عني  
خييرا الا واني لا ظن يوما لنا من  
هؤلاء الا واني قد اذنت لكم  
فانطلقوا جميعا في حل ليس

اسی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میں اگرچہ مریض تھا۔ لیکن یہ سننے کے لئے کہ بابا جان کیا فرماتے ہیں۔ میں بھی جا بیٹھا وہاں پہنچ کر میں نے سنا کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں۔ کہ میں خداوند عالم کی بہترین شا کرتا ہوں۔ اور ہر حالت میں اس کی حمد کو فریضہ جانتا ہوں۔ خدایا میں اس امر پر تیری حمد و ثنا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شرف نبوت سے ممتاز فرمایا۔ اور ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دی اور دین کا انتہائی شعور کرامت فرمایا۔ اور ہمارے لئے کان آکھ اور دل معین فرما کر ہمیں شاکرین میں شمار کیا۔ اما بعد۔ اے میرے اصحاب میں سچ کہتا ہوں۔ کہ میرے اصحاب سے زیادہ اور بہتر اصحاب ممکن نہیں۔ اور میرے اہل بیت سے عمدہ اور لائق اہل بیعت کا امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اے میرے اصحاب و اقربا جزائے خیر دے۔ مگر میں

۱۔ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۵۷ طبع مصر، تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۶۱ طبع مصر

۲۔ تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۶

علیکم حرج منی ولا دمام هذا اللیل  
قد غشاکم فاتخذوه جملا و تفرقوا  
فی سواده فان القوم انما یطلبوننی و  
ظفر و ابی لذهلوا عن طلب غیری۔  
(معہ سبا کہ ص ۳۲۴ ناسخ ۶  
ص ۲۴۶۔ نور العین ص ۳۰ مقتل  
عوالم ص ۸۰ تحفہ حسینیہ ص ۱۲۰)

یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ میں نے تمہیں اجازت  
دے دی ہے۔ اور تم سب کے سب میری طرف  
سے آزاد ہو۔ اس وقت رات کا پردہ حائل ہے۔ تم  
کسی طرف چپکے سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچاؤ۔  
میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ یہ قوم صرف میرا  
خون بہانا چاہتی ہے جب یہ مجھے قتل کر لیں گے تو  
پھر کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کریں گے۔

رات کی ہلکی ہلکی تاریکی میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ بالا پہلا خطبہ دیا۔  
اس خطبہ کا سننا تھا۔ کہ حسین کے فدائی پے چین ہو گئے۔ ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔  
حضرت عباس کھڑے ہو گئے:

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام فوراً کھڑے ہو گئے اور دست بستہ عرض کی۔  
ارے سرکار نے یہ کیا فرمایا۔ ”لم نفعل ذالک لنبقی بعدک لا ارانا اللہ ذالک ابدا“ یہ تو  
ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دن ہمیں کبھی نہ دکھائے (تاریخ ابن  
الوردی ج ۳ ص ۷۳) طبع مصر علامہ شریف شیروانی لکھتے ہیں۔ ”فقال اخوه العباس لم  
نفعل ذالک لنبقی بعدک“ حضرت عباس نے عرض کی یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے  
بعد زندہ رہیں۔ (کتاب الخلف ج ۱۸۸۲ طبع ایران ۱۳۱۲ھ و جلاء العیون ص ۱۹۹)  
مورخین لکھتے ہیں۔ ”بداہم بهذا القول العباس ابن علی و ابتعہ الجماعة علیہ  
فنکلموا بمثلہ ونحوہ“ اس جانبازانہ اور دلیرانہ عرضداشت کی ابتداء حضرت عباس علمدار  
کربلا نے کی۔ پھر دیگر حضرات بھی اپنے کمال جذبات کے ساتھ اسی قول کی تائید کرنے لگے۔  
(ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۹۷، مقتل عوالم ص ۸۰)

فقال له اخوته و ابنائه و بنواخیه  
وابنا عبد اللہ ابن جعفر لم نفعل  
ذالک لنبقی بعدک لا ارانا اللہ  
ذالک (مقتل عوالم ص ۸۰ تحفہ  
حسینیہ ص ۱۲۰ کتاب الصدف ج ۲  
ص ۱۸۸ ابن الوردی ج ۱ ص ۱۷۳)

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی  
بیٹے، چچے اور عبد اللہ بن جعفر طیار کے لڑکے  
بول اٹھے حضور ہم تو یہ کبھی نہ کریں گے۔ کہ  
آپ کے بعد باقی رہیں۔ خداوند عالم وہ دن  
کبھی نہ دکھائے جس میں ہم آپ کے بغیر  
زندہ رہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام خصوصیت سے حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں۔ اے میرے بچو تمہارے لئے باپ مسلم بن عقیل کی شہادت کافی ہے۔ ”فاذهبوا انتم فقد اذنت لکم“ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ تم جدھر چاہو چلے جاؤ تاکہ تمہاری جان بچ جائے۔

**مسلم بن عقیل کے فرزند کھڑے ہو گئے:**

یہ سننا تھا کہ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے جانناز فرزند اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خدمت حضرت امام حسین علیہ السلام میں عرض کی۔ سبحان اللہ! اگر ہم چلے جائیں۔ تو دنیا کیا کہے گی۔ اور ہمارا ضمیر کس درجہ ملامت کرے گا۔ کہ ہم اپنے سید و سردار کے ساتھ ہو کر دشمن سے نہ لڑے۔ نیز بازی نہ کی۔ تلوار نہ چلائی۔

لا والله ما نفعل ولكن نفديك  
بأنفسنا وأموالنا وأهليهنه ونقاتل  
معك حتى نورد مؤذلك قبيح الله  
العيش بععدك أرمعه ساكبه  
اللہ تعالیٰ کی قسم یہ بالکل ناممکن ہے۔ ہم جان مال آل واولاد سمیت آپ پر ثار ہونے کو تیار ہیں۔ اور آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی۔ وہی ہم پر گزرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس زندگی کو برباد کرے جو آپ کے بعد ہو۔ (ص ۳۲۶)

غرض کہ اسی طرح تمام اعزہ نے دلیرانہ جواب دیا۔ اعزہ کے بعد اصحاب جان و فانی حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبہ کا جاں نثارانہ جواب دے کر حضرت کے مطہرین یل کو مزید اطمینان دلادیا۔

**حضرت مسلم بن عوسجہ اٹھ کھڑے ہوئے:**

فقال انحن نغلي عنك وبما نعتذر  
الياء لله في اداء حقلك لا والله حتى  
اطعن في صدورهم برمحي  
حضرت مسلم بن عوسجہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی حضور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اللہ اکبر۔ مولا۔ ہم اگر ایسا کریں تو

جناب حضرت بن نحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت ان کلمات کے سننے سے ان کے چہروں پر انوار نبوت۔ آثار ہدایت چمک رہے تھے۔ اور ان کی حمیت و عقیدت بار بار اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ لشکر کفار پر جا پڑیں۔ مال و اسباب کی پروا نہیں۔ ان کی جائیں شکار کر لیں۔ گریا جوش شجاعت و فصاحت میں وہ کام کر رہے تھے۔ جو امیر لشکر اور خلیف مہربان کرتے ہیں۔ ۱۲ (ترجمہ منہاس ۲۲ طبع دہلی ۱۳۳۷ھ)

اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا میں تو اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ جب کہ میں دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ چھوڑوں گا۔ اور ان کی گردنیں ماروں گا۔ اور اگر میرے پاس جنگ کے اسلحے نہ رہے تو پتھر سے دل کا بخار نکالوں گا۔ مولا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک اللہ تعالیٰ نہ جان لے کہ ہم نے امانت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی۔ اور اپنا فریضہ ادا کر لیا۔ حضور! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں یہ جانتا ہوں۔ کہ قتل کئے جانے کے بعد زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا۔ اور اسی طرح میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے گا۔ تب بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چہ جائے کہ اس وقت صرف ایک بار قتل ہونا ہے۔ اور پھر یہ شہادت ایک ایسی کرامت ہے۔ جس کا قیامت تک جواب ناممکن ہے۔

واضر بهم بسيفي مائيت في يدي  
ولو لم يكن معي سلاح اقاتلهم به  
لقد فتهم بالاحجارة والله لا  
تحليك حتى يعلم الله انا قد  
حفظنا غيبة رسول الله فيك اما  
والله لو علمت اني اقتل ثم احي  
ثم احرق حيا ثم اذرى يفعل ذلك  
سبعين مرة ما فارقتك حتى القي  
حماسي دونك فكيف لا افعل  
ذلك وانما هي قتلة واحدة ثم هي  
الكرامة التي لا انقضاء لها ابدا.  
(دمعہ ساکبہ ص ۳۲۵)

حضرت زہیر بن قین کھڑے ہو گئے:

اور عرض کی:

مولا! بخدا سو گند کہ من رانم کہ ہزار مرتبہ  
کشتہ شوم و زندہ شوم و باز کشتہ شوم و ہزار  
جاں رندا۔ ے تو د اہل بیت تو کنم  
(جلاء العیون ص ۱۹۹)

سعد بن عبد اللہ الحنفی کھڑے ہو گئے:

اور کہنے لگے۔ واللہ ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ تعالیٰ یہ  
جان لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا۔ جلا یا

جاؤں گا۔ آگ میں بھونا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں گا۔ (انسانیت موت کے دروازے پر ص ۷۲)

اسی طرح تمام اصحاب با وفا نے عرض کی اور شوق شہادت اور جذبہ وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور ان حضرات کے حق میں دعا فرمائی۔

مجاہد فی سبیل اللہ ایسے کب نظر آئے  
قیامت ہو جنہیں اک اک گھڑی شوق شہادت میں

## حضرت عباس اور اصحاب کو خندق کھودنے کا حکم

خطبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام اور اصحاب با وفا کو حکم دیا۔ کہ خیموں کو ایک جگہ جمع کر کے ٹٹا بوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر دو۔ اس کے بعد خیموں کے گرد اگر خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو۔ تاکہ ضرورت کے وقت اس میں آگ دے کر اپنے خیام کی حفاظت کر سکیں۔ ”فحضرت حول عسکرہ شبہ الخندق و امر فحشیت خطباً“ امام حسین کے حسب حکم لشکر کے گرد ایک خندق جیسا گڑھا کھودا گیا اور اسے خس و خاشاک اور لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ (دمعہ سہ ص ۳۲۶ جلاء العیون ص ۲۰۰ و روضۃ الصفا و کبریٰ ص ۹۱)

مولوی سید حیدر علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

”پھر امام حسین کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر زمین میں لکڑی بھری تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔ (تاریخ ائمہ ص ۳۵۷)

حضرت امام علیہ السلام کے خندق کھودنے کا حکم دینا روایتوں میں دو طرح سے ملتا ہے۔ اور دونوں کے مواقع ایراد الگ الگ ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے شب ہشتم خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اسے خس و خاشاک سے پر کر دو تاکہ بوقت ضرورت اس میں آگ لگا کر اپنی حفاظت کر سکیں۔

اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے شب عاشور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور خس و خاشاک سے پر کرنے کو فرمایا۔ میں نے اس روایت کو دونوں مواقع پر مختصر الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

## حضرت عباس کا پانی کے لئے جانا اور بے نیل مرام واپس آنا

عاشور کی بھیاں یک رات دمدم گزر رہی ہے۔ حسینی بہادر خندق کھود کر زمین پر بیٹھے دم لے رہے ہیں۔ عباس جنہیں عطش اہل بیت کی وجہ سے دم لینا نصیب نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ سرکار پانی کی کیا سبیل پیدا کروں۔ امام حسین ارشاد فرماتے ہیں۔ میری جان تم پر غار ہو۔ دستیابی آب کی ایک صورت ہے۔ شاید پانی مل جائے۔ وہ یہ کہ تم تیس سوار اور بیس پیادوں کو ہمراہ لے کر نہر فرات پر جاؤ۔ اور پانی کی کوشش کرو۔ ابھی رات کا زیادہ حصہ نہیں گزرا۔ نہر کے محافظین بیدار ہیں۔ حضرت عباس تیار ہوتے ہیں۔ اور ہمراہیوں سمیت روانہ نہر فرات ہو جاتے ہیں۔ نہر پر پہنچے۔ مانعین آب نے ہزاروں کی تعداد میں دریا کی صورت اسٹنڈ کر مزاحمت کی۔ گھسان کی جنگ ہوئی۔ حسینی بہادر نے ہر چند کوشش کی۔ مگر پانی نہ ملتا تھا۔ نہ ملا علامہ سبط ابن جوزی مورخ واقعاتی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

فلما اشتد بالحبسین واصحابہ	جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے
العطش بعث بالعباس بن علی اخیه	اصحاب وغیرہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو آپ نے
الی المشارع فی ثلاثین فارسا و	اپنے بھائی عباس بن علیؓ کو تیس سواروں اور
عشرین راجلا فافتتلوا علیہ ولم	بیس پیادوں سمیت نہر فرات پر پہنچا۔ اور بڑی
یمکنواہم من الوصول الیہ (تذکرہ	جنگ کے بعد بھی پانی تک نہ پہنچ سکے۔

خواص الامۃ ص ۱۴۱ طبع ایران)

علامہ قاضی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کے ہمراہیوں میں جناب ہلال بن نافع بھی تھے۔ نہر پر پہنچنے کے بعد جب ان لوگوں نے پانی لینا چاہا۔ تو عمر بن حجاج نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرت ہلال نے جواب دیا میں تمہارا چچا زاد بھائی ہلال بن نافع ہوں۔ اس نے کہا۔ تم بے شک پانی پی سکتے ہو۔ لیکن حسین کے لئے نہیں لے جاسکتے۔ ہلال نے جواب دیا۔ میں پانی پینے کے لئے نہیں بلکہ لے ہی جانے کے لئے آیا ہوں۔ الغرض دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی۔ اور پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ (کبریٰ ۳۴)

حضرت زینب کا سوال:

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب عاشور کی رات قدرے گزر چکی۔ تو حضرت امام حسین علیہ

السلام تن تھا موقع جنگ دیکھنے کے لئے نکلے۔ اور ایک سمت کو چل دیے۔ جناب ہلال بن نافع جو بڑے سیاسی اور امور جنگ سے باخبر تھے۔ حضرت کو تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھے اور حضرت سے جا ملے۔ آپ نے پوچھا ہلال کہاں آ رہے ہو۔ عرض کی۔ مولا پر آشوب زمانہ اور وقت میں آپ تنہا تشریف لئے جا رہے ہیں مجھ سے یہ برداشت نہ ہوا۔ کہ آپ کو اکیلا جانے دوں۔ حضور فرمائیں تو سہی کہ کیا ارادہ ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہلال موقع جنگ دیکھنے نکلا ہوں۔

مواقع کو دیکھنے کے بعد آپ پلٹ پڑے۔ ہلال بن نافع کا بیان ہے۔ کہ حضرت میرا باباں ہاتھ پکڑے ہوئے واپس تشریف لا رہے تھے۔ دفعۃً آپ کی نظر ایک جانب کو اٹھی۔ ارشاد فرمایا۔ ہلال دشمن صرف میری جان چاہتے ہیں۔ تم انہیں پہاڑیوں کے راستوں سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچالو۔

یہ سننا تھا کہ ہلال قدموں پر گر پڑے۔ اور عرض کی ”اذا نكسلت هلالا امه“ مولا اگر میں ایسا خیال بھی کروں تو میری ماں میرے ماتم میں بیٹھے۔ میں تو آپ کے قدموں پر نثار ہونے کو زندگی سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت داخل خیمہ ہو گئے۔ اور حضرت زینب علیہا السلام کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے۔ حضرت زینب نے سینے سے لگا کر کہا۔

”اخي هل استعلمت من اصحابك نياتهم فاني اخشي ان

يسلموك عند الوثبة واصطكاك الاستر“

بھائی جان آپ نے اپنے اصحاب کی نیتوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو حملہ آوری اور نیرہ زنی کے موقع پر نہ چھوڑ دیں۔

یہ سننا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام رو پڑے۔ اور فرمایا۔ بہن، غم نہ کرو میرے ساتھ وہ بہادر ہیں۔ جو موت سے اس طرح مانوس ہیں۔ جس طرح بچے اپنی ماؤں کے پستانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔

”فلما سمع هلال بكى دقة“ بھائی بہن کی باتوں سے ہلال نے اندازہ لگا لیا کہ شاید بنت فاطمہ کو ہمارے اوپر پورا اعتماد نہیں ہے۔ فوراً حبیب بن مظاہر کے خیمہ میں آئے۔ دیکھا کہ تلوار پر مصقل کر رہے ہیں۔ کہا حبیب کیا کرتے ہو۔ ارے حضرت زینب کو ہم پر اعتماد نہیں معلوم ہوتا۔ چلو۔ بنت فاطمہ کے نازک دل کو مطمئن کریں۔ تمام اصحاب جمع ہو کر حضرت زینب کے خیمہ کے قریب آتے ہیں۔ اور آواز دیتے ہیں۔ اے ہماری سردار۔ اے ہمارے امام کی پیاری بہن۔ کیا آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں۔ ارے ہم آپ پر جان نثار کرنے کی تمنا میں جی رہے ہیں۔ ہماری



تکواریں نیام میں نہ جائیں گی جب تک دشمنوں کے گلے نہ کاٹ لیں۔ اور ہمارے نیزے رکیں گے نہیں جب تک دشمنوں کے سینوں میں نہ ٹوئیں۔ پھر حضرت نے محذرات عصمت کی طرف سے ان بہادروں کو اطمینان دلایا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۵)

### حضرت امام حسین کا ایک اور خطبہ:

رات کا ایک حصہ گزر چکا ہے۔ اور تاریکی چھا چکی ہے۔ امام علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہو کر اپنے اصحاب کے قریب جاتے ہیں۔ اور ان کے پھر مجتمع ہونے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ ان واحد میں اصحاب باوقار موجود ہوتے ہیں۔ (ناخ ج ۶ ص ۲۳۷) آپ ساج کی کرسی پر جلوہ افروز ہو کر اپنے اصحاب سے بایہ پر غم فرماتے ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۰۹)

انتم فی حل من بیعتی فالحقوا  
لجشائرکم و موالیکم و قال لاهل  
بیعتہ قد جطعکم فی حل من مفارقتی  
فانکم لا تطیقونہم لتضاعف اعداد  
ہم و قراہم و ما المقصود غیری  
فدعونی والقوم فان اللہ عزوجل  
یعیننی ولا یغلبنی من ہسن نظره  
کما داتہ کما داتہ فی اسلافنا  
الطیبین (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۵ و  
ناسخ ج ۶ ص ۲۴۷) تفسیر امام  
حسن عسکری علیہ السلام

میرے وفادار اصحاب میں نے تم سے بار  
بیعت اٹھا لیا تم اپنے قبیلوں اور عزیز دوستوں  
میں جا ملو۔ پھر اپنے اہل بیت کی طرف متوجہ  
ہو کر فرمانے لگے۔ میں تمہیں اپنی جدائی کے  
متعلق مشورہ دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تم دشمنوں  
کی کثرت اور طاقت کی تاب نہ لا سکو گے اور  
دیکھو دشمن صرف مجھی کو چاہتے ہیں۔ تم مجھے  
دشمنوں میں چھوڑ کر چلے جاؤ بے شک اللہ  
تعالیٰ میری مدد کرے گا اور ہمارے آباؤ اجداد  
کی طرح ہم پر نظر مرحمت رکھے گا۔

اس خطبہ کے بعد بھی جانبازوں نے دلیرانہ جواب دیا۔ لیکن بقول حضرت سکینہ کچھ لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

### امام حسین نے جنت دکھلا دی

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب باوقاف کا جائزہ لینے اور پورا پورا اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قریب بلا تے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں۔ یہ رات کا پردہ حائل ہے۔ اسے سیر کے کام میں لاؤ۔ اور اپنی جان بچا

لو۔ یہ دشمن تو صرف میرا خون چاہتے ہیں جب مجھے قتل کر لیں گے۔ تو تمہاری طرف رخ بھی نہ کریں گے۔ ”قالوا واللہ لا یکون هذا ابدا“ وہ بولے۔ ”اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو کبھی نہ ہو گا۔“ آپ نے فرمایا۔ جو کہتا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ کل تم سب کے سب ضرور قتل کر دیے جاؤ گے۔ اور ایک بھی نہ بچے گا۔ ”قالوا الحمد لله الذی شرفنا بالقتل معک“ عرض کی الحمد للہ کہ ہم آپ کے ساتھ شہید ہونے سے شرف ہوں گے۔

ثم دعی فقال لهم ارفعوا رؤسکم وانظروا فجعلوا ينظرون الی مواضعهم ومنازلهم من الجنة وهو یقول لهم یا منزلک یا فلان فکان الرجل یستقبل الرماح و السیوف بصدرة و وجهه لیصل الی منزلہ من الجنة (وضائل مظفری ص ۳۹۴ طبع طہران ۱۳۲۰ھ)

پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو قریب بلایا۔ اور فرمایا ذرا سر اٹھاؤ اور دیکھو۔ انہوں نے سر اٹھایا اور جنت میں اپنی منزل اور جگہ دیکھی۔ آپ فرماتے جاتے تھے کہ اے حبیب اے زہیر وغیرہ یہ تمہاری جگہ ہے یہ تمہاری جگہ ہے۔ اسی طرح سب کو دکھلا دیا۔ اسے دیکھنے کے بعد ہر شخص نیزوں اور تلواروں کا اپنے سینہ اور چہرہ سے استقبال کرنے لگا۔

تاکہ جلد سے جلد جنت میں داخل ہو کر اپنی جگہ پائے۔

حسینی بہادروں میں جوش شجاعت پہلے ہی کیا کم تھا۔ کہ جنت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ مرنے کے پہلے ہی مشتاق تھے۔ اب تو اشتیاق حد سے بڑھ گیا۔ دنیا کی تمام کلفتیں مرنے کی موہوم تکلفیں کا فور ہو گئیں۔ اب وہ عالم ہے کہ ایک دوسرے پر سبقت کر رہا ہے۔ اور مسرت قتل سے پھولے نہیں سماتے۔ سچ ہے۔

شب عاشور شہ نے خطبہ آخر میں فرمایا نہ نیند آئی کسی کورات بھر شوق شہادت میں (اظہار الہ آبادی)

## نایابی آب کی وجہ سے شب عاشور خیام اہل بیت میں اضطراب عظیم

عباس کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی اہل بیت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ساتویں محرم سے پانی بند ہے۔ سخی آب کی ہر سبیل غیر مفید ثابت ہو چکی ہے۔ تنگ و دو کی گئی۔ کنوئیں کھودے گئے۔ مگر پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ عاشور

کی رات آگئی ہے۔ پیاسوں کی آنکھوں میں موت کا نقشہ نظر آ رہا ہے۔ اضطراب اہل بیت کی کوئی حد نہیں۔ حضرت سکینہ بنت الحسین فرماتی ہیں کہ نوں محرم کا دن گزرنے کے بعد جب رات آئی تو پانی کی تالیابی نے ہم لوگوں کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا خشک برتنوں اور مشکیزوں کی طرح ہماری زبان اور لب بھی خشک ہو گئے۔ اور ایسی حالت پیدا ہو گئی جو برداشت نہ کی جاسکی۔ بالآخر ”قمت الی عمتی زینب علیہا السلام اخبرها بعطشا ننا لعلھا ادخرت لنا ماء“ میں اور بچوں سمیت اپنی پھوپھی زینب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تاکہ انہیں اپنی حالت سے آگاہ کر کے پانی کی خواہش کروں۔ شاید وہ کوئی سبیل پیدا کر سکیں۔ ”فوجدتہا فی حیمتھا و فی حجرھا اخی الرضیع“ میں نے انہیں اپنے خیمہ میں پایا۔ وہ آغوش محبت میں میرے بھائی علی اصغر کو لئے ہوئے تھیں اور ان کی حالت یہ تھی ”تارۃ تقوم و تارۃ تقعد و هو یضطرب اضطراب السمکۃ فی الماء“ کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور میرا بھائی ان کی آغوش میں اس طرح ترپتا تھا جس طرح چھوٹی چھلی پانی میں ترپتی ہے۔ ”ویصرخ وھی تقول صبرا صبرا یابن اخی“ وہ ترپتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔ اور میری پھوپھی انہیں تسلی دیتی ہوئی فرماتی ہیں میرے برادر زادے صبر کرو۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتی تھیں۔ ”وانی لک الصبر وانت علی هذا الحالة المشؤمة“ اور تجھے کیونکر صبر آ سکتا ہے جب کہ تیری یہ حالت ہے ”یعز علی عمتک ان تسمعک ولا تنفک“ اے بیٹا کیا کروں۔ اس بات سے سخت تکلیف ہے کہ میں تیری حالت دیکھتی اور تیرا بیان سنتی ہوں اور کچھ نہیں کر سکتی۔ جناب سکینہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے پھوپھی جان کا بیان سنا۔ اور علی اصغر کی حالت دیکھی۔ تو میں بھی رو پڑی۔ ”فقال سکینۃ قلت نعم“ پھوپھی اماں نے پوچھا۔ کون، سکینہ؟ میں نے عرض کی۔ ہاں پھوپھی جان۔ میں ہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر اپنی پیاس کا ذکر کیا۔ وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔ میں نے کہا۔ اے پھوپھی جان ”لوارسلت الی بعض عیالات الانصار فلو بما ان یکون عندهم ماء“ اگر آپ انصار کی عیال کے پاس کسی کو بھیجیں۔ تو شاید کچھ پانی کہیں سے دستیاب ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت زینب نے میرے بھائی کو آغوش میں لیا۔ اور خود میری دیگر پھوپھیوں کے خیموں میں تشریف لے گئیں لیکن کہیں پانی کی کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس ہو کر بعض فرزندان امام حسن کے خیمہ میں پہنچیں۔ تو آپ کے ساتھ ہمت سے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہو گئے تھے۔ اور سب کو یہ امید تھی کہ زینب کہیں سے پانی کی سبیل نکالیں گی۔ غرض کہ آخر میں میری

پھوپھی زینب نے اصحاب کے خیموں میں پانی کا پتہ لگا یا مگر ماہوسی ہی رہی۔ ”فلما استیئست رجعت الی خیمتها و معها ما یقرب من عشرين صبیا و صبیة“ جب پانی ملنے سے نا امیدی ہوئی۔ تو اپنے خیمے میں پلٹ آئیں۔ اب آپ کے پاس تقریباً بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئے۔ جو سب کے سب حد سے زیادہ پیاسے تھے۔

حضرت سیکہ فرماتی ہیں۔ کہ ہم سب اطفال حسینی چیخوں میں روپیٹ رہے تھے۔ کہ ناگاہ ہمارے خیمہ کی طرف سے بریر ہمدانی گزرے۔ انہوں نے جب ہماری حالت کا مطالعہ کیا۔ تو بے ساختہ رونے لگے اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیگر اصحاب سے ملے۔ اور ان سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار ہونے کے باوجود خاندان رسالت کے بچے پیاس سے مر رہے ہیں۔ میرے دوستو! اگر ہم انہیں سیراب نہ کر سکیں اور وہ پیاس سے مر جائیں۔ تو اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ ہم لوگ موت سے ہمکنار ہو جائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ان بچوں کے ہاتھ پکڑ لیں اور نہر پر لے چلیں۔ اور انہیں سیراب کرنے کی سعی کریں۔ یہ سن کر بچے مازنی بولے۔ میرے خیال میں بچوں کا لے جانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ دشمن حملہ ضرور کریں گے۔ اگر اس حملہ میں خدا نخواستہ کوئی بچہ نذر ہو گیا۔ تو ہم اس کا سبب قرار پائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مشکیزے لے لو اور نہر پر چل کر پانی حاصل کرو۔ پانی دستیاب ہونے پر ان پیاسوں کو سیراب کرو۔ جناب بچے مازنی کی رائے سب نے پسند کی۔ اور چار اصحاب مشکیزے لے کر نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جن کے قائد جناب بریر ہمدانی تھے۔

(ماہنامہ فی مثل الحسین ج ۱ ص ۳۱۸ طبع لکھنؤ)

## شب عاشور جناب بریر ہمدانی پر دشمنوں کی یورش اور حضرت عباس کا ملک میں پہنچنا

رات کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ محافظین نہر سوتے جاتے ہیں۔ مجاہدین کرام خدمت حسین سے اپنے خیموں کی جانب روانہ ہو رہے ہیں۔

حضرت بریر ہمدانی جنہیں ”سید القراء“ کہا جاتا ہے۔ خیام اہل بیت کی طرف سے گزرے۔ کانوں میں حسینی پیاسوں کی صدائے ”العطش“ پہنچی۔ دل بے چین ہو گیا۔ بڑھتے ہوئے قدم ٹہم گئے۔ ”زمی نفسه علی الارض و حشی التراب“ اپنے آپ کو زمین پر دے مارا اور خاک بر سر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اٹھے ساتھیوں کے پاس آئے۔ اور آبدیدہ ہو کر

بولے بھائیو! اولاد رسول کریم اور فرزندان ساقی کوڑ پیاس سے مرا چاہتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تلواروں کے قبضے ہمارے قبضوں میں ہوں۔ اور ہم ایک چلو بھی پانی نہ لاسکیں۔ اور تشنہ لب بچے جاں بحق تسلیم ہو جائیں۔

مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور طے کیا۔ کہ ان بچوں کو نہر فرات پر لے چلیں۔ اور سیراب کر لائیں۔ سعا خیال آ گیا۔ کہ اگر خدا نخواستہ کسی بچے کو کوئی گزند پہنچ گئی تو ہم خاتون جنت کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔

بربر کی حسب مرضی قبیلہ ازد کے صرف چار بہادروں پر مشتمل ایک جماعت زیر قیادت ہمدانی نہر فرات کی جانب روانہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ فرات کے قریب پہنچے۔ محافظین نہر نے ان کی آمد محسوس کر لی۔ پوچھا ”من هو لاء القوم“ یہ لوگ کون ہیں۔ یعنی تم کون لوگ ہو اور کیوں آئے ہو۔ بربر ہمدانی نے دلیرانہ جواب دیا۔ ”انا بربر و هو لاء اصحابی“ میں بربر ہوں اور یہ میرے ہمراہی اور صحابی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں آئے ہو۔ کیا غرض ہے۔ فرمایا۔ پانی پینے اور لے جانے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ٹھہرو۔ ہم اپنے سردار سے دریافت کر لیں۔ اگر اجازت ملے گی تو پانی لے جانے کی سبیل پیدا ہو جائے گی۔ ورنہ ناممکن ہوگی۔ ایک شخص محافظین نہر کے سردار اسحاق بن جثوہ کے پاس گیا۔ جو بربر کا رشتہ دار تھا۔ اور کہا۔ بربر پانی پینے اور خیم جسنی تک لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ اس نے کہا ”افرجو الہم الشرعة“ پانی پینے کے لئے گھاٹ خالی کر دو۔ جتنا جی چاہے۔ پی لیں۔ لیکن لے جانے نہ پائیں۔

اجازت ملی پانی میں اترے پانی کی ٹھنڈک نے دل پگھلا دیے۔ بربر نے پانی پئے بغیر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ مشکیزے جلدی بھرو۔ اور چل کھڑے ہو ”فقد ذابت قلوب اطفال الحسین“ اس لئے کہ فرزند رسول کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل پیاس سے گھگھلے جا رہے ہیں۔

بربر کی آواز ایک دشمن نے سن لی۔ اور پکار کر کہا۔ تمہیں پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ تم پانی لے جا نہیں سکتے۔ میں فوراً اسحاق کو باخبر کرتا ہوں۔ لیکن یہ بھی سن لو۔ کہ اگر اس نے بہ پاس قربابت پانی لے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ تو میں نہ لے جانے دوں گا۔

حضرت بربر نے اپنا لہجہ کمال سیاست کی بنا پر نرم کر کے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ گرفت میں نہ آیا اور اس نے اسحاق کو خبر کر دی۔ اسحاق نے حکم دیا۔ کہ پانی لے جانے سے روکو۔ اور اگر نہ مانیں تو میرے پاس گرفتار کر کے لاؤ۔ اہ آ یا اور اس نے مشکیزے سے پانی بہا

دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت بریر نے فرمایا ”اراقۃ الدماء اشہی من اراقۃ الماء“ اللہ تعالیٰ کی قسم میں پانی بہانے سے اپنا خون بہانا بہتر سمجھتا ہوں۔ میں نے ایک قطرہ بھی پانی نہیں پیا۔ ہماری پوری غرض خیام حسینی تک پانی پہنچانا ہے۔ جب تک دم میں دم ہے۔ ہمارے مشکیزوں کو کوئی نظر بھر کر بھی دیکھ نہیں سکتا۔

ان لوگوں کے ارادے معلوم کرنے کے بعد دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان بہادروں نے اپنے مشکیزے زمین پر رکھ دیے۔ اور اس کے گرد گرد گھٹے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ تیر بارانی کا حکم ہوا اور تیر برسنے لگے ایک بہادر نے مشکیزہ اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ اور چاہا کہ جلدی سے نکل کر تباہ قیام گاہ پہنچ جاؤں۔ اتنے میں ایک تیر کندھے پر آگیا۔ تمہ کٹ گیا۔ اور خون جاری ہو گیا۔ اور قدم تک پہنچا اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا۔ ”الحمد لله الذي جعل رقبتی وقاء لقربتی“ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری گردن کو مشکیزہ کے لیے سپر بنا دیا۔ یعنی میری گردن چھدی تو چھدی۔ مشکیزہ تو بچ گیا۔

ابھی تک ان بہادروں کی تلواریں نیام میں ہیں۔ لیکن حضرت بریر اب سمجھ چکے ہیں کہ یہ پانی روکنے میں اپنی ساری کوشش ختم کر دیں گے۔ اتمام حجت کے لئے کہا۔ کہ دیکھو۔ فرزند رسول پیا سے ہیں۔ اور ان کے اطفال و عورات بھی پیا سے ہیں۔ ہمیں پانی تو لے جانے دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ حسین اور ان کے بچوں کے لئے فرات کا پانی ہم نے حرام کر دیا ہے۔ یہ نا ممکن ہے کہ تم پانی لے جا سکو۔ بریر نے کہا۔ دیکھو ہماری تلواریں اب تک نیام میں سو رہی ہیں۔ انہیں بیداری کا موقع نہ دو۔ ورنہ بڑی خونریزی ہوگی۔

دشمن پانی روکنے میں مبالغہ کر رہے ہیں۔ اور یہ پانی لے جانے پر اصرار۔ بات بڑھی۔ آواز بلند ہوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے گوش مبارک تک صدا پہنچی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”الحقوا بة“ اے عباس کچھ لوگوں کو لے کر بریر کی ملک میں جلد پہنچو۔ وہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ حضرت عباس چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے۔ اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہوئے۔ عمر بن حجاج نے جب یہ دیکھا۔ تو اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ کہ اگرچہ رات ہے۔ مگر تیر بارانی شروع کر دو۔ حکم پاتے ہی دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ بریر نے بڑھ کر ایک مشکیزہ اٹھا لیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ۔ تاکہ تیر مشکیزہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور پانی بہنے سے بچ جائے۔

بریر مشکیزہ لئے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان میں ہیں۔ اور ساتھی آپ کے

ارد گرد ہیں۔ جس قدر تیر آتے ہیں۔ یہ بہادر اپنے سینوں پر لیتے ہیں۔ اور مشکیزہ تک کسی تیر کی رسائی نہیں ہونے دیتے۔ بریر ہدانی کے سات تیر لگ چکے ہیں۔ لیکن مشکیزہ اب تک محفوظ ہے۔ قضا را ایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا ایک بہادر کے سینے پر لگا۔ اور سینے کو توڑ کر پار ہو گیا۔ اور بریر کی گردن پر جا لگا۔ لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھ کہ تیر مشکیزہ پر لگ گیا ہے۔ حضرت بریر سے پوچھا۔ ذرا ہٹاؤ تو سہی۔ کہ یہ تیر کہاں لگا۔ بریر نے کمال عقیدت سے جواب دیا۔ کہ مشکیزہ بچ گیا۔ ”الحمد للہ“ یہ تیر میری گردن پر لگا ہے۔

الغرض کمک پہنچ گئی۔ دشمن کے دل چھوٹ گئے۔ ان حضرات نے دشمنوں کو ہٹا دیا۔ اور بریر وغیرہ کو ہمراہ لے آئے۔

حضرت بریر مشکیزہ لئے ہوئے خیمہ کے قریب پہنچے ”فجاء بریر بالماء حتی دنا بالخیمة فرمى القرية وقال اشربوا يا ال الرسول“ اور پکار کر کہا۔ اے رسول اکرم صلعم کے چھوٹے چھوٹے پیاسے بچو۔ آؤ پانی آ گیا۔ بخوشی پیو۔

بچوں میں شور مچ گیا۔ ایک دوسرے کو پکارنے لگے ”هذابریر جاء نالاماء“ آؤ۔ آؤ۔ بریر پانی لائے ہیں۔ تمام بچے دوڑ پڑے ”ورمیں انفسهن على القرية“ اور اپنے کو مشکیزہ پر گرا دیا۔ کوئی مشکیزہ کو آنکھوں سے، کوئی رخسار سے، کوئی پہلو سے لگانے لگا۔ مشکیزہ پر دباؤ پڑا۔ اور اس کا ”دہانہ بند“ الٹ گیا۔ منہ کھل گیا اور سارے کا سارا پانی پیاسوں کے سامنے زمین پر بہہ گیا۔ بچے ایک دوسرے کا منہ تکٹنے لگے۔ اور سب نے مل کر آواز دی ”ارے بریر پانی بہہ گیا۔“

بریر اس آواز کو سنتے ہی ”جعل يلطم وجهه“ منہ پیٹنے لگے۔ اور بڑی مایوس اور زبردست افسوس کے ساتھ رو کر کہا ”والله فاه على اكباد نيات رسول الله“ ہائے کس عرق ابزی سے پانی دستیاب ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اولاد میرا اب نہ ہو سکی۔ غرض کہ پانی زمین پر بہہ گیا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے کمال تشنگی کی وجہ سے اس تر زمین پر گرنے لگے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس حشر آفرین واقعہ کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ اور بے تاب ہو کر نہایت مایوس کے عالم میں کف افسوس ملنے لگے۔ (تئیں ۳۲۳ ص ۳۱۶ و مواضع حسہ ۲۸۵ ص ۲۸۳ طبع جالندھر ۱۹۳۹ء کبریت احمر ص ۳۲ توضیح عزرا ص ۱۹۱)

**عباس الاصفہر کی شہادت:**

عالم باشب عاشور کی اس آخری پانی کی جدوجہد میں عباس الاصفہر نامی حضرت علی السلام

کے ایک صاحبزادے کام آگئے ہیں۔ جن کو بعض لوگوں نے غلطی سے عباس الاکبر علیہ السلام سمجھ کر لکھ مارا۔ کہ حضرت عباس علمدار شب عاشور شہید ہوئے۔ (نور العین) یہ سراسر غلط ہے۔ یہ دھوکا بظاہر نام کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ حضرت علی کے دو بیٹوں کا نام عباس تھا۔ علمدار کربلا کو عباس الاکبر اور دوسرے بیٹے کو عباس الاصغر کہتے تھے۔ (المشرغ الرودی ص ۲۷ طبع مصر ۱۳۳۹ھ و ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۸۹ طبع بمبئی)

### حضرت زینب کا اضطراب:

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس ابوذر غفاری کے غلام جناب جون بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بقول بعض مورخین کچھ اشعار پڑھے جن کے الفاظ کی بندش سے موت کا نقشہ نظر آ رہا تھا۔ حضرت زینب نے جو حضرت زین العابدین علیہ السلام کی تیمارداری میں مشغول تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اشعار سن لئے۔ اور بے انتہا مضطرب ہو کر بھائی کے پاس آئیں۔ بھیا۔ آپ تو اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ”اے بہن موت ہر ایک کے لئے ہے۔ اور مجھے بھی بہر صورت مرنا ہے۔ اور لاریب یہ میری آخری رات ہے۔ حضرت زینب بے انتہا رنجیدہ ہوئیں۔ اور رونے لگیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے انہیں تلقین صبر فرمائی۔ اور خاموش کر دیا۔

## حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہدایات دینے کے لئے اصحاب کے خیموں کا دورہ

عاشورا کی رات گزر رہی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے برآمد ہو کر اصحاب کے خیموں کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کو حکم دیتے ہیں۔ کہ تم لوگ خیموں کو اس انداز سے نصب کرلو۔ کہ تمہاری زندگی تک دشمن خیموں کے قریب نہ پہنچ سکیں۔

قال المفید ثم خرج علیہ السلام  
الی اصحابہ فامرہم ان یقرب  
بعضہم بیوتہم من بعض وان یدخل  
الاطناب بعضہا من بعض وان  
یکونوا بین البیوت فیقبوا القوم فی  
وجہ واحد والبیوت من ورائہم

شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ پھر امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے ان کو حکم دیا۔ کہ تمام خیموں کو ملا لو۔ اور ایک کی طناب دوسرے کے ساتھ مستحکم کرلو۔ اور خیموں کے نصب کرنے میں ایسی شکل اختیار کرو۔ کہ تین



و عن ایمانہم وعن شمائلم  
قد جفت بہم الا الوجہ الی یتیم  
منہ عدوہم

طرف سے سب محفوظ ہو جائیں۔ اور صرف  
ایک ایسی طرف راستہ رکھو۔ جس طرف دشمن  
کی گزرگاہ ہو۔ اور ان سے مقابلہ کیا جاسکے۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۶۴۔ طبع ایران)

## حضرت عباس و حضرت علی اکبر اور جناب قاسم میں باہم گفتگو

علامہ محمد باقر نجفی اپنی کتاب دمعہ ساکبہ کے ص ۳۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ”ثم رجع  
علیہ السلام الی مکانہ“ اصحاب کو ہدایات دینے کے بعد آپ اپنے خیمہ فلک جاہ کی طرف  
واپس ہوئے۔ بقولے جب واپسی میں حضرت عباس کے خیمہ کے قریب پہنچے تو محسوس کیا۔ کہ  
جیسے کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں حضرت اپنی جگہ پر خاموش کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرات  
آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ کہ روئے سخن شب عاشور کی طرف ہو گیا۔ حضرت علی اکبر  
بڑی دلیری سے بولے۔ ”اے چچا آج کی صبح کو بابا جان پر جو سب سے پہلے جان کی قربانی دے  
گا۔ میں ہوں گا۔“

حضرت عباس بولے۔ ”آقا زادے۔ یہ کیا کہا۔ غلام کی موجودگی میں شاہزادہ کی  
شہادت کا کونسا سوال ہے۔ جب تک عباس کے دم میں دم باقی ہے۔ شہزادہ کو جنگ کی آغوش نہیں لگنی  
چاہئے۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ ”بچا یہ درست سہی۔ لیکن یہ بھی تو خیال فرمائیں۔ کہ آپ علمدار  
لشکر ہوں گے۔ اور علمدار کے مارے جانے سے سارا لشکر تتر بتر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ پہلے شہید  
ہوں گے۔ تو چھوٹے سے لشکر میں جلد سے جلد کمزوری دوڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ آپ کی وہ  
ہستی ہے۔ کہ آپ کے دم سے بابا جان زندہ ہیں۔ اگر آپ شہید ہو جائیں گے۔ تو بابا جان کی کمر  
ٹوٹ جائے گی۔“ حضرت عباس نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ ”اے میرے آقا کے نور نظر علی  
اکبر۔ تم نے جو کچھ کہا درست ہے۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ بیٹا باپ کا نور نظر ہوتا ہے جب باپ کے  
سامنے بیٹا شہید ہو جائے۔ تو باپ کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔ اگر تم پہلے شہید ہو جاؤ گے تو  
میرے سید و سردار بے نور ہو جائیں گے۔ اور یہ تو بتاؤ۔ کہ جب حضرت کا نور بصر جاتا رہا تو سارا  
دن لاشوں پر لاشے کیونکر اٹھائیں گے۔“

حضرت عباس اور حضرت علی اکبر علیہما السلام کی گفتگو حضرت قاسم بن حسن علیہ السلام  
خاموشی سے سنتے رہے۔ جب دونوں سوال و جواب کر چکے تو بولے۔ ”بچا جان۔ آپ نے جو کچھ

فرمایا وہ درست ہے۔ اور بھائی علی اکبر علیہ السلام نے جو کچھ کہا۔ وہ صحیح ہے۔ بے شک آپ کی شہادت سے چچا جان کی کمرٹوٹ جائے گی۔ اور بھائی علی اکبر کی شہادت سے چچا جان کا نور بصر جاتا رہے گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل سب سے پہلے جو چچا جان پر قربان ہو۔ وہ میں ہوں۔ اس لئے کہ میں یتیم ہوں۔ اور اپنے باپ کی طرف سے سب سے پہلی قربانی دینے کی تمنا رکھتا ہوں۔ یہ سننا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ میں داخل ہو گئے اور حضرت قاسم کو سینے سے لگا کر فرمایا: ”بیٹا! باپ کے نہ ہونے کا رنج نہ کر۔ میں تیرا باپ موجود ہوں۔ تیری شہادت سے مجھے اتنا ہی رنج ہوگا۔ جتنا میرے بھائی کو ہوتا۔“ سنتا ہوں کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے روئے سخن حضرت عباس کی طرف موڑا۔ اور ان کے جذبات کا جائزہ لے کر فرمایا۔ کہ ”اے عباس۔ اگر تم یہ حوصلے لے کر آئے ہو۔ کہ ان کا تختہ تباہ کر دو۔ تو مدینہ منورہ واپس جاؤ۔ میں تو اتمام حجت اور قربانی پیش کر کے اسلام کو زندہ کرنے اور اس کو سدا بہار بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“

### حضرت امام حسین اور اصحاب واعزہ کی عبادت گزاری:

حضرت امام حسین علیہ السلام اصحاب کو ہدایت فرما کر اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔ اصحاب اٹھے۔ اور حضرت کی حسب ہدایت ”طاب ہائے خیمہ را در میان یکدیگر کشیدند۔ و راہ تردد را از میان نیمہا مسدود گردا بیدند۔ و خندق دور خیمہ را پر از میزم کروند و مشغول نماز و عبادت و دعا و تلاوت گردیدند“ یعنی خیموں کے طنابوں کو ایک دوسرے سے پیچیدہ کر دیا۔ اور خیموں کے درمیان راستوں کو بند کر دیا۔ اور خیموں کے گرد کھدی ہوئی خندق میں خس و خاشاک اور لکڑیاں اچھی طرح بھر دیں۔ اس کے بعد نماز عبادت دعا تلاوت کلام مجید میں مشغول ہو گئے۔ (جلاء العیون ص ۲۰۰)

علامہ محمد باقی بحوالہ مفید لکھتے ہیں۔

فقام لیلتہ کلہا یصلی و یتستغفر و	پھر آپ ساری رات نماز پڑھتے۔ استغفار
یدعو و یتضرع و قام اصحابہ	اور دعا اور تضرع کرتے رہے۔ اور آپ
کذلک یصلون و یدعون و	کے تمام اصحاب بھی نماز و دعا اور استغفار
یتستغفرون (دمعہ ساکبہ ص ۲۳۶)	میں مشغول رہے۔

ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۴۸

علامہ اربلی رقمطراز ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے تمام عورات و اہل بیت کو صبر و شکیبائی کی وصیت فرمائی۔ اور بیمار امام حضرت زین العابدین کو باخبر کیا کہ میری نسل سے تم تنہا باقی

رہ جاؤ گے۔ ”پس از وصیت اہل بیت را یک یک وداع نمود و آنگاہ بعبادت مشغول شد“ بعد وصیت ہر ایک کو رخصت فرمایا۔ اس کے بعد مشغول بعبادت ہو گئے۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۷۰)

مورخین لکھتے ہیں:

فبات الحسین واصحابہ تلک  
اللیلۃ لہم دوی کدوی النحل ما  
بین راکع و ساجد و قاعد (دمعہ  
ساکبہ ص ۳۴۵۔ تاریخ کامل ج ۴  
ص ۲۳ مقتل عوالم ص ۸۰ طبری۔  
صلاح النشیتین۔ ابی منصف۔  
صواعق ہنابیع۔ اعثم کوفی۔ روضۃ  
الصفا۔ ناسخ ج ۶ ص ۲۴۸ وغیرہ)

## شبِ عاشور حضرت عباس علیہ السلام کی چہارگانہ عبادت

غرض کہ اب رات کا جو حصہ بھی باقی ہے۔ وہ عبادت میں گزر رہا ہے۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت اور اصحاب سب طہانیت عبادت کو رخصت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور حضرت عباس علیہ السلام بھی سر بسجود و عبادت خداوندی میں مشغول ہیں۔ لیکن آپ نماز دعا کے علاوہ فریضہ عبادت گزاری کو دوسرے طریقوں سے بھی ادا فرما رہے ہیں۔ علامہ محمد باقر قزوینی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ آپ نے شبِ عاشور چار قسم کی عبادت میں گزاری۔

پہلی قسم: تو یہ ہے کہ آپ اپنے برادر محترم حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح نحو عبادت ہوتے ہیں۔ کبھی رکوع، کبھی سجود، کبھی قیام، کبھی قعود فرماتے ہیں۔ کبھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کبھی تضرع و داری کرتے ہیں۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ آپ مصلے سے اٹھ کر فوراً خیام اہل بیت کا طلا یہ پھرتے ہیں۔ اور حفاظت خیام میں سارا گنہاک صرف کر دیتے ہیں۔

حضرت عباس کو چونکہ سرکار حسینی سے تمام اختیارات اور ذمہ داریاں حاصل تھیں۔ لہذا

آپ مجبوراً اپنے رخ عبادت کو حفاظت عزت رسول ﷺ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

تیسری قسم: یہ ہے کہ آپ خندق میں لکڑیوں کو مرتب طور پر جمع کرتے ہیں۔ اور بروایت جمع شدہ

لکڑیوں میں اس خیال سے آگ دیتے ہیں۔ کہ دشمن شب خون نہ ماریں۔  
**چوتھی قسم:** یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں و نیز دیگر بنی ہاشم کو جمع کر کے فرماتے ہیں کہ دیکھو کل امتحان کا دن ہے۔ تم اس طرح دلیری سے کام لینا۔ کہ دنیا انگشت بندھاں ہو جائے۔ اور اس کی پوری کوشش کرنا کہ سب سے پہلے شہادت نصیب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اصحاب سبقت لے جائیں اور دنیا کہے کہ حسین نے اصحاب کو پہلے کٹوا دیا۔ (کبریت احمر ص ۹۱)

## حضرت زینب جناب عباس کے خیمہ میں

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح حضرت عباس کو سکون اور چین نصیب نہ تھا۔ اسی طرح حضرت زینب صلوات اللہ وسلامہ علیہا بھی بے چین تھیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ کہ نصف شب گزرنے کے بعد میں اپنے خیمہ سے کمال اضطراب میں نکل کھڑی ہوئی۔ اور اپنے برادر جان برابر حضرت عباس کے خیمہ میں گئی۔ دیکھا کہ آپ شیران بنی ہاشم کے ایسے حلقہ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ”لا یعرف طرفھا“ جس کا کنارہ معلوم نہیں ہوتا۔ اور فرما رہے ہیں۔ ”یہا اخوانی و بنی اعمامی۔ اسمعوا کلامی“ اے میرے بھائیو! اور اے چچا کے بیٹو! میری بات کان دھر کے سنو۔ ”چوں فردا شو دو بنائے محاربہ و قتال شود۔ اول کسے کہ قدم در عرصہ رزم گزارد۔ ثنائی ہاشم باشند۔ تا آنکہ مردم نہ گویند کہ جمعے را خواستند بیارے خود و از برائے ایشان مرگ و برائے خود حیات را خواستند۔“ دیکھو کل جب محاربہ اور قتال چھڑنا طے پا جائے۔ تو اے بنی ہاشم تم لوگ سب سے پہلے رزم گاہ اپنے کو پہنچا کر جان دے دینا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں کو مدد کے لئے بلا کر ان کے لئے موت اور اپنے لئے زندگی کی فکر کی۔ ”پس تھیاں ہمہ گفتند“ مطیع امر تو مے ہاشم“ سب لوگ بیک زبان بول اٹھے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی پوری پوری اطاعت کریں گے۔ (کبریت احمر ص ۱۱۰)

ملاشہدی لکھتے ہیں ایک خیمہ میں حضرت عباس بن علی جو انان بنی ہاشم کو حق کی حمایت کے لئے جان دینے۔ باطل کی مخالفت میں کمر باندھنے۔ واجبات دین کو تلواروں کے سایہ میں بجا لانے۔ مصیبت میں صبر غصہ میں حلم کلام میں سچائی افعال میں دیانتداری اور ادائے فرائض میں مستعدی ظاہر کرنے تلوار کی دھار کے نیچے بھی امام زمانہ کی متابعت میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ الخ (مظلومہ کربلا ص ۷۷ طبع لاہور)

حضرت زینب فرماتی ہیں۔ کہ پھر میں نے اصحاب کے خیمہ کی طرف نظر کی۔ تو دیکھا۔ کہ

حبيب بن مظاہر نے تمام اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کر دیا ہے۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ ”اے اصحاب حسین! اور اے میرے بھائیو! دیکھو۔ کل جب جنگ و جدال، حرب و قتال کی نوبت آپہنچے۔ تو تم لوگ دین اسلام پر ثار ہونے میں جلدی کرنا ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم میں سے کوئی بھی تم پر سبقت لے جائے۔“ ”زیرا کہ ایشان سادات و بزرگان ما باشند۔“ ”فاذا قتلنا قضینا ما علینا“ اس لئے کہ یہ لوگ سادات اور ہمارے بزرگ ہیں۔ جب ہم کام آجائیں گے۔ تو اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر جو بھی ہوا۔ اس پر ہماری ذمہ داری نہ ہوگی۔ ان اصحاب نے یہ نیک زبان کہا ”السقول قولک“ جو آپ فرماتے ہیں۔ بالکل درست ہے۔ اور یہی ہو کے رہے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اصحاب نے کسی طرح اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی اپنے سے پہلے رزمگاہ میں جانے نہ دیا۔ (کبریت احمر ص ۱۱)

## خیمہ گاہ حسینی کی عورتوں کا انداز عبادت

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کربلا کے فروغ میں عورتوں کا بھی ہاتھ ہے۔ بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس مقام پر عورتوں کی عبادت کا ذکر نہ کیا گیا۔ عورتیں نماز، دعا میں مشغول ہیں۔ جب اس قسم کی عبادت سے فرصت پاتی ہیں۔ تو ایک دوسرے انداز کی عبادت شروع کر دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

”خیام اہل بیت میں اسلام کی کامل الایمان بیبیاں، محبت رسول کی راسخ الاعتقاد ہستیاں دین الہی پر مر مٹنے والیاں، خاتون جنت کی محبت کی متوالیاں، قربان گاہ اسلام پر قربانی چڑھانے جان رسول کا فدیہ پیش کرنے، اپنی پیاری بی بی فاطمہ زہرا کی جان پر سے صدقہ اتارنے کے لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں پیارے لاڈلوں کو تیار کر رہی ہیں۔ بال سنواری ہیں۔ زلفوں کو گنگھی کرتی ہیں۔ چاند سے کھڑوں کو چومتی ہیں۔ پیاسے ہونٹوں کو بوسہ دیتی ہیں۔ اور کہتی ہیں۔ کہ اے پیارے بچو! جگر کے ٹکڑو! ماں کی آنکھ کے تارو! راج دلارو! کل قربانی کا دن ہے۔ جان رسول ﷺ پر فدا ہونے کا روز ہے۔ بس یہی تمنا ہے اور یہی آرزو ہے کہ تم دو لہا بخون خوں کے پھول تمہارے جسم پر ہوں، شربت شہادت پیو، تلواروں سے کھیلو نیزے کھاؤ، خون میں نہاؤ، دین الہی اسلام محمدی کی قربانی بنو، اور جان رسولؐ فرزند تبول آقا حسین پر فدا ہو جاؤ، اور ہم کو ہماری بی بی خاتون جنت بنت رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سے سرخرو کر جاؤ، حسین کے فدیہ کھلاؤ گے تو ہمارا دودھ تم کو حلال ہوگا۔ اور تمہاری لاشوں پر ہم آئیں۔ اور تمہاری خون بھری تصویروں کو دیکھ کر خون کے آنسو بہا کر خدا سے جلیل کی بارگاہ میں اس ناچیز قربانی کی قبولیت کا سجدہ شکر ادا کریں اور اپنا

دودھ تم کو بخشیں۔

خیمہ میں بچوں کو یہ سمجھا رہی ہیں یہیاں  
راہ حق میں جو مرا سمجھو کہ زندہ ہو گیا  
ہیں وہی سردار قوم و محسن و مبین  
تم پہ جو پتا پڑی تھی کٹ گئی صد شکر حق  
پیاں کہیں ہموک کیا ہو تم تو ہاشم کے سپوت  
کر دیا ہے حاکم گمراہ نے اعلان جنگ  
گر نہیں آتا لڑائی کا ہنر تو سن رکھو  
زین پر یوں بیٹھو جیسے ہو انگٹھی پر نگیں  
ماشاء اللہ تم مجاہد تم سپاہی تم جری  
اے جگر کے ٹکڑے اے محصوم روحو دلبرو

(شان اسلام ص ۱۲۰) موت ہے جینا فقط لذات فانی کے لئے

آدی مر جائے عیش جاودانی کے لئے (ہلال محرم)

## مجاہدین کر بلا کی آخری سحر

شب عاشور گزر رہی ہے۔ سفیدہ محری نمودار ہو رہا ہے۔ شہدائے کر بلا کی زندگی کی  
آخری سحر طالع ہوا چاہتی ہے۔ کہنا گاہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آپ نے  
ایک حیرت ناک خواب دیکھا۔ جس میں آپ کے قاتل کی پہچان بتائی گئی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں:

فلما کان وقت السحر خفق  
الحسین علیہ السلام خفقة ثم  
استيقظ وقال اتعلمون ما رأیت  
فی منامی الساعة فقالوا ما الذی  
رأیت یا ابن رسول الله فقال علیہ  
السلام رأیت کان کلابا قد  
اشتدت علی تنهفنی و فیها کلب  
جب سحر کا وقت آیا۔ امام حسین علیہ السلام پر  
غنودگی طاری ہوئی۔ پھر آپ بیدار ہو گئے۔ اور  
فرمایا تم لوگ جانتے ہو۔ کہ اس وقت میں نے  
خواب میں کیا دیکھا۔ لوگوں نے عرض کی حضور  
آپ ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا۔ کہ میں نے  
خواب میں دیکھا کہ بہت سے کتے شدت کے  
ساتھ مجھ پر حملے کر رہے ہیں۔ اور ان کتوں میں

ایک ابلق رنگ کا مبروص کتابہ۔ جو انتہائی سختی کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اپنے نانا جان کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اے بیٹا! تو عنقریب شہید ہو جائے گا۔ اور اے بیٹے! اہل سادات تیرے انتظار میں ہیں۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ جلد سے جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔ اور آج شام کا افطار میرے پاس آ کر کرنا۔ اور یہ ملک ہے جو آسمان سے اس لئے اترا ہے۔ کہ تمہارا خون اس سبز شیشی میں لے لے۔ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ جس سے سمجھتا ہوں کہ عنقریب اس دنیا سے میرا کوچ ہونے والا ہے۔

ابقع رأيتہ اشدها علی واطن الذی یتولی قتلی رجل ابرص من بین هؤلاء القوم۔ ثم انی رایت بعد ذالک جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و معہ جماعة من اصحابہ و هو یقول لی یا بنی انت شہید ال محمد و قد استبشر بك اهل السموات و اهل الصفا الا علی فلیکن افطارك عندی اللیلۃ عجل ولا تؤخر فہذا ملك قد نزل من السماء لیاخذ دمك فی قارورة خضراء فہذا ما رایت وفد الف الامرو اقرب الرحیل من ہذہ الدنیا لا شك فی ذلک (دمعہ ساكبہ ص ۳۲۶ بحوالہ بحار و مناقب و جلاء العیون ص ۲۰۰۔ ناسخ العواریخ ج ۶ ص ۲۴۳ طبع بمبئی)

حضرت نے فرمایا ذرا اپنے کپڑے تو ہٹا۔ اس نے ہٹایا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ مبروص اور کانا ہے اس کی شکل کتے کی جیسی اور بال سور کے جیسے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ اکبر! میرے نانا نے درست فرمایا تھا۔

فقال لہ الحسینا کشف لی عن لثامك فكشفہ فاذا ہوا برص اعور ابقع لہ بوز كبوز الکلب و شعر کشعر الخنزیر فقال الحسین اللہ اکبر لقد صدق جدی الخ (نور العین ص ۷۱ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

علامہ میری لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ کہ خواب کی تعبیر کے ظہور کی مدت کتنے سال ہے فرمایا پچاس سال اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان پر ایک کلب اشع نے حمل کیا ہے۔ اور خون میں تھرا ہوا ہے۔ "قائدہ بان رجلا یقتل حسین ابن بدہ" تو آپ نے اس کی تاویل کر کے یہ تعبیر دی تھی۔ کہ میری نخت جگر فاطمہ کے فرزند حسین کو قتل کرے گا وہ جبر ہوگا چنانچہ آپ کو شرمسار ہونے لگا۔ (سیوۃ النبیان ج ۱ ص ۱۶۹ طبع مصر ۱۳۱۹ھ) علامہ استرآبی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین کے پیرداقدس پر شرمطون سوار ہوا۔ تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور پوچھا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا۔ قتل کروں گا۔

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ

”حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم نافذ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اب جبکہ اصحاب کی مہم اس حد تک پہنچ چکی ہے تو ”بروند و قہقہہ کہ از شب ماندہ بطاعت و عبادت گزارندہ و صباح حاضر گردند“ اب اپنے اپنے خیموں میں واپس جا کر یہ بچی ہوئی رات بھی عبادت و اطاعت میں گزاریں۔ پھر صبح کے وقت آ جائیں۔ تاکہ آخری نماز باجماعت ادا کر لیں۔ اس لئے کہ آج صبح والی نماز باجماعت آخری ہوگی۔

القصہ سب کے سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ اور عبادت گزاری میں مشغول ہوئے۔ آج کی رات عبادت خداوندی میں بنالہ و آہ گزاری۔

جب صبح کا ابتدا کی حصہ ظاہر ہوا۔ تو آسمان سے یہ آواز آئی ”یا خیل اللہ ارکبی“ اے سوارانِ خداوندی اپنے گھوڑوں کی زینیں لے لو۔ مرنے کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ ام کلثومؓ بھجورہوشاں جوشاں و خروشاں خود را اور خیمہ حسین انداخت۔ یہ سن کر ام کلثومؓ افتان و خیزاں از خود رفتہ امام حسین کے خیمہ میں جا پہنچی اور کمال پریشانی کی حالت میں بھائی سے عرض کی۔ بھائی جو صد اب آسمان سے آئی۔ آپ نے سنی۔ حضرت نے فرمایا۔ ہاں میں نے بھی سنی ہے۔ اور اے بہن! اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ میں نے ابھی ابھی جب کہ میری آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں دیکھا ہے۔ کہ مجھ پر بہت سے کتے حملے کر رہے ہیں۔ اور ان میں ایک کتا ایسا ہے۔ جو سب سے زیادہ حملہ آور ہے۔ میرا دل بول رہا ہے کہ وہی مجھے ہلاک کرے گا۔ پھر اسی کے دوران میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو دیکھا۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔ اے ہمیدہ آل محمد ﷺ! تیرے استقبال کے لئے انبیاء و مرسلین جمع ہیں۔ آج کی رات میرے پاس گزارنا۔ یہ سن کر حضرت ام کلثومؓ کا گریہ گلوگیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بہن! سب عورتوں اور بچوں کو جمع کرو۔ کہ میں پھر ایک دفعہ انہیں وداع کر لوں۔ جب لوگ جمع ہوئے۔ حضرت نے ہر ایک کو رخصت کیا۔ اور سب سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ تمام بیبیوں میں رونے کا کہرام برپا ہو گیا۔ ام کلثومؓ نے عرض کی۔ بھائی جان! انا ناکے بعد بابا، اور بابا کے بعد بھائی حسن اور آپ کی ہستی۔ پھر بھائی حسن کے بعد آپ کا وجود و بچہ و رہا۔ جو ہم لوگوں کے دھڑکی دوا تھا۔ اب ہم لوگ کیا کریں گے۔

فریاد ازاں روز کہ ما بے تو بمانیم درآرزویت عمر بہ حسرت گزارانیم

یہ باتیں غم و حسرت سے بھری ہوئی ہو رہی تھیں۔ کہ صبح ہو گئی۔

(روضۃ الشہداء ص ۳۱۲ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ معراج القرآن ص ۱۰۲)



۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

صبح عاشور

(طلوع صبح محشر تھی طلوع صبح عاشورا)

عاشور کی تیرہ بخت رات ماتم کناں رخصت ہوئی۔ گریبان منج چاک ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور بقولے حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی۔ اصحاب واعزہ جمع ہو گئے۔ اقامت کہی گئی اور نماز جماعت شروع ہو گئی۔ (روضۃ الشہداء و مہجۃ الاثر ان)

صبح عاشور نماز عشق پڑھنے سے چلے جتنے تھے اکبر کی وہ شان اذان دیکھا کئے

لشکر مخالف کی ترتیب:

ادھر اللہ والے نماز میں مشغول ہیں۔ ادھر لاقعدا انسان اپرمن (یزید) کے بچاری نمازیوں کے خون بہانے کی خاطر فریضہ ترتیب لشکر میں سر تاپا لگے ہوئے ہیں۔

دشمنان چوں ریک صحر الاقد دستان او بہ یزداں ہم عدد (اقبال)

مورخ لکھتے ہیں کہ عمر سعد نے اپنے اسی ہزار لشکر (مقتل ابی مہت ص ۳۶۸) کو یکجا کرنے کے بعد یوں ترتیبی تقسیم کی۔ مینہ بیس ہزار، میسرہ بیس ہزار اور بقیہ قلب لشکر اور مینہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن، میسرہ کا خولی بن یزید صمعی کو قرار دیا۔ پھر ان میں بھی یہ انتظام کیا۔ کہ سواروں اور پیادوں کے الگ الگ افسران مقرر کئے۔ سواروں کا سردار عروہ بن قیس اور پیادوں کا شیش بن ربیع کو قرار دیا۔ اور علم فوج اپنے غلام ورید کو دیا۔ (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۹ - دمعہ سا کہ ص ۳۲۷) ترتیب لشکر کے بعد جنگ کا بلکل بچنے لگا۔

نماز کے بعد:

امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے۔ ”صدائے کوس“ کانوں میں پہنچی۔ علامہ ارملی و کاشفی لکھتے ہیں کہ ”ہنوز تحصیل نہ خواندہ بود کہ آواز کوس حرب از لشکر دشمن برخواست۔ ختم نماز کے بعد دعا اور تعقیب بھی شروع نہ کرنے پائے تھے۔ کہ بگل کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ (سیر الائمہ ص ۷۰ روضۃ الشہداء ص ۳۱۳) امام علیہ السلام فوراً مصلے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے اصحاب واعزہ سے فرمایا۔ میرے بہادر و! سنو۔ آج کے دن زمین العابدین کے علاوہ ہم تم سب شہید ہو جائیں۔ کمر ہمت باندھو اور نکل پڑو۔ (جلاء العیون ص ۲۰۱)

## خندق میں آگ دے دی گئی:

حسینی بہادری آلایات حرب سے آراستہ ہو کر باہر نکل پڑے۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا۔ کہ سب سے پہلے خندق میں آگ دے دو۔ آگ دے دی گئی اور شعلے بھڑکنے لگے۔  
(دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷)

## حسینی لشکر کی ترتیب:

پھر امام علیہ السلام نے اپنے تین دن کے پیارے چھوٹے سے لشکر (جو صرف بہتر بہادریوں پر مشتمل تھا) کی ترتیب یوں فرمائی۔ مینہ ۲۰ بہادر میسرہ ۲۰ بہادر بقیہ قلب لشکر اور مینہ کے سردار جناب زہیر بن القین اور میسرہ کے حضرت حبیب ابن مظاہرہ کو قرار دیا۔ اور عہدہ علمبرداری پر حضرت عباسؓ کو ممتاز فرمایا۔ مؤرخین لکھتے ہیں۔ ”جعل المینہ لزہیر والمیسرۃ لحبیب واعطی الرايۃ اخاه العباس“ یعنی مینہ حضرت زہیر علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ اور میسرہ حضرت حبیب کے حوالہ کیا اور رایت فوج، علم لشکر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کو دیا۔

یہ ساختہ شہ بولے کہ لو بھائی مبارک  
یاسی ہے سیکنہ تمہیں سقائی مبارک  
(البصار العین ص ۲۹۰ طبع نجف اشرف ۱۳۳۱ھ۔ تحفہ حیدر ص ۱۲۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۷۔ ناخ  
ج ۶ ص ۲۳۹ جلاء العیون ص ۱۲۰۱ الاخبار الطوال ص ۲۰۳)  
فشئ اسیر لکھنوی فرماتے ہیں۔

بہ ترتیب سپہ آں شاہ پرداخت  
بہ تزمین کو اکب ماہ پرداخت  
مہ روئے زہیر از مینہ یافت  
حبیب ابن مظاہر میسرہ یافت  
علم در دست عباس دلاور  
بسان حمزہ در فوج پیبر  
(کر بلا نامہ ص ۲۶۶ الطبع نو لکھنور ۱۲۹۷ھ)

علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں:

جب صبح عاشورا نمایاں ہوئی۔ تو سرکار سید الشہداء اپنے اصحاب کے ساتھ نماز کے لئے آمادہ ہوئے۔ پانی نہیں تھا۔ تیم کیا۔ حضرت ایک خاص مؤذن رکھتے تھے۔ جس کا نام حجاج ابن مسروق تھا۔ جو ان شہداء میں سے ایک ہیں۔ ہمیشہ وہی اذان کہا کرتے تھے۔ لیکن آج حضرت نے اپنے فرزند ارجمند شہیدہ پیغمبر ﷺ، حضرت علی اکبر سے فرمایا۔ بیٹا آج تم اذان کہو۔

حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ حضرت نے نماز ادا کی۔ تمام اصحاب نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حضرت نے نماز کے بعد اصحاب اور اہل بیت کے مردوں سے خطاب فرمایا۔ ”اشہد بان نقفل کلنا الا علی“ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے علی (زین العابدین) کے ہم سب شہید ہو جائیں گے۔ جو نبی حضرات نے سرکار سید الشہداء سے اس خوشخبری کو سنا۔ تمام نے مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اسی خوشی میں ایک دوسرے سے مذاق کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ یہ مذاق کا وقت نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے زندگی بھر کبھی مذاق نہیں کیا۔ اور نہ میں مذاق کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن آج تو انتہائی خوشی کا دن ہے۔ ان کی رفعت پر غور کیجئے۔ دوسری طرف طلوع صبح سے پہلے عمر بن سعد علیہ اللعنة نے لشکر کی صف آرائی کی۔ ایک روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ۔ دوسرے قول کے مطابق اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ ان اختلاف روایات میں لشکر یزیدی کی کم از کم تعداد تیس ہزار تھی۔ سب صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ لشکر کا کمانڈران چیف خود عمر بن سعد تھا۔ ڈپٹی کمانڈران چیف اس کا بیٹا تھا۔ مینہ کا سردار عمر بن حجاج اور مینسرہ کا سردار شمر ابن ذی الجوشن، شیر اندازوں کا سردار محمد بن اشعث تھا۔ یہ جم غفیر امام مظلوم کے خلاف صف آرا ہوا۔

سرکار سید الشہداء نے بھی صف آرائی فرمائی۔ زیادہ سے زیادہ لشکر کی تعداد ۱۲۵ اور کم از کم ۲ تھی۔ بیالیس پیادے اور تیس سوار۔ مینہ کے سردار حبیب ابن مظاہر اور مینسرہ کے زہیر ابن القین۔ ایک علم حضرت حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ اور روایت سب سے بڑا علم حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے قبضے میں تھا۔ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

(الارشاد العزیز ترجمہ المواعظ والبرکات ص ۱۹۷)

### علمدار لشکر:

مؤمنین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ میں علمداری کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ کیونکہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ”لا تجعلوہا الا بایدی شجعانکم“، علم لشکر صرف ان لوگوں کو دو جن کی شجاعت مانی ہوئی ہو..... ”واسی اخاہ بنفسہ“ اور جو اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ (نسخ البلاغہ ص ۲۵۶ طبع مصر) اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ آپ کی شجاعت مانی ہوئی تھی۔ اور آپ میں وفاداری کا پورا پورا جذبہ تھا۔ اسی لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے آپ کی شجاعت کی بشارت دی تھی۔ (ماہین)

## انتخاب علمداری کے بعد

علمداری کا انتخاب ہو چکا ہے۔ حضرت عباس اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ اب حضرت زہیر بن القین، جناب عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس جاتے ہیں۔ جن کے دست مبارک میں علم تھا۔ جا کر کہا۔ ”یا اخی نا ولنی الوایۃ“ بھائی ذرا علم مجھے دودو۔

(کبریٰ ۲۷)

انہوں نے علم حسینی حضرت زہیر کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ اسے لئے ہوئے حضرت عباس علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا۔ اے میرے سرکار امام حسین کے قوت بازو ”یہ علم“ حضرت عباس علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا۔ اور حسینی عطیہ کو لے کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسہ دیا منصب جو ملا حیدر و جعفر کو نبی سے ان کو وہ ملا آج حسین ابن علی سے زہیر قین نے کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو آج وہ بات کہہ ڈالوں۔ جو عرصہ سے تمنا کی صورت چھپائے ہوئے ہوں۔ عباس علیہ السلام نے فرمایا۔

حدث ولا حرج عليك فانما  
تسروی لنا متواتر الاسناد  
ہاں ہاں کہو۔ کوئی حرج نہیں۔ تم جو کچھ کہو گے۔ وہ ”متواتر الاسناد“ روایت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔

زہیر نے کہا۔ تمہیں معلوم ہوا اے ابو الفضل کہ تمہارے باپ حضرت علی علیہ السلام نے جب ارادہ کیا کہ تمہاری ماں جناب ام البنین سے عقد کریں۔ تو اپنے بھائی جناب عقیل سے جو انساب عرب سے واقف تھے۔ فرمایا۔ اے بھائی! میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے کوئی ایسی عورت تجویز کرو۔ جو بڑے خاندان، اچھے نسب و نسب والی اور بہادر گھرانے کی ہو۔ تاکہ اس سے کوئی ایسا لڑکا پیدا ہو جو نہایت بہادر اور مضبوط ہو اور میرے اس حسین کا قوت بازو بن کر کر بلا کے میدان میں مددگار ہو۔ اے

فقال له اعلم يا ابا الفضل ان اياك  
امير المؤمنين عليه السلام لما  
اراد ان يتزوج بامك ام البنين بعث  
الي اخیه عقیل و كان عارفا  
بالنسب العرب فقال عليه السلام  
يا اخی اريد منك ان تختب لي  
امراة من ذوی البيوت والحسب  
والنسب والشجاعة لكي اصیب  
منها ولدا يكون شجاعا وعضدا  
ينصر ولدی هذا واصر الي الحسين  
عليه السلام ليواسيه فی

طف کربلا و قد ادخرک ابوک  
لمثل هذا اليوم فلا تقصر عن  
عباس تمہارے باپ نے تم کو آج ہی کے دن  
کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ دیکھو آج اپنے بھائی  
ہنوں کی مدد میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام جوش شجاعت سے کاچنے لگے۔ روای کہتا ہے۔  
”فارتعد العباس و تمطی فی رکابہ حتی قطعہ“ کہ یہ بن کر عباس اٹھے اور ایک ایسی  
شجاعانہ انگڑائی لی کہ رکاب ٹوٹ گئی۔ اور فرمایا۔ ”یا زہیر تشجعنی فی مثل هذا اليوم“  
اے زہیر تم آج جیسے دن مجھے شجاعت دلاتے ہو۔ ”واللہ لا رینک ما رأیتہ قط“ اللہ تعالیٰ  
کی قسم آج ایسا جو ہر شجاعت دکھاؤں گا۔ کہ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

(اسرار الشہادت ص ۳۱۹ طبع ایران ۱۳۷۹ھ)  
بعض ارباب مقاتل کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد گھوڑے کو ایڑ دی۔ وہ ہوا و امید ان میں  
گئے۔ اور دس ہزار کے لشکر پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں سوا دہائیوں کو موت کی نیند سلا کر واپس آئے۔  
(کبریہ ص ۲۷)

## حضرت عباس کو کنواں کھودنے کا حکم

دشمن مخالف کی طرف سے جنگ کا بگل بج رہا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی  
نظروں کے سامنے اب جنگ کے نقشے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا۔ کہ بچوں پر  
پایاں کا سخت غلبہ ہے۔ اب جنگ چھڑا چاہتی ہے۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ہم لوگوں کے تمام تر  
رجحانات و دشمنوں سے حفاظت کی طرف ہوں گے۔ کہیں بچوں کی پیاس بجھانے کی سبیل پیدا کرنے  
کی جانب سے غفلت نہ ہو جائے۔ لہذا پانی کی سبیل کے امکانات کی فکر کر لینی چاہئے۔ یہی کچھ سوچ  
کر آپ نے پھر اپنے بہادر بھائی کو آواز دی۔ آپ حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا۔ بھائی پیاسوں کی  
پیاس بجھانے کی ایک دفعہ اور کوئی سبیل نکالو۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ جو حکم ہو، ارشاد ہوا۔  
کنواں کھودو۔ شاید پانی برآمد ہو۔ حضرت عباس نے اور نو جوانان بنی ہاشم کو ساتھ لے کر کنواں کھودنا  
شروع کیا۔ لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ اس حکم حسینی کے متعلق مؤرخین کے عیون الفاظ یہ ہیں:

فدعا باخیہ العباس علیہ السلام  
فقال لہ اجمع اهل بئیک و احفر  
واشراً ففعلوا ذالک فطمو هائم  
پھر آپ نے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو  
بلایا اور فرمایا کہ اپنے عزیزوں کو جمع کر کے  
کنواں کھودو انہوں نے کنواں کھودا لیکن بند کر

حفر و ابسرا آخری فطموھا دیا۔ پھر کئی کنوئیں کھودے لیکن سب بند کر  
فتزاید العطش (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۹ دے گئے۔ اس سخت و مشقت سے پیاس کا  
حالات صبح عاشور) غلبہ اور بڑھ گیا۔

بعض کتابوں میں ہے۔ حضرت عباس نے جب پانچواں کنواں کھودا۔ ”فساد ابلغ  
الماء جاءت سکینة ومعها الرکوة“ جب پانی برآمد ہوا۔ تو سکی نہ رکوزہ لئے ہوئے بے  
تاب کنوئیں پر آ پہنچیں۔ ”فقالت یا سناہ استقی شربة من الماء فقد نشفت کبدی  
من شلعة الظماء“ اور کہنے لگیں اے چچا جان مجھے ایک جام آب دے دیجئے۔ کیونکہ میرا دل  
پیاس سے جل گیا ہے۔ ”فبکی العباس بکاء شدیداً وملاء الرکوة“ یہ سن کر حضرت  
عباس بہت روئے اور رکوزہ پانی سے بھر دیا۔ ”فلما همت ان تشربه جاء القوم ففرت و  
هی تبکی“ جوئی سکی نہ نے چاہا۔ کہ پانی نہیں۔ کہ ناگاہ دشمن نیزہ و تلوار لئے ہوئے آ پہنچے۔ تاکہ  
پانی نہ پینے دیں۔ اور کنوئیں کو بند کر دیں۔ سکی نہ یہ حال دیکھ کر روتی ہوئی بھاگی۔ ”فسول رجلها  
فی السطاب فانکبت و قالت یا عمتاه تری هذا الحال“ اور طناب خیمہ میں الجھ کر منہ  
کے بل گر پڑیں اور مایوس ہو کر اپنی پھوپھی جناب زینب سے کہا۔ پھوپھی اماں۔ آپ نے یہ ماجرا  
دیکھا۔ کہ پانی ہاتھ میں آ کر جاتا رہا۔ ان ظالموں نے وہ کنواں بھی بند کر دیا۔ اس وقت امام حسین  
پر نہایت ہی غم و الم طاری ہو گیا۔ حضرت عباس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد  
مانگنے لگے۔ (توضیح عرصہ ۲۳۴ طبع لکھنؤ)

### الشکر عمر بن سعد کی حرکت

طلوع آفتاب کے بعد دونوں طرف انتظامات درست کئے جا رہے ہیں کہ دن چڑھ  
گیا اور ناشتہ پانی سے فراغت کے بعد بقول عبد الحمید ایڈیٹر رسالہ ”مولوی“ دہلی ٹھیک دس بجے لشکر  
والوں کو عمر بن سعد کا فوری حکم ملتا ہے۔ کہ حسین کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھو۔ ٹڈی دل فوج نے  
حرکت کی۔ اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھوڑے سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنان اسلام آگے  
بڑھے۔ (کتاب شہید اعظم عبد الحمید ص ۱۶۶ طبع دہلی) حضرت امام حسین علیہ السلام اس وقت  
خیمہ میں تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا سلاح جنگ طلب  
فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی زرہ زیب تن کی۔ عمامہ ”سحاب“ سر پر رکھا۔ تلوار حائل فرمائی۔ اور  
نیزہ بدست باہر نکل پڑے۔ اور اپنے اصحاب بادقا کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے جانبازد۔ آج علی

ابن حسین کے علاوہ ہم سب کو قتل ہو جانا ہے۔ لہذا بڑے صبر، استقلال، ہمت، بہادری سے جان دینی چاہئے۔ (ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۳۸)

ابھی آپ اپنے اصحاب کو پوری جوانمردی سے مرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ کہ دشمن آپ پہنچے۔ اور خیموں کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ خندق کے گرد اگر دو آگ کو بھڑکتے دیکھ کر شرم بولا۔ ”یسا حسین اتعجلت بالنار قبل یوم القیامۃ“ حسین کیا تم نے قیامت سے پہلے ہی آگ میں اپنے کو پہنچا دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اے چرواہے کے بیٹے آگ کا تو حقدار ہے۔ اور انشاء اللہ جہنم کا اہل صحن بن کے رہے گا۔ اس کے بعد حضرت مسلم بن عوجہ نے حضرت کی خدمت میں دست بستہ عرض کی۔ مولا۔ اجازت دیجئے۔ کہ اس دشمن خدا کو تیرے ہلاک کر دوں حضرت نے فرمایا۔ اے میرے بہادر مسلم! جانے بھی دو۔ میں ابتداءً جنگ نہیں کر سکتا۔

عمر بن سعد کا لشکر آپ کے خیموں کے قریب ہے۔ آپ چند اصحاب کو لئے ہوئے آگے بڑھے۔ جناب بریر بن خبیر سے فرمایا۔ کہ ذرا ان بد بختوں کو پھر سمجھاؤ۔ شاید ان کی سمجھ میں آ جائے۔ اور اس جنگ سے باز آئیں۔ جناب بریر آگے بڑھے۔ اور اچھی طرح فہمائش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ اے دشمنو! یہ بھی تو سوچو۔ کہ تم ہی نے یہاں بلایا ہے۔ مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور جواب یہی ملا۔ کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اگر حسین بیعت نہیں کرتے۔ تو ہم قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

بریر واپس آئے اور حضرت سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت خود آگے بڑھے اور فرمایا سنو۔ میں پیغمبر اسلام ﷺ کا نواسہ، علی وفاطہ کا بیٹا ہوں، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار میرے چچا تھے۔ میرے ہی لئے ”سید اشباب اہل الجحیم“ کہا گیا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے۔ تو جابر ابوسعید، سہل، زید بن ارقم، انس جیسے اصحاب رسول ﷺ سے پوچھ لو۔ (دمعہ سا کہ ص ۳۷۷) ارے مجھے یہ تو بتاؤ۔ کہ تم مجھے کیوں قتل کر رہے ہو۔ کیا میں نے کوئی سنت بدل دی ہے۔ کوئی شریعت کا حکم بدل دیا۔ تمہارا کوئی حق غصب کر لیا ہے۔ آخر میں نے کیا کیا ہے اس کا جواب شمر نے یہ دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم سنتے ہی نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (دمعہ سا کہ ص ۳۷۷) ”فقلوا لہ انا نفقتک بعضا لا بیک“ اور ایک جماعت نے کہا۔ ہم تو تمہیں تمہارے باپ علی کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں (بیانہج المودہ ص ۲۳۶) آپ کو ایسے مہمل جواب ملے۔ مگر آپ نے سمجھانے بجانے میں کمی نہیں کی پھر آپ نے ایک بلند قد شتر طلب فرمایا۔ اور اس پر سوار ہو کر مسلم نما کافروں کے سامنے تشریف لائے۔ اور قرآن مجید کو کھول کر ان سے کہا۔ یہ قرآن مجید ہمارے تمہارے درمیان ہے۔

تم سوچو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ غرض کہ حضرت نے بڑی کوشش کی کہ خون نہ بہایا جائے۔ لیکن دشمنوں نے ایک ندی (ناخ ج ۶ ص ۲۵۰) جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو گیا۔ کہ دشمنان اسلام اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے۔ تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

مالک، ہر مصیبت اور بلا اور ہر شدت و اضطراب میں تو ہی میرے دل کی تمام امیدوں کا مرکز ہے۔ اور تو ہی ہر جان کا ہی میں میرا بچا اور ماویٰ ہے۔ بے شک تیری ہی مسازی پر مجھے اعتماد اور کار سازی پر بھروسہ ہے۔ مالک بہت سی ایسی مصیبتیں اور بے چینیوں ہیں۔ جن سے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور راہ چارہ بند ہو جاتی ہے۔ دوست کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ دشمن طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ (مالک، جب ایسی بلا مجھ پر آئی) تو میں نے اپنی حاجت صرف تیرے سامنے پیش کی۔ اور تنہا تجھی سے راز دل کہا۔ اور اکیلے تجھ ہی سے شکایت کی۔ تو تو نے اس آئی ہوئی بلا کو میرے سر سے ٹال دیا۔ اور مصیبت آفرین جال کے بند کو توڑ دیا۔ خدایا تو ہی ہر نعمت کا ولی اور ہر اچھائی کا مالک اور تمناؤں و رغبت اور مقصد کو بچا ہے۔

(ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۳۸۔ ارشاد مفید، تاریخ کامل و تاریخ طبری)

بربر ابن خیر آگے بڑھے۔ اور عرض کی۔ مولا مجھے اجازت ہو۔ کہ میں اس قوم نابکار سے کچھ کہوں۔ حضرت نے اجازت دی۔ اور وہ آگے بڑھ کر نصیحت کرنے لگے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کتاب و معہ سا کہہ کے ص ۳۲۸ میں ہے۔ کہ جب دشمن کی فہمائش کا رگڑ نہ ہوئی۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ”خدا یا انہیں قحط میں مبتلا کر اور ان کے لئے وہ ایام لا۔ جو عہد یوسف کا مزہ چکھا دیں۔“ و مسلط علیہم غلام ثقیف “ اور ان پر بنی ثقیف میں سے ایک ایسے شخص کو مسلط کر جو انہیں نہایت تلخ جام سے سیراب کرے اور کسی کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑے اور ہر ایک سے پورا پورا بدلہ لے۔

تاریخ احمدی ص ۲۶۶ میں بحوالہ تاریخ طبری مرقوم ہے۔ کہ جب عاشور محرم روز شنبہ یا جمعہ کو عمر بن سعد نماز صبح کے بعد مع اپنے لشکر کے سوار ہوا۔ تو امام حسین علیہ السلام بھی اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کر کے آمادہ جنگ ہوئے۔ امام حسین علیہ کے لشکر میں صرف بیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ آپ نے زہیر بن القین کو میمنہ فوج پر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ لشکر پر مقرر کیا۔ اور علم لشکر اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ نیز حکم دیا کہ قیام گاہ کے پیچھے جو خندق براز چوب دے تیار کی گئی ہے اس میں آگ جلا دی جائے۔ تاکہ دشمن خیمہ گاہ کی طرف حملہ نہ کر سکیں۔ بعد ازاں امام حسین علیہ السلام مرکب پر سوار ہوئے۔ اور قرآن مجید منگا کر انہوں نے



اپنے سامنے رکھا۔ مورخ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتا ہے کہ لشکر مخالف قریب آ گیا۔ تو امام حسین علیہ السلام سوار ہو کر صعب اعدا کے مقابل آئے۔ اور انہوں نے باؤاز بلند بطور خطبہ ارشاد فرمایا۔ کہ ”ایہا الناس“ میری بات سنو۔ اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو۔ تاوقتیکہ جو حق نصیحت مجھ پر واجب ہے۔ اس کو ادا نہ کرو۔ اور یہاں آنے کے وجوہ تم سے بیان نہ کروں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا۔ اور میرے قول کی تصدیق کر کے داد انصاف دی۔ تو سعادت اندوز ہو گے۔ اور مجھ پر ظلم کرنے کے مرتکب نہ ہو گے۔ اور اگر تم میری نصیحت قبول نہ کرو۔ اور انصاف سے کام نہ لو۔ تو (بقول خداے بزرگ) اپنے شرکاء کو جمع کر کے اپنے کام کو انجام دو۔ تاکہ تم پر تمہارے کام کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے۔ بعد ازاں جو برتاؤ میرے ساتھ کرنا ہو۔ کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا ولی دئی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور جو صالحین کو دوست رکھتا ہے۔

خیمہ حرم میں کھرام اور حضرت عباس کا فہمائش کے لیے جانا:

ہنو امام حسین نے اسی قدر ارشاد فرمایا تھا کہ خیمہ اقدس میں کھرام مچ گیا۔ اور امام حسین علیہ السلام کے اس کلام کو سن کر ان کی بہنوں نے ایسا نوحہ جگر خراش کیا۔ کہ امام حسین نے بے تاب ہو کر عباس علمدار اور حضرت علی اکبر سے فرمایا۔ کہ خیمہ میں جا کر عورتوں کو سمجھاؤ اور رونے سے منع کرو۔ تاریخ مذکور و تاریخ طبری میں ہے۔ کہ جب وہ مخدرات خاموش ہوئیں تو بار و گرام امام حسین علیہ السلام نے تقریر شروع فرمائی۔ اور حمد و ثنائے الہی اس طرح ادا کی جو اس کی شان عظیم کے شایاں ہے۔ پھر حضرت خاتم العین اور ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین کے حامد بیان کر کے ان پر درود نامحذو و بھیجا۔ اور حمد و نعت کے ذکر میں وہ وہ معارف و نکات بیان فرمائے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور جن کا انحصار خارج از امکان ہے۔ چنانچہ راوی حدیث کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے حسین سے پہلے یا ان کے بعد کسی خطیب اور محکم کو ایسی تقریر کرتے ہوئے نہیں سنا۔ جو حسین کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ الغرض امام حسین علیہ السلام نے بعد حمد و نعت فرمایا۔ کہ اے گروہ مخالف، تم لوگ میرے نسب پر لحاظ کرو۔ اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ جو سب سے پہلے تمہارے نبی پر ایمان لایا۔ اور جس نے سب سے پہلے دعوت رسالت ﷺ اور احکام خداوندی کی تصدیق کی۔ کیا حضرت حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہیں ہیں۔ کیا حضرت جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں۔ اور کیا میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں کیا۔ کہ یہ دونوں جو امان اہل جنت کے سردار ہیں؟ سنو اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو تو خیر ورنہ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو۔ تم میں جاہر

بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل ابن اسعد، زید ابن ارقم، انس بن مالک موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ وہ بیان کریں گے کہ انہوں نے اس حدیث کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول مقبول ﷺ کی زبان سے سنا ہے۔ اور تاریخ کامل میں ہے۔ کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے گروہ ابن سعد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ ”ایہا الناس“ اگر تم کو میرے قول کی صداقت میں نیز اس بات میں کہ میں تمہارے نبی ﷺ کی دختر کا فرزند ہوں۔ شک ہو۔ تو میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی قسم کھاتا ہوں کہ مشرق و مغرب تک میرے سوا کوئی دوسرا شخص تمہارے نبی کی دختر کا فرزند نہیں ہے۔ اے گروہ اشقیاء تم کیوں میرے قتل کے درپے ہو۔ کیا میں نے تم میں سے کسی شخص کو قتل کیا۔ یا تمہارا کوئی مال ضائع کیا ہے۔ یا کسی کو زخمی کیا ہے۔ جس کا عوض مجھ سے لینا چاہتے ہو۔ (راوی کہتا ہے کہ) امام حسین کی اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور تاریخ طبری میں ہے۔ کہ جب امام حسین علیہ السلام نے گروہ اعدا کی انتہائی شقاوت و قسادت دیکھی۔ تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ ”انسی عذت بری و دیکم من کل معکبیر لا یؤمن یوم الحساب“ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ ایسے منکبر سے جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور تاریخ کامل میں ہے۔ کہ پھر زہیر القین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تھیار لگائے ہوئے صف لشکر سے آگے بڑھے۔ اور انہوں نے گروہ مخالف کی جانب مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے اہل کوفہ ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ دوسرے مسلمان کو نصیحت کرے۔ ہم اور تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے اس وقت تک بھائی بھائی ہیں۔ جب تک کہ ہم میں اور تم میں تلوار نہ چلے۔ ورنہ پھر ہمارا گروہ جدا ہے اور تمہارا جدا۔ سنو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری آزمائش اپنے نبی کی ذریت کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس بات پر نظر کرے کہ ہم اور تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ پس میں تم کو ذریت نبی کی نصرت پر آمادہ کرتا ہوں۔ اور نیز اس بات پر عبید اللہ بن زیاد دغاغی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ تم کو اس سے اور ابن سعد سے برائی کے سوا بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ دونوں ایسے ہیں۔ کہ تمہارے دست و پا کاٹ ڈالیں گے۔ تم کو مشلہ کریں گے۔ تمہیں سولی دیں گے اور تم کو اسی طرح قتل کریں گے۔ جس طرح انہوں نے حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکریوں نے زہیر القین کو کلمات ناشائستہ کہے۔ اور ابن زیاد کی مدح و ثنا کر کے کہا کہ ”واللہ“ جب تک ہم تمہارے آقا اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کریں گے۔ دم نہ لیں گے۔ زہیر القین نے کہا کہ اے بندگان خدا دیکھو فرزند فاطمہ بہ نسبت ابن سمیہ کے نصرت اور وفاداری کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے۔ تو اس کے قتل ہی سے باز رہو۔ اور خدا نے منتقم

سے ڈرو۔ شمر نے جناب زہیر ابن القین کو تیر مار کر کہا۔ کہ چپ رہ۔ تاریخ طبری میں ہے۔ کہ زہیر ابن القین نے شمر کو جواب دیا۔ کہ اے ہمر بوال، تو نرا جانور معلوم ہوتا ہے۔ تجھے رسوائی روز قیامت اور عذاب الیم کی بشارت ہو۔ شمر بولا کہ گھڑی ساعت میں تو بھی قتل ہوا چاہتا ہے۔ اور تیرا آقا بھی۔ زہیر ابن القین نے کہا کہ اے (احق) تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم کو حسین کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔

### جناب حر کی آمد:

مؤرخ ابن جریر طبری لکھتا ہے۔ کہ امام حسین علیہ السلام کے خطبے کا اثر حرا بن یزید ریاحی کے دل سعادت منزل پر ایسا ہوا۔ کہ وہ گھوڑا بڑھا کر عمر بن سعد کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو صلاحیت عطا کرے۔ کیا تو حسین سے ضرور قتال کرے گا۔ عمر بن سعد نے کہا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ ایسا قتال کروں گا۔ کہ ان کے تن بے سرو بے دست دبا ہوا جائیں گے۔ حر نے کہا کہ کیا جو باتیں حسین نے اپنی تقریر میں تمہارے سامنے پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ابن سعد بولا۔ کہ اگر حکومت میرے ہاتھ میں ہوتی۔ تو میں ضرور ان باتوں پر نظر کرتا۔ لیکن ابن زیاد کے حکم کو کیا کروں۔ (تاریخ کامل) میں ہے۔ کہ ابن سعد کا جواب سن کر ”حر“ آہستہ آہستہ امام حسین کی جانب بڑھا۔ مگر اس وقت اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ حر کے بدن میں رعشہ دیکھ کر ابن سعد کے لشکر کا ایک شخص مہاجر ابن اوس بولا۔ واللہ تیری موجودہ حالت مجھے شک میں ڈالتی ہے کیونکہ جو کیفیت اس وقت تیری دیکھ رہا ہوں۔ وہ میں نے کسی معرکہ میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا۔ کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔ تو میں تیرا نام لیتا۔ حر نے کہا واللہ میں اس وقت اپنے نفس کو اس امر میں فحیر پاتا ہوں کہ چاہوں جنت کو اختیار کروں۔ چاہوں دوزخ کو۔ لیکن میں جنت ہی کو اختیار کروں گا۔ چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر حر نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا۔ اور امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ اے ابن رسول اللہ! میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو راہ سے واپس جانے نہ دیا۔ اور مجبور کر کے اپنے ساتھ یہاں لایا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ کسی طرح آپ کی نصیحت سے متاثر نہ ہوں گے۔ اور آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے۔ اب میں تاب نہ ہو کر آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ کہ مرنے دم تک آپ کا ساتھ دوں۔ اور آپ کے قدموں پر اپنی جان نثار کروں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ امام حسین نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کرنے گا۔ اور تیری مغفرت فرمائیں گا۔ روضۃ الاحباب

میں ہے۔ کہ جب حر حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور امام حسین کی رکاب کو بوسہ دے کر عرض کرنے لگا۔ کہ اے فرزند رسول مجھے گمان نہ تھا۔ کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہو جائیں گے۔ بلکہ میں سمجھتا تھا۔ کہ بالآخر آپ سے مصالحت کر لیں گے۔ لیکن اب ان کا ظلم و تمرد دیکھ کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا؟ امام حسین نے ہاتھ بڑھا کر حر کے چہرہ پر پھیرا۔ کہ اے حر بندہ ناجیز اللہ تعالیٰ کا کیسا بھی گناہ کرے۔ لیکن جب توبہ واستغفار کرتا ہے تو خداوند کریم اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ اس نے قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے“ اے حر۔ اس سے پہلے جو فرد گزشتہ تھے سے ہوئی۔ میں نے اسے معاف کیا۔ اب تو مردانہ وار جنگ کے لئے آمادہ ہو۔ اور اس دن کو روز بازار سعادت اور اس میدان کو جلوہ گاہ اصل شہادت یقین کر۔ تاریخ طبری میں ہے۔ کہ امام حسین نے حر سے یہ بھی فرمایا۔ کہ اے حر۔ تیری ماں نے تیرا نام بہت ٹھیک رکھا ہے۔ انشاء اللہ تو دنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی آزاد رہے گا۔ حمید ابن مسلم سے روایت ہے۔ کہ اتنے میں عمر بن سعد نے لشکر امام حسین کے روبرو آ کر اپنے نشان بردار کو آواز دی۔ کہ نشان یہاں لا۔ جب وہ نشان لایا تو عمر بن سعد نے ایک تیرا پنی کمان میں رکھ کر چلایا۔ اور اپنی جماعت سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں پہلا وہ شخص ہوں۔ جس نے لشکر حسین پر حیران دازی کی۔ تاریخ کامل میں ہے۔ کہ اس کے بعد عمر بن سعد کے لشکر والوں نے تیر چلانا شروع کیا۔ و مدحہ سا کہ ص ۳۳۰ میں ہے۔ کہ امام حسین کی تقریر کے بعد حر آہستہ آہستہ امام حسین کی طرف چلا۔ اور چلتے وقت اس نے اپنے چچا زاد بھائی قرہ اور اپنے بیٹے سے ذکر کیا۔ قرہ نے کہا ”مالی بذالک حاجۃ“ میں نہیں جاتا۔ اور بیٹے نے کہا۔ ”حبیب و کوامۃ“ بابا جان میں ساتھ چلتا ہوں۔ حر امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں آپ سے پہلا خارج تھا۔ اب اجازت دیجئے تاکہ پہلا قتل قرار پاؤں۔ علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ اول قتل اس لئے کہا کہ مبارزت کے بعد پہلا قتل ہونا مقصود تھا۔ ورنہ جنگ مغلوبہ میں کئی اصحاب ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ غرض کہ وہ جنگ کے لئے پھر آمادہ ہو گئے۔ روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ عمر بن سعد نے حر کو میدان جنگ میں لکھ کر صفوان بن حظلہ سے کہا کہ جا کر حر کو نصیحت کر اور میرے پاس واپس لا۔ اور اگر نہ آئے تو تلواریں اس کا سر کاٹ لے۔ صفوان نے حر کے پاس آ کر کہا کہ اے حر تو نے مرد عاقل ہو کر خلیفہ یزید سے کیوں روگردانی کی؟ حر نے جواب دیا۔ کہ اے صفوان مجھے تعجب ہے۔ کہ تو خود خلاف عقل یہ بات کہتا ہے کیا تو نہیں جانتا۔ کہ یزید ناپاک اور فاسق ہے۔

اور امام حسین پاک اور پاکیزہ نثار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا ریحان فرمایا ہے۔ صفوان بولا کہ اے حر میں سب جانتا ہوں۔ مگر جاہ و دولت تو یرید ہی کے ساتھ ہے اور میں مرد سپاہی ہوں۔ مجھ کو جاہ و منصب ہی چاہئے۔ حر نے کہا کہ اے صفوان کیا تو حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔ صفوان نے غضب میں آ کر حر کو نیزہ مارا۔ حر نے اس کے وار کو رد کر کے اسی گرمی میں ایسا نیزہ لگایا۔ کہ اس کی انی صفوان کی پیٹھ سے نکل گئی۔ بعدہ حر نے لشکر دشمن سے یہاں تک قتال کیا۔ کہ نیزہ ٹوٹ گیا۔ اور جب نیزہ ٹوٹ گیا۔ تو تلواریں میان سے نکال کر ایسی شمشیر زنی کی۔ کہ کسی کو سر سے سینے تک کاٹا اور کسی کو کمر کے پاس سے دو ٹکڑے کیا۔ یہ دیکھ کر شمر نے لشکر کو آواز دی۔ کہ سب مل کر حر کو گھیر لیں۔ چنانچہ عمر بن سعد کے لشکر نے حر کو گھیر کر چاروں طرف سے تیر و شمشیر کا سینہ برسانا شروع کیا۔ ناگاہ قصور ابن کنانہ ملعون نے ایسا نیزہ حر کے سینے پر مارا۔ کہ وہ مہلک زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑے۔ اور پکارا کہ یا بن رسول اللہ! اس جاں نثار کی خبر لیجئے۔ امام حسین گھوڑے پر میدان جنگ میں جا کر حر کو اٹھالائے۔ اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے اس کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حر میں تھوڑی سی جان باقی تھی۔ اس نے اپنا سر امام حسین کے زانو پر دیکھ کر تبسم کیا اور کہا۔ یا بن رسول اللہ! آپ مجھ سے راضی ہیں۔ امام حسین نے فرمایا۔ میں بھی راضی ہوں اور میرا اللہ تعالیٰ بھی۔ حر یہ بشارت سن کر خوش ہو گئے۔ اور راضی خلد بریں ہوئے۔ چھوٹل دہلوی لکھتے ہیں

خطا بھی بخش دی جنت بھی آ خر مل گئی حر کو  
مقدر کے دھنی اللہ اکبر ایسے ہوتے ہیں

جناب کامل کروڑوی کہتے ہیں۔

جون سے بیکھو نمک خواری مالک کے اصول حر سے بگڑی ہوئی قسمت کا بنانا سیکھو  
علامہ شیخ مفید کتاب ارشاد میں فرماتے ہیں۔ کہ جناب حر کو ایوب ابن مسرح اور ایک کوفہ کے سپاہی نے قتل کر شہید کیا ہے۔

### امام حسین کی آخری نماز ظہر:

مورخ ابن اثیر لکھتا ہے۔ کہ اگر لشکر امام حسین کے ایک دو آدمی قتل ہوتے تھے تو قلت اصحاب کی وجہ سے ان کی جماعت میں بین کی نمایاں ہوتی تھی۔ اور اگر لشکر عمر بن سعد کے چند آدمی مارے جاتے تھے۔ تو بوجہ کثرت فوج اس کے گروہ کی تعداد میں کچھ فرق نظر نہ آتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ دوران جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ تو ابو ثمامہ صامدی نے امام حسین سے کہا۔ کہ میری جان آپ کی جان پر فدا ہو۔ اگر چہ دشمن کی فوج گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن واللہ جب تک میں زندہ ہوں۔ اشقیا آپ کو صدمہ جسمانی نہ پہنچا سکیں گے۔ اب میری استدعا ہے کہ نماز ادا کر کے اپنے

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔ یہ سن کر امام حسین نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ اے ابو ثمامہ اللہ تعالیٰ تم کو مصلحتیں دے گا اور جو عطا کرے۔ کہ تم نے نماز کا ذکر کیا ہے۔ بے شک یہ اڈل وقت نماز کا ہے۔ مخالفین سے کہو۔ کہ ہم کو نماز ادا کرنے کے لئے ٹھوڑی سی مہلت دے دیں۔ حسین ابن نمیر بولا۔ کہ تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے غضب میں آ کر جواب دیا کہ اے گدھے تو گمان کرتا ہے کہ آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی۔ اور تیری نماز قبول ہوگی۔ یہ دندان شکن جواب سکر حسین ابن نمیر نے حبیب ابن مظاہر پر حملہ کیا۔ حبیب نے ابن نمیر کے گھوڑے کے منہ پر تلواریں ماری۔ گھوڑا بھڑکا اور ابن نمیر گر پڑا۔ مگر اس کے ساتھیوں نے پہنچ کر اس کو بچالیا۔ الغرض سفید اور زہیر قین امام حسین کے سامنے کھڑے ہو کر سینوں پر تیر لینے لگے۔ اور امام حسین نے نماز ادا کر لی۔ (ناخج ۶ ص ۲۶۸) نماز کے بعد محذرات عصمت نے کمال رنج و غم کے ساتھ کہلا بھیجا۔ کہ خدا را میرے بھائی کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ ان بہادروں نے کمال خلوص کے ساتھ پھر اقرار و قادیاری کیا۔ اور اس پر قائم رہے۔

سرتن سے اور تن ہوئے شمشیر سے جدا      پردل ہوئے نہ حضرت شیر سے جدا

## وہب کلبی اور حضرت عباس

کر بلا کی ہولناک جنگ میں حسینی بہادر نہایت دلیری سے جان دے کر شرف شہادت حاصل کر رہے تھے یہاں تک کہ جناب وہب ابن عبد اللہ ابن حباب انکس کی باری آئی۔ یہ حسینی بہادر پہلے نصرانی تھا۔ اور اپنی والدہ سمیت امام حسین کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ آج جب کہ یہ امام حسین پر فدا ہونے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ ان کی والدہ ہمراہ موجود ہیں۔ ماں نے دل بڑھانے کے لئے وہب سے کہا۔ بیٹا آج فرزند ان رسول پر قربان ہو کر روح رسول مقبول کو خوش کر دو۔ بہادر بیٹے نے کہا۔ مادر گرامی آپ گھبراہٹیں نہیں۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ الغرض آپ روانہ ہوئے۔ اور رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر حملہ آوری کی۔ اور کمال جوش کے ساتھ جماعت کی جماعت کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اپنی ماں اور بیوی کی طرف واپس ہو کر آئے۔ ماں سے پوچھا۔ مادر گرامی آپ خوش ہو گئیں۔ ماں نے کہا۔ میں تو اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتی۔ جب تک فرزند رسول ﷺ کے سامنے تجھے خاک و خوں میں غلطاں نہ دیکھوں۔ یہ سن کر بیوی بولی۔ اے وہب مجھے کیوں اپنے بارے میں ستاتے ہو۔ اور اب کیا کرنا چاہتے ہو۔ ماں پکاری۔ ”یا بنی لا تقبل قولہا۔ وارجع فقاتل بین ید ابن رسول اللہ“ بیٹا۔ بیوی کی بات نہ مانو اور میدان قتال

میں واپس جا کر فرزند رسول ﷺ پر اپنی جان قربان کرو۔ وہب نے جواب دیا۔ مادر گرامی ایسا ہی ہوگا۔ میں موقع کی نزاکت کو پہچانتا ہوں۔ مجھے امام حسین کا اضطراب اور حضرت عباس جیسے بہادر کی پریشانی دکھائی دے رہی ہے۔ بھلا کیونکر ممکن ہے۔ کہ میں ایسی حالت میں ذرا بھی کوتاہی کروں۔ اس کے بعد وہب میدان جنگ کی طرف واپس گئے۔ اور کچھ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے ۱۱۹ اور بقولے ۲۴ سوار اور ۱۲ پیادے قتل کئے۔ اسی دوران میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر ان کی بیوی کو جوش آیا۔ اور وہ ایک چوب خیمہ لے کر میدان کی طرف دوڑی۔ اور اپنے شوہر کو پکار کر کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تیری مدد کرے۔ فرزند رسول ﷺ کے لئے جان دے دے۔ اور اس کے لئے میں بھی آمادہ ہوں۔ یہ دیکھ کر وہب اپنی بیوی کی طرف اس لئے آیا۔ کہ اسے خیمہ اہل حرم میں پہنچا دے اس مخدّرہ نے اس کا دامن تھام لیا۔ اور کہا میں تیرے ساتھ موت کی آغوش میں سوؤں گی۔ پھر امام حسین نے اسے حکم دیا کہ خیمہ میں واپس چلی جائے۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔ اس کے بعد وہب قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی بیوی آ کر اس کے سر اور آنکھ سے خون صاف کرنے لگی۔ اتنے میں شمر کے حکم سے اس کے غلام رستم نے اس کے سر پر گزراہنی مارا۔ اور یہ بے چاری بھی شہید ہو گئی۔ ”وہی اول امراء قتل فی عسکر الحسین“ یہ پہلی عورت ہے۔ جو لشکر حسین میں قتل کی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہب زمین پر گرے۔ تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کا سر کاٹ کر خیمہ حسین کی طرف پھینکا گیا۔ ماں نے سر کو اٹھایا۔ بوسے دیے اور دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔ جس کی ضرب سے ایک شخص مر گیا۔ پھر ماں چوب خیمہ لے کر نکلی۔ اور دو دشمنوں کو قتل کر کے مجسم حسین واپس خیمہ میں چلی گئی۔ (دمعہ سا کہ ص ۳۳۱ طبع ایران۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ طوفان بکاء شعلہ ۳ طبع ایران ۱۳۴۱ھ)

## حضرت عباس جناب عمرو بن خالد صیداوی کی کمک میں

روز عاشور جب شرف شہادت حاصل کرنے کے لئے عمرو بن خالد صیداوی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”تقدم فاننا لا حقوق لك عن مساعة“ جاؤ ہم بھی آ رہے ہیں عمرو بن خالد روانہ ہوئے۔ بُرا ہے آپ کے ہمراہ پانچ اور جانباڑ ہو گئے۔ میدان میں پہنچ کر ان لوگوں نے زبردست حملے کئے۔ بلا خراہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ حضرت امام حسین کو اطلاع ملی۔ آپ نے اپنے بہادر بھائی عباس علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ وہ ابن خالد وغیرہ کی حمایت کے لئے پہنچیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ اور زبردست حملے کر

کے ان سب کو چھڑالائے۔ دشمن جوان حضرات کے قتل کی تاک میں تھے۔ پیچھے ہوئے۔ اور ایک مقام پر حملہ کیا۔ غرضکہ پھر مقابلہ ہوا۔ اور اس مقابلہ میں دشمنوں کی یلغار نے ان بہادروں کو شہید کر دیا۔ حضرت عباس نے تمام واقعات حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیان کر دیے۔ امام حسین نے ان شہداء کو دعائیں دیں۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۶۷۷ و معہ سا کہ ص ۳۳۳ الدمع المختون ترجمہ جلاء العیون ج ۲ ص ۶۷۷ البصار العین شیخ طاہر ساد طبع حیدر آباد۔ قمر بنی ہاشم ص ۱۰۹ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۵)

## عاشور کی دوپہر کو دشمنوں کا ارادہ کہ خیموں میں آگ لگ دے دیں اور حضرت عباس کی جانبازی

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ عزہ ابن قیس کی استدعا کے موافق عمر بن سعد نے حصین ابن نمیر کو جمع پانچ سو تیر اندازوں کے بھیجا۔ جنہوں نے پہنچتے ہی لشکر امام حسین علیہ السلام پر تیروں کاہنہ برسانا شروع کیا۔ اور اس شدت سے تیر بارانی کی کہ تھوڑی دیر میں گھوڑوں کو بیکار کر دیا۔ اور حسینی لشکر کے کل سوار پیادہ ہو گئے اس موقع پر حرنے دشمنوں سے خوب جنگ کی۔ اور دیگر اصحاب نے بھی مخالفین سے دوپہر تک ایسا شدید مقابلہ کیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی۔ کہ سوائے ایک سمت کے کسی اور طرف سے حملہ کر سکیں۔ اسی اثنا میں عبد اللہ ابن عمیر کلبی کی بیوی عبد اللہ کی لاش پر جا کر ان کے چہرے کی گرد پونچھنے لگی۔ اور کہتی جاتی تھی۔ کہ تم کو جنت مبارک ہو۔ شر کے حکم سے اس کے ایک غلام رستم نام نے اس بے چاری کے سر پر ایسا گزرا لگایا۔ کہ وہ اسی جگہ مر کر رہ گئی۔ پھر شر نے حملہ کیا۔ اور خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی۔ کہ میرے پاس آگ لاؤ۔ تاکہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سن کر مخدرات عصمت چلا آئیں اور خیموں سے باہر نکل آئیں۔ امام حسین نے شمر کو لکھا۔ کہ کیا تو میرے خیام اور اہل و عیال کو جلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے نار جہنم میں جلائے۔ ابو جحف کہتے ہیں کہ تمام کی تمام عورتیں پردوں سے باہر نکل پڑیں۔ اور پکاریں۔ اے مسلمانوں کے مجمع اور اے مومنین کے گروہ۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف فدا کر دو۔ حرم رسول اللہ کو بچالو۔ اپنے امام اور اپنے نبی ﷺ کی بیٹی کے فرزند سے دشمنوں کو ہٹا دو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعہ سے تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ تم ہمارے عزیز ہو۔ اور ہمارے نانا کے زیر سایہ ہمارے ہمسایہ ہو۔ ہم سے محبت کرنے والے ہو ان کا مقابلہ کر دو۔ ہماری حمایت میں خدا تم کو برکت عطا فرمائے۔ اصحاب نے جس وقت یہ سنا تو چیخیں اور ڈھارس مار کر رونے لگے۔



اور عرض کی۔ ہماری جانیں آپ کی جانوں پر۔ ہمارے خون آپ کے خون کے عوض اور ہماری روئیں آپ پر قربان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ کوئی آپ کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ ہم نے اپنی جانیں تلواروں کے سامنے کر دیں۔ اپنے جسم پر ندوں کے لئے چھوڑ دیے ہیں۔ بسا ممکن ہے۔ کہ جب ہم آپ سے پہلے اپنی جانیں جھونک دیں۔ تو آپ ان صفوں کے حملہ سے بچ جائیں گی۔ ہاں آج کے دن فقط وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو نیکی کمائے اور آپ کی جانوں کو موت سے بچائے۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۸۵ طبع دہلی ۱۹۲۱ء)

صاحب مظلومہ کر بلا لکھتے ہیں۔ کہ عاشور محرم کی دوپہر کو عمر سعد نے ایک کثیر لشکر دے کر شمر کو خیام پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ جوزنان بنی ہاشم نے راستے میں ایک کٹر کوفہ کر ڈالا۔ تب شمر پکار اٹھا۔ کہ آگ لاؤ۔ میں خیام کو جلا دوں۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے ڈانٹ کر کہا۔ کہ اے دشمنان اللہ و رسول ﷺ تم لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہو۔ تم کو عورتوں اور بچوں پر ظلم سے کیا غرض۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ قہار کا ڈر نہیں اور رسول ﷺ مختار کا پاس و لحاظ نہیں۔ تو حیت عرب کو تو ضائع و برباد نہ کرو۔ اور میری زندگی میں خیموں کو تاراج کرنے سے باز آؤ۔ اور حضرت عباس اور زہیر قین نے بڑھ کر شمر اور اس کے لشکر پر حملہ کیا۔ اور کمال جان بازی سے سب کو فنا کر ڈالا۔ شمر کے سوا کوئی بھی بچ نہ سکا۔ (تاریخ احمدی ص ۲۸۰ طبع لکھنؤ و مظلومہ کر بلا ص ۷۲ طبع لاہور)

الغرض دشمنان اسلام فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بدر واحد کے مقتولین کا بدلہ رہے تھے۔ اور حسین کے بہادر سپاہی آپ پر اپنی جانیں نثار کر کے شرف شہادت سے مشرف ہو کر اپنی عاقبت بنا رہے تھے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی مجاہد لڑنے کے لئے جاتا تھا۔ تو امام حسین علیہ السلام سے اجازت لیتا۔ اور ان کو سلام کر کے جاتا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سب کو جواب سلام دے کر رخصت فرماتے تھے۔ اور یہ آیت پڑھتے تھے ”فمنہم من قضیٰ نحبہ و منہم من ینتظر“ جو جاکچے ہیں۔ شرف شہادت سے مشرف ہو گئے ہیں۔ اور جو منتظر ہیں وہ بھی عنقریب شہید ہوں گے۔ بہر حال کر بلا کا ہر جاں باز درجہ شہادت پر فائز ہونے میں سبقت کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور جب تک اصحاب باوفا موجود رہے ہیں بنی ہاشم کو میدان میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ اصحاب کرام کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی باری آئی اور ہر بہادر مرنے کے لئے بے چین نظر آ رہا تھا۔ حضرت عباس چاہتے تھے۔ کہ میں سب سے پہلے امام حسین پر قربان ہوں۔ علی اکبر کی خواہش تھی کہ میں سب سے پہلے شرف شہادت حاصل کروں۔ قاسم کی تمنا تھی کہ میں سب سے پہلے اپنے چچا پر نثار ہوں۔ عون و محمد بے چین تھے

کہ ہماری قربانی پہلے پیش ہو۔ عبد اللہ ابن مسلم مضطرب تھے کہ پہلے میری قربانی پیش ہو۔ غرض کہ ہر مجاہد امام حسین پر قربان ہو کر سرخرو ہونے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ یہ شرف سب سے پہلے عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل کو نصیب ہوا۔

## جناب عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل کی شہادت

مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام حسین پر قربان ہونے کے لئے جناب عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل آگے بڑھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت نہ دلانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا! تمہارے باپ کی شہادت کو ابھی بہت تھوڑے دن گزرے ہیں۔ اب داغ پر داغ تم دینا چاہتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی والدہ اور بہنوں کو لے کر کسی طرف چلے جاؤ۔ اور جام شہادت پینے سے باز آؤ۔ جناب عبد اللہ نے عرض کی۔ مولا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ ہم اپنی ناچیز قربانی پیش کرنے سے محروم رہیں۔ اور شرف شہادت نہ حاصل کریں۔ مولا! اب تو دل بے چین ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اجازت دیجئے۔ عبد اللہ ابن مسلم کے اصرار شدید پر امام حسین علیہ السلام نے آبدیدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اور شیر پشہ شجاعت جناب عبد اللہ ابن مسلم روانہ جنگ گاہ ہوئے۔ میدان میں پہنچ کر آپ نے یہ جڑ پڑھا۔

وفتیۃ بادوا علی دین النبی  
لکن خیار و کسرام النسب

الیوم القی مسلماً و هواہی  
لیسوا بقوم عرفوا بالکذب

من ہاشم السادات الحسب

ترجمہ: آج میں اپنے باپ مسلم بن عقیل اور ان جوانوں سے ضرور جا ملوں گا۔ جنہوں نے اپنی جانیں دین محمدیؐ پر قربان کی ہیں۔ وہ سادات بنی ہاشم کے عمدہ اور کریم النسب۔ شریف الحسب بہادر ہیں جو جھوٹ جانتے تک نہیں تھے۔ اور نہ کسی حیثیت سے جھوٹ ان کی طرف منسوب ہو سکتا تھا۔ رجز پڑھنے کے بعد آپ شیر غضبناک کی طرح لشکر مخالف پر حملہ آور ہوئے۔ اور ان کی ٹڈی دل فوج میں انتشار عظیم پیدا کر دیا۔ آپ نے تین حملوں میں ۹۸ دشمنوں کو فی النار کیا۔ بالآخر عمر بن صبیح الصیداوی اور اسد ابن مالک ملعون آپ کے شہید کرنے میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے۔ کہ آپ کا دست مبارک آپ کی پیشانی سے وصل ہو گیا تھا۔ صاحب دمعہ سا کہ بحوالہ ارشاد شیخ مفید رقمطراز ہیں۔ ”ثم رماه عمر بن صبیح الصیداوی بسهم فوضع عبد اللہ یدہ

علی جہتہ یتقیہ فاصاب السهم کفہ ونفذ الی جہتہ فسمرہابیہ“ پھر عمر بن صبیح صیدادی نے آپ کو ایک تیر مارا۔ آپ نے اپنے سر کی حفاظت کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ وہ تیر اس طرح لگا کہ آپ کا ہاتھ پیشانی سے وصل ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پھر آپ حرکت نہ کر سکے۔ اسی دوران میں ایک شخص نے آپ کے قلب مبارک پر نیزہ مارا۔ جس کے صدمہ سے آپ زمین پر آ گرے۔ (ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۲۰ طبع ایران، بजार الانوار ج۔ ۱ طبع ایران۔ ذخیرۃ الدارین ص ۱۵۸ جواہر الایقان ص ۱۲۶ نسخ التواریخ ج ۶ اعلام الوری ص ۱۳۶) امام خازن تحریر فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”من بلغ بسهم فله درجة فی الجنة“ جو تیرے لئے شہید ہوا۔ اسے جنت میں خاص درجہ دیا جائے گا۔ (لباب التاویل ج ۳ ص ۳۷ طبع مصر)

تاریخ ابن جریر طبری میں ہے۔ کہ اثنائے جنگ میں عمر بن صبیح صیدادی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو متواتر دو تیر مار کر شہید کیا۔ پھر عبداللہ بن قطیہ کے ہاتھوں سے عون بن عبداللہ بن جعفر اور عامر بن جھشل کی ضرب سے محمد بن عبداللہ ابن جعفر اور عثمان بن خالد جعفی اور شہر ابن سوط ہمدانی کے حملے سے عبدالرحمن بن عقیل شہید ہوئے۔ اور عبداللہ بن عزرائی جعفر بن عقیل تیسرے نے شہید کیا۔

### عبداللہ بن مسلم پر امام معصوم کا سلام:

شرح زیارت عاشور میں ہے۔ ”السلام علی القتیل ابن القتیل عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل ولعن اللہ قاتلہ عمر ابن الصبیح الصیدادی“ شہید ابن شہید عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان کے قاتل عمر بن صبیح صیدادی پر۔ (شفاء الصدور ص ۱۱۲ طبع بمبئی)

### ضروری وضاحت:

جملہ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے عبداللہ ابن مسلم بن عقیل علیہ السلام نے جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ لیکن علامہ ابن حسن صاحب جاری جوی کتاب تذکرہ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ حصہ دوم ص ۱۶۹ میں لکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے علی اکبر نے اذن جہاد طلب کیا۔ مرہ بن عبدی نے دھوکے سے ایک نیزہ مارا جو سینے سے پار ہو گیا۔ پھر دشمنوں نے تلوار مار کر کٹڑے کٹڑے کر ڈالا۔ اسی طرح تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کی والدہ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب جناب ام حبیبہ ربیعہ تغلبیہ کے لطف سے

تھیں۔ لیکن خان بہادر اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی ذبح عظیم ص ۲۰۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کی والدہ مقدسہ کا نام رقیہ بنت امیر المومنین تھا۔ یہ معظمہ حضرت ام المومنین کے بطن سے تھیں اور حضرت عباس کی حقیقی بہن تھیں۔ کتاب شہید اعظم عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی کے ص ۷۵ میں بھی یہی مرقوم ہے۔

## جناب عون و محمد اور حضرت عباس علیہ السلام

یہ دونوں بھانجے ہیں امام سعید کے پوتے شہید کے ہیں نواسے شہید کے عاشور کی گرم بازاری میں امام حسین پر قربانیاں پیش ہو رہی ہیں۔ حضرت زینب نے بھی اپنے دونوں نونہال پیش کر دیے۔ صاحب چہل مجلس لکھتے ہیں کہ روایت میں ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں واقعہ کربلا کا ذکر آیا۔ اور فاطمہ زہرا گریاں نظر آنے لگیں۔ زینب نے پوچھا۔ مادر گرامی۔ اس وقت میں ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ ارشاد ہوا۔

شہروں میں بیاں گیری شکیبائی کا ہوگا تو اونٹ پہ اور نیزے پہ سر بھائی کا ہوگا الغرض وہ وقت آیا کہ خداوند عالم نے گلزارِ تمنا میں دو گلزار کیے بعد دیگرے پیدا کئے۔ زینب نے درگاہِ الہی میں عہد کیا۔ کہ اگر یہ بچے صحیح و سالم رہے۔ تو میں انہیں اپنے بھائی حسین پر سے فدا کروں گی۔ دن گزرے۔ راتیں گزریں۔ بچے چلنے پھرنے لگے۔ زینب نے حضرت عباس کے پاس فن سپہگری سکھانے کے لئے بھیج دیا۔ یہ روزانہ حضرت عباس کے پاس ہنر جنگ و جدل سیکھتے تھے۔ جب گھر واپس آتے تھے تو حضرت زینب فرماتی تھیں

دنیا کی خوبیاں ہیں سب ان کے واسطے میں پالتی ہوں دونوں کو ایک دن کے واسطے غرض صبح عاشور آگئی۔ اور دشمن برسرِ پیکار ہو گئے۔ اصحاب نے قربانیاں پیش کیں۔ اصحاب کے بعد اقربا و اعزا کی باری آئی۔ جب مسلم بن عقیل کے فرزند مولا کے قدم پر نثار ہو گئے۔ تو عون و محمد بھی جوش شجاعت سے بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ ”مولا مرنے کی اجازت دیجئے“ امام حسین نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ زینب کو صدمہ عظیم ہوگا۔ اجازت دینے میں تامل فرمایا۔ پھر امام حسین داخلِ دولت سرا ہوئے آپ کے ہمراہ حضرت علی اکبر اور آپ کے پیچھے عون و محمد بھی تھے۔ آپ زوجہ جناب مسلم کے سامنے ادائے تعزیت فرما رہے تھے۔ کہ ناگاہ جناب زینب بھی تشریف لائیں۔

ماں کی طرف جو عون و محمد نے کی نظر  
بھائی سے بھائی نے یہ کہا تب بہ چشم تر  
منہ پھیر کر جھکا لیا زینب نے اپنا سر  
اماں خفا ہیں کچھ جو نہیں دیکھتیں ادھر

کیا جائیں وہ کہ دیر کایاں کیا سبب ہوا  
رخصت میں اور پیچ پڑا لو غضب ہوا

یہ کہہ کے ماں کے پاس گئے دونوں ملقا  
ہم مانگتے ہیں دیر سے میدان کی رضا  
ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے منت سے یہ کہا  
دیتے نہیں مگر شہ ویں رخصت دعا  
بے وجہ خادموں سے مکدر حضور ہیں  
اماں خدا گواہ کہ ہم بے قصور ہیں

بولی یہ رو کے جولہ سلطان بحر و بر  
لاشے پہ لاشے آتے ہیں گزری ہے دو پہر  
اب دھیان آیا مر گئے مسلم کے جب پر  
کیا کر رہے تھے جسے حیراں ہوں تھے کدھر  
حضرت کے ساتھ آپ بھی آتے تو خوب تھا  
اکبر کے بعد مرنے کو جاتے تو خوب تھا

دونوں بچے دست بستہ عرض پرواز ہوئے۔ مادر گرامی۔ ہماری کوئی خطا نہیں۔ ہمیں  
ماموں جان نے اب تک اجازت نہیں دی۔ یہ سن کر حضرت زینب امام حسین کی خدمت میں بچوں  
کو لائیں اور ان کے لئے اجازت طلب کی۔ امام حسین اشک بہاتے ہوئے خیمہ سے باہر چلے  
گئے۔ حضرت زینب نے بیٹوں کو لباس پہنایا۔ اور امام حسین کو بلوا بھیجا۔ مگر حسین یہ سوچ کر نہ  
آئے۔ کہ اگر جاؤں گا۔ زینب بچوں کے لئے اجازت مانگیں گی۔ صاحبزادوں نے کہا۔ مادر  
گرامی! اگر ماموں نہیں آتے تو عباس کو بلائیے۔

تم حضرت عباس کو میداں سے بلاؤ  
حضرت زینب نے نصیحت سے کہا۔ کہ ایک بار اور جاؤ۔ اور میرے بھائی عباس سے کہو کہ  
زینب بلاتی ہیں۔ اور اگر وہ بھی آنے میں تامل کریں۔ تو کہنا کہ  
تم آؤ تو آؤ نہیں خود آتی ہے زینب

الغرض حضرت عباس نے امام حسین کی طرف رخ کیا۔ امام کو آبدیدہ دیکھ کر خیمہ کی  
طرف روانہ ہوئے۔ ذرخیمہ پر زینب کھڑی ہوئی تھیں۔

عباس نے کی عرض کہ تم سب سے بڑی ہو  
حضرت عباس نے فرمایا۔ اے بہن! میں نے بار بار بھائی سے کہا کہ زینب بلاتی ہیں۔  
وہ سانسے شبیر ہیں تم در پہ کھڑی ہو

تشریف لے چلے۔ مگر وہ نہ آئے۔ اے زینب وہ کہتے ہیں۔ کہ بہن! سات آٹھ سال کے بچوں کا گلا کٹنا چاہتی ہیں۔ اور مجھے یہ برداشت نہیں ہے۔ کہ زینب کو داغ مفارقت نصیب ہو۔ حضرت زینب نے کہا۔ اچھا اے عباس میرے بچوں کو تم لے کر جاؤ۔ اور اجازت دلا دو۔ حضرت عباس بچوں کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ امام حسین نے بجز واکراہ اجازت دی۔ اور دونوں نو نہال میدان قتال میں تشریف لائے

دیکھا جو جلال ان کا تو کہنے لگا لشکر  
لو آئے دو یوسف دو سلیمان دو سکندر  
دو حمزہ و دو حیدر کرار دو جعفر  
دو غازی و دو شیر دو عباس دو اکبر

گھبرا کے نظر بعضوں نے کی چرخ بریں پر  
ہیں شمس و قمر آج فلک پر کہ زمیں پر  
یہ دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ اس کا جواب انہوں نے رجز پڑھ کر دیا۔  
علامہ محمد باقر اور علامہ سبھکاشانی لکھتے ہیں۔ کہ جناب عون نے یہ رجز پڑھا۔

ان تنکرونی فاننا بن جعفر  
شہید صدق فی الجنان الازھر  
یطیر فیہا یخناح اخضر  
کفی بہذا شرفاً فی الحشر  
اور جناب محمد نے یہ رجز پڑھا۔

نشکوا الی اللہ من العدوان  
قتال قوم فی الردی عمیان  
قد ترکوا معالم القرآن  
ومحکم التنزیل والتبیان  
واظہروا الکفر مع الطفیان

ترجمہ: اگر تم مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہو۔ تو جان لو کہ میں جعفر طیار کا بیٹا ہوں۔ جو بلاشبہ جنت میں نمایاں جگہ کے مالک ہیں۔ وہاں وہ ہنر پروں سے اڑتے ہیں۔ اور سنو۔ میرے لئے ان کا بھی شرف کافی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس قوم کی جنگ عدوان قتل و قتل کی شکایت کرتا ہوں انہوں نے قرآنی نشانات کو چھوڑ دیا ہے۔ اور تنزیل و تبیان سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اور اس ظلم و ستم کے ساتھ کفر و فسق کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔

پھر ان میں سے جناب محمد بن عبد اللہ نے دس افراد قتل کئے۔ اور جناب عون نے تین سوار اور اٹھارہ پیادے قتل کئے۔ جناب محمد کو عبد اللہ بن بطلہ طائی نے اور عون کو عامر بن ہنشل تمیمی نے شہید کیا (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۵، ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۸۲۔ تاریخ طبری جواہر الایقان ص ۱۲۸۔ چہل مجلس سید وزیر حسین سب ج ۱ ص ۲۵۸ تا ص ۲۷۰ طبع لکھنؤ ۱۲۹۸ھ)

علامہ راشدی لکھتے ہیں۔ ”یہ زینب کے نونہال ماموں سے رخصت ہو کر جنگ گاہ کی طرف گئے جام شہادت پیا۔ حسین نے خبر دی۔ بہن زینب تمہارے بچے رخصت ہو گئے۔ بی بی زینب کی ٹھنڈی سانس کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ حسین میرے واسطے رونے کا نہیں۔ بلکہ شکر کا مقام ہے۔ پانی میسر نہیں۔ تمیم کر رہی ہوں۔ دو نفل شکر یہ اس اللہ تعالیٰ کا ادا کروں۔ جس نے مجھے آج سرخ رو کیا۔ اور مجھے ایسے بچے دے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے۔ امام حسین نے حضرت عباس سے کہا۔ بھائی۔ آؤ۔ بچوں کی لاشیں اٹھا لائیں۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسین (اور حضرت عباس) بچوں کی لاشیں لینے گئے۔ اور بی بی زینب نے استقلال کے ساتھ دو گانہ ادا کیا۔ سجدوں میں گریں اور کہا ”تو نکتہ نواز ہے۔ مجھ دکھیا کے دنوں بچے تیرے نام پر تیرے رسول کی امت کے ہاتھوں بے دردی سے قتل کئے گئے ہیں۔ میں نے ان کو بھوکا پیاسا تیری راہ میں گھر سے نکالا۔ ان کی لاشیں آ رہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے۔“ دعا کر رہی تھیں۔ کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں۔ انھیں تو بھائی نے کہا۔ زینب تمہارا ارمان پورا ہوا۔ تمہارے بچے جن کی شادی کا تم کو ارمان تھا۔ دولہا بن کر تمہارے سامنے آ گئے۔ قربان اس منہ کے جس نے کہا۔ حسین کے بھانجے نہیں۔ غلام ہیں۔ میرے بچو! تم کو سر پر رکھوں، تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں، تم حسین کے غلام نہیں کیلچے کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حق مہمان نوازی ادا نہ کر سکا۔ مگر تم نے زینب کے دودھ کا حق ادا کر دیا۔ بی بی زینب خاموش کھڑی بھائی کی تقریر سن رہی تھیں۔ جب امام عالی مقام خاموش ہوئے۔ تو کہا۔ بھیا۔ ان مہمانوں سے باتیں کر لوں۔ ان کو دودھ بخش دوں۔ اور ان سے کہہ دوں۔ کہ ماں کا کہنا سننا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا اور نانی سے نہ کرنا۔ عوں و محمد میں نے تم کو گھر سے اس وقت نکالا۔ جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنادی تھی۔ بچو۔ خطا وار کا قصور معاف کرو۔ سلام کو جھکتے تھے۔ تو درازی عمر کی دعائیں دیتی تھی۔ آج ماں کے حکم پر جان نثار کر گئے اب کیا عداووں۔ یہ کہہ کر پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے منہ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑ کر کہا۔ میرا بچہ محمد کر بلا کے میدان میں تمہارے سپرد ہے۔ جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا۔ تو سینے سے لگا لیتی تھی۔ اب اگر یہ بچہ نکلتا تو ماں کے بدلے گلے سے لگالیں جیو۔ ظلم و ستم سے شہید بچہ اس بیابان میں تمہارے سپرد ہے۔ اب بچگی بندھ گئی۔ تو اٹھ کر چاروں طرف پھریں۔ اور چھوٹے کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا ماں ان ہاتھوں کے نثار۔ عمر سعد کو دکھا دیا۔ کہ میدان جنگ میں بہادر کس طرح جان دیتے ہیں۔ دفعۃً کچھ خیال آیا اور بھائی کو بلا کر کہا۔ کیوں بھائی بچوں سے کوئی خطا تو

نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلاف مزاج ان کی زبان سے نکل گیا ہو تو معاف فرما دیجئے۔ میں نے منع کر دیا تھا۔ کہ ہرگز ہرگز نہ کہنا۔ کہ ہم امام کے بھانجے ہیں۔ ہام حسین بہن سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا۔ زینب تمہارے بچے تمہارے گلے کی پوری نقیل کر گئے۔ دشمنوں نے ہر چند پوچھا۔ مگر وہ یہ کہتے دنیا سے سدھارے کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینب۔ تمہارے بچے کلیجہ پر ایسا داغ دے گئے۔ کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ وبال ہے۔ یہ سن کر زینب مسکرائیں۔ بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا۔ لیجئے۔ لے جائیے۔ الخ (سیدہ کلال ص ۱۶۰ تا ص ۱۶۸)

## حضرت عباس کا اپنے بھائیوں کو فہمائش کرنا اور حوصلہ افزائی فرمانا

بہتر کے سوا کوئی نہ پایا جو آغوشِ اہل میں مسکرا دے  
قربان گاہ کر بلا پر اصحاب کے بعد بنی ہاشم اسلام پر بھیجت چڑھنا شروع ہو گئے ہیں۔  
اب ان میں سے ہر ایک سبقت کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور جو موقع پا جاتا ہے اور اجازت نہرو  
آزمائی حاصل کر لیتا ہے میدان کی طرف دوڑتا ہے۔ اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر  
بانی اسلام ﷺ کی نظر میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ بہت سے بنی ہاشم کے نوجوان اپنی قربانیاں  
پیش کر چکے ہیں۔ حضرت عباس جن کے اوپر جنگ کر بلا کے سر کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری  
ہے۔ وہ ہر چند کوشش کر رہے ہیں۔ کہ مجھے میدانِ دا کی اجازت ملے۔ تاکہ میں اپنے کو پیش کر  
کے بابا جان حضرت علی کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤں اور ان پر یہ ثابت کر دوں کہ آپ نے جس  
غرض کے واسطے میری ولادت کی تمنا کی تھی۔ میں نے اسے پورا کر دیا۔ لیکن علمبردار لشکر ہونے۔  
نیز حسین کے ایسے قوت بازو ہونے کی صورت میں جن پر حسین اپنے فدا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔  
اور ”بنفسی انت“ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کیونکر میدانِ قتال کی اجازت پاسکتے تھے۔ بنا بریں  
حضرت عباس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر میں اپنی ذاتی قربانی اس وقت جبکہ سب بنی ہاشم  
کے کو نہال جا رہے ہیں۔ نہیں پیش کر سکتا۔ تو کم از کم یہ ضرور ہی کر سکتا ہوں کہ قاسم و علی اکبر سے  
پہلے اپنے حقیقی بھائیوں کو قربان گاہِ حسینی میں پیش کر دوں۔ تاکہ بابا جان مجھ سے ناخوش نہ ہوں۔  
اور ان کو گلہ و شکوہ نہ رہے۔ اور وہ بانی اسلام ﷺ کی بارگاہ میں اس بارے میں شرمندہ نہ ہوں۔  
کہ ان کے وہ بیٹے جو عباس کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے سردیے میں تاخیر کی۔ حضرت عباس  
نے اپنے سگے بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یا بنی امی تقدوا حتی ارلکم وقد نصحتم



لله ولسرسله“ اے میرے حقیقی بھائیو! اب میدان قتال میں جا کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی جانیں دے دو۔ اور مجھے دکھا دو کہ تم نے سرخرو کی حاصل کر لی۔ اور سنو تمہیں یاد ہوگا۔ کہ جب جنگ صفین ہو رہی تھی۔ اور تیروں کا بیڑہ برس رہا تھا۔ اس موقع پر پدر بزرگوار نے محمد حنفیہ سے فرمایا تھا۔ کہ آگے بڑھو۔ اور فوج مخالف کے میمنہ پر حملہ کرو۔ تو انہوں نے کمال دلیری سے حملہ کیا تھا۔ اور جب پلٹ کر آئے تھے۔ تو بابا جان نے فرمایا۔ اب میسرہ فوج پر حملہ کرو۔ اس وقت انہوں نے عرض کی۔ بابا جان ”الا تری السهام کانتھا المطر“ کیا حضور ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں۔ کہ تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور میں زخموں سے چور ہوں۔ حضور حسن اور حسین بھی تو ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بابا جان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اور انہوں نے فرمایا۔ ”هذه عرق من امك“ یہ تیری ماں کا اثر ہے۔ سن تو میرا بیٹا ہے اور حسن و حسین رسول مقبول کے فرزند ہیں۔ نیز یہ کہ تو بمنزلہ دست منی و آنہا بمنزلہ چشم من اند۔ تو میرے ہاتھوں کے مانند ہے اور حسین آنکھوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ دفاع کیا کرتے ہیں۔ آنکھوں کا کام لڑنا نہیں ہے۔ غرض کہ محمد حنفیہ کے ٹوکنے پر بابا جان کو غصہ آ گیا تھا۔ اور انہوں نے ان کی زبردستی کو ختم کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا۔ کہ بیٹا! میرے فرزندوں میں وہ زیادہ خوش نصیب ہوگا۔ جو دشتِ کربلا میں فرزند رسول ﷺ کی مدد کرے گا۔ میرے بھائیو! مجھے حنفیہ کی طرح ماں کا نام بھی بدنام نہیں کرنا ہے۔ کیونکہ وہ بھی بہت ہی بہادر خاندان کی خاتون ہیں۔ اور ہمارے کارنامہ کربلا کی نوید حمایتِ سننے کے لئے مدینہ منورہ میں موجود ہیں آج جنگ کرو۔ قربانیاں پیش کرو۔ اور ماں باپ کا نام روشن کر دو۔ یہ سن کر ان کے بھائیوں نے کمال دلیری سے جواب دیا۔ کہ ہم اسی لئے آئے ہیں۔ اور انشاء اللہ اپنی قربانیوں سے جس قدر جلد ممکن ہو سکے گا اپنے پدر بزرگوار اور مادر۔ نیز آپ کو خوش کر دیں گے۔

(تحفہ حسین ج ۱ ص ۱۶۲ مجلس المتقین ص ۴۷۔ روضۃ السید طبع ایران۔ مجمع النورین ص ۲۵۱ طبع ایران)

**حضرت عباس کے حقیقی بھائیوں کی تعداد:**

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت عباس چار حقیقی بھائی تھے۔ (۱) خود حضرت (۲) جناب عبد اللہ (۳) جناب عثمان (۴) جناب جعفر۔ ان کی والدہ جناب ام البنین اور والد ماجد حضرت علی علیہ السلام تھے۔ اور انہیں سے حضرت عباس نے یوم عاشورہ خصوصی طور پر مخاطبہ فرمایا تھا۔ اور انہی کو شہر امان نامہ کے حوالہ سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جس کا انہوں نے کمال دلیری سے یہ جواب دیا تھا۔ کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ تیری امان پر لعنت ہے۔ لیکن امام ابو اسحاق اسفہانی شہداء بنی ہاشم کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”منہم العباس وعبد اللہ وجعفر و

عمر و عثمان هؤلاء الخمسة اخوة الحسين من علي و امهم ام البنين“ کہ عباس عبد اللہ، جعفر، عمر، عثمان یہ پانچوں امام حسین کے علاقائی بھائی تھے۔ اور ان کی ماں جناب ام البنین تھیں (نور العین ص ۶۳ طبع سہمی ۱۲۹۲ھ)

غرض کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کی حوصلہ افزائی کی اور وہ سب مرنے کے لئے جلد سے جلد نکلنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ناموس اسلام ص ۱۶۳ میں ہے۔ باغ مرتضوی کے پھول ام البنین کی آنکھ کے تارے دریائے فنا میں ڈوبنا شروع ہوئے۔ حسین کے بازو ٹوٹنے لگے۔ باپ کی نشانیاں علی کی یادگاریں خاک میں ملنے لگیں۔ حضرت عباس نے بھائیوں کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا۔ کہ پیارو۔ تم مجھے جان سے زیادہ عزیز اور پیارے ہو۔ مگر آج میری خواہش یہی ہے کہ تم سب مجھ سے پہلے بابا علی مرتضیٰ کی خدمت میں دربار رسولؐ میں سرخرد کوثر کے کنارے پہنچ جاؤ۔ تمہارے داغ ہم سینے پر اٹھائیں۔ اور تمہارے غم میں صبر و رضائے الہی کے درجات بھی حاصل کریں۔ یہ بہادر بھائی کے فدائی۔ حسین کے عاشق پہلے سے ہی شوق شہادت میں بے چین تھے۔ خوش ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ہماری یہی تمنا اور یہی آرزو ہے۔ کہ آپ سے پہلے خون میں ڈوبیں۔ اور اپنے پیارے بزرگ بھائی آقا حسین پر ثار و قربان ہو جائیں۔ ہتھیار بچتے ہیں۔ تلواریں اٹھاتے ہیں۔ سلام و دواعیٰ عرض کر کے رخصت ہوتے ہیں۔ حسین ایک ایک کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور رخصت فرماتے ہیں۔ بیشہ حیدری کے شیر میدان میں جاتے ہیں۔ شجاعت علوی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ شیرانہ حملے فرماتے ہیں۔ تیر لگتے ہیں۔ برچھیاں پڑتی ہیں۔ زخمی ہو کر گرتے ہیں اور بھائی پر قربان ہو جاتے ہیں۔ حسین لاشوں کو اٹھاتے ہیں۔ اشکبار ہوتے ہیں۔ اور خون بھری لاشوں کو خیمہ میں لے آتے ہیں۔ الخ

اب آپ ان بہادروں کے مختصر الفاظ میں تفصیلی واقعات تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

## حضرت عباس کے بھائی عبد اللہ بن علی

عبد اللہ بن علی حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ حضرت عباس سے تقریباً آٹھ سال چھوٹے تھے۔ آپ کی کنیت ناخ التوارخ کے مطابق ابو محمد تھی۔ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپ کو جوہر شجاعت و رشہ میں ملا تھا۔ بڑے بہادر نہایت جری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ حضرت عباس کے ارشاد کے مطابق میدان میں تشریف لے گئے تھے۔ تو جوہر شجاعت دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں

ولد بعد اخيه ثمان سنين وامه  
فاطمه ام البنين و بقى مع ابيه  
ست سنين ومع اخيه الحسن  
ست عشر سنة ومع اخيه  
الحسين خمساً و عشرين سنته  
و ذالك مدة عمره  
آپ اپنے بھائی حضرت عباس کے (تقریباً)  
آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی  
ام البنین فاطمہ کلابیہ تھیں۔ آپ نے پدر بزرگوار  
کے ساتھ ۶ سال اور امام حسن کے ساتھ ۱۶ سال  
اور امام حسین کے ساتھ پچیس سال زندگی بسر کی۔  
اور یہی ۲۵ سال آپ کی مدت عمر ہے۔

(ابصار العین ص ۳۲ بجار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳۔ ناخ ج ۶ ص ۲۲۸۔ مدعہ ساکبہ ص ۳۳۶ انوار  
الحسینہ ص ۶۸۔ مہج الاخران ص ۱۶۲ بجار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳ اور تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۶۳ میں ہے کہ  
جناب عبداللہ ابن علی کے کوئی اولاد نہ تھی)

### میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی:

آپ چونکہ فطریہ شجاع تھے۔ اور بڑے بھائی حضرت عباس نے بھی حوصلہ افزائی کر  
دی تھی۔ لہذا جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو آپ نے کمال بے جگری سے جنگ  
فرمائی۔ آپ کی شجاعت کے متعلق صاحب ناخ التواریخ لکھتے ہیں کہ ”عبداللہ شیل شیریز داں  
و آرزو مند نیر و مرداں و میدان بود“ عبداللہ شیریز داں حضرت علی کے بہادر پسر تھے اور آپ لوگوں  
سے نبرد آزمائی کے لئے بے چین تھے۔ تواریخ میں ہے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے  
تو وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست حملہ کیا۔ اور ان لفظوں میں رجز پڑھا:

انا ابن ذی النجدۃ والافصال      ذاک علی الخیر فیہ الفعال  
سیف رسول اللہ ذو النکال      فی کل قوم ظاہر الافعال  
ترجمہ: میں ایک عظیم الشان بہادر اور صاحب جود و کرم کا فرزند ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میرے  
افعال و اعمال میں اچھائی نظر آتی ہے۔ اور تم سمجھو وہ کون ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی شمشیر  
برہنہ ہیں۔ ان کے افعال و اعمال روز روشن کی طرح ساری دنیا پر روشن اور جلی ہیں۔

### آپ کی شہادت:

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس طرح حملہ کیا۔ کہ سارا میدان کانپ اٹھا۔ مؤرخین  
لکھتے ہیں۔ ”و جعل یضرب بسیفہ قدما ویجول فیہم جولان الریح“ آپ نے چکی  
کی طرح میدان میں چکر لگا کر تلوار سے کاٹنا شروع کیا۔ اور مجمع میں چیخ و پکار کی آواز بلند ہو گئی

(تحفہ حسینہ ج ۱ ص ۱۶۳ انوار الحیدر ص ۶۸) دشمنوں نے جب دیکھا کہ اس بہادر پر قابو نہیں پایا جا رہا۔ تو پانچ ہزار کی جمیعت سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے جب ملاحظہ کیا۔ کہ اب دشمن اپنی پوری طاقت سے حملہ کر رہے ہیں۔ تو بقول صاحب حقائق المصیبت حضرت عباس کو آواز دی۔ آپ عون بن علی کو ہمراہ لئے ہوئے میدان میں پہنچے اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ جناب عبداللہ جن کے مقابلہ میں ہانی ابن شہیت حضری تھا۔ چونکہ کافی زخمی ہو چکے تھے لہذا دشمن آپ پر غالب آ گیا۔ ”فشق علیہ ہانی ابن شہیت الحضرمی فضر بہ علی راسہ فقتلہ“ اور آپ کے سر مبارک پر اس نے تلوار لگائی۔ جس سے آپ شہید ہو گئے (ابصار العین ص ۳۴ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۴۳۔ ناخ التواریخ ج ۲ ص ۲۲۸ تحفہ حسینہ ج ۱ ص ۱۶۳ مجالس المتقین ص ۴۷۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۷ و معہ سا کہ ص ۳۳۶۔ حقائق المصیبت ص ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

### جناب عبداللہ پر امام معصوم کا سلام:

”السلام علی عبد اللہ بن امیر المومنین مبلی البلاء والمناہی بالولاء فی عرصۃ کربلا المضروب مقبلاً ومدبراً لعن اللہ قاتلہ ہادی ابن شہیت الحضرمی“ عبداللہ ابن علی علیہ السلام پر سلام ہو۔ جنہوں نے بلا پر بلا جھیل کر موقوفہ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اور جو میدان کر بلا میں اپنی محبت کا علی الاعلان ثبوت دے گئے۔ جنہیں دشمنوں نے ہر جانب سے زخمی کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتل ہانی بن شہیت حضری پر لعنت کرے۔ (شفاء الصدور ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

### حضرت عباس کے دوسرے بھائی عثمان ابن علی

جناب عثمان بن علی حضرت عباس علمدار کے دوسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عبداللہ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۳ سال اور کنیت بقول صاحب ناخ التواریخ ابو عمر تھی۔ آپ کا اسم گرامی ”عثمان“ صرف اس لئے رکھا گیا تھا۔ کہ حضرت علی کے ایک بھائی عثمان بن مظعون تھے۔ جنہیں حضرت علی بہت زیادہ دوست رکھتے تھے۔ ناخ التواریخ اور بحار الانوار میں ہے کہ جب اس فرزند کی ولادت ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کا نام عثمان ابن مظعون کے نام پر رکھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں:

ولد بعد اخیه عبد اللہ بنحو ستین ..... آپ اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی جناب ام البنین و امہ ام البنین و بقسی مع ایہہ

نحواربع سنين و مع اخيه الحسن  
نحواربع عشر سنة و مع اخيه  
الحسين ثلاثا و عشرين سنة و  
ذالك مدة عمره (ابصار العين  
ص ۳۴ و انوار الحسينيه ص ۶۸  
طبع نجف اشرف)

### میدان جنگ کی طرف ہروی اور جانبازی:

میدان جنگ میں جانے کے لئے حضرت عباس ہمت افزائی فرمائی چکے تھے۔ اب  
عبداللہ شہادت نے جناب عثمان کے دل میں نبرد آزمانی کا زور پیدا کر دیا تھا۔ آپ میدان کی  
طرف کمال شجاعت اور جوش میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے یہ جڑ پڑھا۔

انسی انا العثمان ذو المفاخر شیخی علی ذو الفعال الظاہری  
وابن عم الرسول الطاہر اخی حسین خیرۃ الاخائر  
ترجمہ: اے دشمنان اسلام۔ میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صاحب مفاخر عثمان بن علی ہوں۔  
میرے بزرگ اور آقا میرے پد نامدار حضرت علی ہیں۔ جن کے کارنامے ناصیہ روزگار پر روشن  
ہیں۔ وہ رسول مقبول ﷺ کے ابن عم یعنی پچازاد بھائی ہیں۔ اور میرا بھائی حسین ہے۔ جو تمام  
منتخب لوگوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

وسید الکبار والا صاغر بعد الرسول والولی الناصر  
وہ حسین جو رسول اللہ اور ولی کے بعد کائنات کے تمام چھوٹے اور بڑے سب کے سردار  
ہیں۔ (ناخ التوارخ ج ۲ ص ۲۸۷ تہذیب ص ۶۳ بحار الانوار ج ۳ ص ۲۲۳ و معہ ما کہہ ص ۳۳۶)

### آپ کی شہادت:

آپ کمال دلیری کے ساتھ مشغول جنگ تھے۔ ”فرستادہ خولسی ابن یزید  
الاصبحی بسہم فادھطہ حتی سقط لجمہ فیجاءہ رجل من بنی ابان بن دارم  
فقتله واجتزر اسہ“ کہ ناگاہ خولی ابن یزید اسحی نے ایک ایسا تیر مارا جس نے انہیں بالکل کمزور  
کر دیا اور آپ پہلو کے بل زمین پر گر گئے اسے میں ایک شخص بنی ابان ابن دارم کا آیا اور آپ کا  
سر کاٹ لیا (ابصار العین ص ۳۴۔ مجالس المتقین ص ۴۷ طبری ج ۶ ص ۲۵۷ بحار الانوار ج ۱)

ص ۲۲۳ ناخ التوار یک ج ۶ ص ۲۲۸) صاحب مہج الاخران ص ۱۶۰ میں لکھتے ہیں کہ چلہ کمان سے چھوٹا ہوا تیز جین مبارک پر لگا اور آپ زمین پر تشریف لائے۔

جناب عثمان پر امام معصوم کا سلام:

”السلام علی عثمان ابن امیر المومنین سمی عثمان ابن مظعون لعن اللہ رامیہ بالسہم خولی ابن الیزید الاصبیحی الایادی الدارمی“ جناب عثمان ابن مظعون کے ہنام جناب عثمان بن امیر المومنین پر سلام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تیرے شہید کرنے والے خولی ابن یزید اگلی ایادی دارمی پر لعنت کرے۔ (شفاء الصدور شرح زیارت عاشور ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

## حضرت عباس کے تیسرے بھائی جعفر بن علی

جناب جعفر بن علی حضرت عباس علیہ السلام کے تیسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عثمان سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ آپ کی کنیت بقول صاحب ناخ التوار ابن ابوعبداللہ تھی۔ آپ کی عمر کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں:

ولید بعد اخیہ عثمان بنحوسنتین	والمہ فاطمة ام البنین وبقی مع اخیہ
نحوستین و مع اخیہ الحسن	نحوستین و مع اخیہ
نحوستین و مع اخیہ	الحسین نحر احدی و عشرین سنة
وذلك مدة عمره (ابصار العین	

آپ اپنے بھائی عثمان کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی جناب ام البنین تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ دو سال اور بھائی حسن کے ساتھ بارہ سال اور امام حسین کے ساتھ اکیس سال زندگی بسر کی۔ اور یہی آپ کی مدت عمر ہے۔

ص ۳۵ انوار الحسینیہ ص ۶۸

علامہ شیخ محمد بن کمال الدین شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے بھائی جناب جعفر طیار تھے جنہیں حضرت علی بے حد چاہتے تھے۔ آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جناب جعفر طیار کے نام سے آپ کو واسطہ دیتا تھا تو آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ ”اذاسئل بحق جعفر سکین“ (ملاحظہ ہو مطالب السؤل ص ۱۱۷) علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ جب جنگ موتہ میں جعفر طیار شہید ہوئے تھے تو حضرت علی نے فرمایا تھا۔ ”الان انکسر ظہری“ بھیا اب میری کمر لٹ گئی ہے (انوار الشہادت ص ۳۹) صاحب البصار العین علامہ ساوی لکھتے ہیں ”روی ان امیر المومنین سماہ اخیہ جعفر لخبہ ایاه ص ۳۵“ حضرت علی نے اپنے فرزند جعفر کا نام اس لئے جعفر رکھا

تھاتا کہ جعفر طیار کی یاد تازہ رہے۔

## آپ کی میدان کی طرف رہروی اور جانبازی:

آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ آپ کو یونہی حوصلہ جنگ تھا۔ پھر حضرت عباس نے باپ کی وصیت یاد دلا کر ہمت افزائی کر کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے ”فتقدم وشد علی الاعضاء يضرب فيهم بسيفه“ کہ آپ نے میدان جنگ میں جا کر دشمن پر حملہ آوری کی۔ اور تلوار سے انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور یہ رجز پڑھا

انسی انسا الجعفر ذو المعالی ابن علی خیرۃ النوالی  
حسبی بعمی شرفا و خالی احمی حسینا ذی النداء المفضل

ترجمہ: میں بلندی کا بادشاہ جعفر ہوں۔ اور حضرت علی کا فرزند ہوں جو بڑے جو دو کرم والے تھے۔ میرے چچا اور ماموں کی شرافت حسب و نسب میری شرافت کے شاہد اعظم ہیں۔ میں ایسے حسین کی مدد کر رہا ہوں جو بڑے بخشش کرنے والے ہیں۔ (تھہ حسینہ ج ۱ ص ۱۶۲) البصائر العین ص ۳۵، بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳، ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۶۸، جواہر الايقان ص ۲۰۲، مدحہ ساکبہ ص ۳۳۶

## آپ کی شہادت:

آپ کمال دلیری اور بہادری کے ساتھ جنگ آزما تھے۔ کنا گاہ ”شد علیہ ہانی ابن ثبیت الحضرمی الذی قتل اخاه فقتله“ آپ پر ہانی ابن ثبیت حضرمی نے وار کیا اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (البصائر العین ص ۳۵، مقتل ابی مخنف طبع ایران)

جناب جعفر پر امام معصوم کا سلام:

”السلام علی جعفر بن امیر المومنین الصابر بنفسه محتسبا و النائی عن الاوطان - غتربا المستسلم المستقدم للنزال المکثور بالرجال لعن اللہ قتالہ ہانی بن ثبیت الحضرمی“ جعفر ابن امیر المومنین پر سلام ہو۔ جو اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں بڑے صابر تھے۔ اور غربت کی حالت میں وطن سے نکالے ہوئے تھے۔ جو جنگ آزمائی کے لئے دل و جان سے تیار تھے۔ جو میدان کارزار میں بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والے تھے۔ جنہیں لوگوں نے اپنی کثرت سے مغلوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی

پر لعنت کرے (شفاء الصدور شرح زیارت عاشور ص ۱۱۱ طبع بمبئی)

## مورخ طبری کی تنگ نظری

حضرت عباس کی وفاداری کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے۔ کہ آپ نے اسلام کی حمایت کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ نہ میں خود باقی رہوں گا۔ اور نہ اپنے کسی بھائی اور بیٹے کو زندہ رہنے دوں گا۔ یہ انہوں نے کیوں کیا۔ صرف اس لئے کہ وہ موقع آشنا تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ آج اسی کا محل ہے۔ تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ آپ نے اپنے حقیقی بھائیوں کو جن کے نام عبد اللہ، عثمان، جعفر ہیں۔ مخاطب کر کے اس وقت کہا۔ جبکہ امام حسینؑ پر تمام اصحاب اپنی جانیں قربان کر چکے تھے۔ اور اہل بیت میں سے بھی اکثر ہستیاں قربان گاہ اسلام پر جھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ ”پیش بیا سید و قدم بمیدان جدال و مقاتلہ بگوارید تا اینکه مشاہدہ کنم و بدینم شمارا کہ یاری کردہ باشند در راه خدا رسول ﷺ آں۔ پس در بلغ نہ کنید در جاں دادن۔ بہ تحقیق برائے شما اولاد و عقب نیست۔ تا غم آنہارا بنجورید“ اے میرے حقیقی بھائیو! میرے قریب آؤ۔ اور میری بات سنو۔ وہ یہ ہے کہ اب وہ وقت ہے۔ کہ تم بھی اب میدان قتال میں قدم جدال رکھ دو۔ اور اس طرح جنگ کرو۔ کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی راہ میں اپنی جان عزیز قربان کر دی ہے۔ دیکھو۔ آج کے دن جان دینے میں دربلغ کرنے کا محل نہیں ہے۔ دلیری سے جان دے دو۔ ارے میرے بھائیو۔ میری طرح تمہارے تو اولاد بھی نہیں ہے۔ جس کا تمہیں غم ہو سکے۔ لہذا عجلت کرو۔ اور شرف شہادت حاصل کر کے بارگاہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ میں سرخ رو ہو جاؤ۔ (جو اہر الا یقان در بندی ص ۲۰۲ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳ وغیرہ)

آپ کے بہادر بھائی جو پہلے ہی سے جنگ کے لئے تیار تھے۔ میدان قتال کی طرف چل پڑے۔ اور سب سے پہلے جس نے قدم اٹھایا۔ وہ آپ کے بھائی عبد اللہ تھے۔ آپ نے اپنے ہر بھائی کو میدان قتال میں بھیجتے وقت فردا فردا یہی فرمایا تھا۔ کہ ”تقدم یا اخی حتی ادرک قتیلًا واحتسبک فانه لا ولد لک“ میرے عزیز بھائی! میدان میں جا کر اس طرح لڑو۔ کہ میں تمہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں (انوار الحسینیہ ص ۶۸) چنانچہ آپ کے برادران خوش اعتقاد میدان میں جا کر اسلام پر قربان ہو گئے۔ (البصار العین ص ۳۵)

علماء اور مؤرخین نے اس امر کی وضاحت میں کہ حضرت عباس نے اپنے سے اپنے بھائیوں کو جنگ گاہ میں بھیجے پر مقدم کیوں کیا۔ ایسی چیزیں پیش فرمائی ہیں۔ جن سے حضرت



عباس کے کمال تدبیر کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب منافع الارواح ص ۳۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ کار خیر میں عجلت کرنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان بہکا کر اس کی طرف سے رخ موڑ دے۔ علامہ برغانی مجالس المتقین کے ص ۴ پر لکھتے ہیں۔ ”حضرت عباسؓ تاکید تمامی نے نمود کہ آں برادران کو چک تر خود را پیش از خود شهید راہ حسین نمایند۔ مبادا آنکہ بعد از او شیطان وسوسہ نماید و ارفیض شہادت باز مانند آن“ حضرت عباسؓ نے بتا کہ تمام اس بات کی کوشش۔ کہ ان کے بھائی ان سے پہلے حسین پر قربان ہو جائیں۔ اس لئے فرمائی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا کر کے انہیں شرف شہادت سے باز رکھے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ کہ حضرت عباسؓ نے اپنے سے اس لئے مقدم رکھا۔ تاکہ میری شہادت ان کی نظروں کے سامنے نہ واقع ہو۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میرے مرنے سے ان کی ہمت ٹوٹ جائے۔ اور وہ شرف شہادت سے محروم رہ جائیں۔ اور امام حسینؓ کی بدنامی ہو۔ کہ ان کے لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو میدان کارزار میں نہ آئے۔ اور اپنی جان بچالی۔“

رجب سرکشن پر شاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد اپنے رسالہ ”شہید کر بلا“ طبع ۱۳۵۸ھ کے ص ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ ”حضرت عباسؓ اپنی شہادت کے لئے راستہ بنارہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ علمداری کا عہدہ جہاد کی اس وقت تک اجازت دینے پر مجبور نہ کرے گا۔ جب تک کوئی تلوار اٹھانے والا باقی رہے گا۔“ یعنی حضرت عباسؓ نے اپنے بھائیوں کو جنگ کے لئے ابھار کر اس لئے جلد سے جلد شہید کر دیا۔ تاکہ انہیں حوصلہ شہادت پورا کرنے کا موقع مل جائے۔ کیونکہ جب تک کوئی بھی باقی رہے گا۔ علمدار لشکر کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقع نہ ملے گا۔

بہر حال حضرت عباسؓ نے کمال وفاداری کے جذبہ سے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش فرمائی کہ تمام لوگ جلد سے جلد شہید ہو کر میرے لئے راستہ صاف کر دیں تاکہ میں امام حسینؓ پر قربان ہو کر اپنے والد بزرگوار حضرت علیؓ کی تمنا پوری کر دوں۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی انسان ایسا ہوگا جو حضرت عباسؓ کے اس جذبہ وفاداری کی قدر نہ کرے گا۔ لیکن ہمیں نہایت افسوس ہے کہ دنیا کے اسلام کا ایک مؤرخ علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبریؒ اپنی کج فہمی اور تعصب کی وجہ سے لکھتا ہے۔ کہ حضرت عباسؓ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ ”تقدموا حتی ارثکم فاناہ لا ولد لکم“ اے میرے بھائیو! عبد اللہ، عثمان، جعفر تم جلد سے جلد میدان جنگ میں جا کر شہید ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہاری میراث کا مالک بن جاؤں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۷ طبع مصر)

اسی کی پیروی ابو الفرج نے مقاتل الطالیین میں کی ہے وہ لکھتا ہے ”قدم اخاہ

جعفر بین یدیدہ لانہ لم یکن لہ ولد لیحوز میراثہ العباس۔“ جعفر کو شہادت کے لئے حضرت عباس نے بھیج دیا۔ تاکہ ان کی میراث کے مالک بن جائیں۔ علامہ عبد الرزاق مولوی کتاب ”قمر بنی ہاشم“ طبع نجف اشرف کے ص ۵۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ان دونوں مؤرخین نے عجیب و غریب بات کہی ہے۔ کہ حضرت عباس کی شخصیت اور کجا بھائیوں کی میراث۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ ان دونوں مؤرخوں نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ حضرت عباس اپنے بھائیوں کی میراث لینے کا خیال رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ تو معمولی آدمی بھی جانتا ہے۔ کہ ماں کی موجودگی میں بھائی کو بھائی کی میراث میں سے کچھ نہیں ملا کرتا۔ کیا وہ حضرت عباس جو آغوش امامت میں پرورش پا چکے تھے۔ اور جن کا علمی پایہ بے انتہا بلند ہے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شرعاً مجھے ان کی میراث کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور پھر ایسے موقع پر جب کہ وہ جانتے تھے۔ کہ اب چند منٹوں میں میں بھی درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں گا۔ اور یہ سوچنے کی بات ہے۔ کہ کوئی شخص بھی کسی کو اس طرح مرنے کے لئے نہیں ابھارا کرتا۔ کہ تم جاؤ، قتل ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہاری میراث کا وارث بن جاؤں۔ چہ جائیکہ حضرت عباس جو جامعہ نبوت کے تعلیم یافتہ اور مدرسہ امامت میں پڑھے ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے باپ اور بھائی کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اور ان سے معارف سیکھے تھے۔ یہ باور کرنا چاہئے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجنے میں اس لئے جلدی کی تھی۔ تاکہ امام حسین پر یہ ثابت کر دیں۔ کہ میرے بھائی آپ سے کس درجہ انس رکھتے ہیں۔ اور کس طرح آپ پر قربان ہونے کو بے چین ہیں اسی لئے آپ نے فرمایا تھا۔ ”تقدموا حتی ارلکم قد نصحتم للہ ورسولہ الخ“ میدان میں میرے سامنے جاؤ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی راہ میں قربان ہو گئے۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ جلد سے جلد اجر شہادت حاصل کر لیں۔ ابو حنیفہ دنیوری لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا ”تقدموا بنفسی اتتم و حاموا عن سیدکم حتی تموتوا و نہ فیقدموا“ میرے بھائیو! میں تم پر فدا ہوں۔ اپنے سردار امام حسین کی حمایت کے لئے نکل پڑو۔ اور ان کے سامنے جان دے دو۔ یہ سن کر سب کے سب میدان میں گئے۔ اور اپنے کو قربان کر دیا۔

میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے میراث کا حوالہ دیا ہے انہیں لفظ ”لا و لدلکم“ سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ موقع گفتگو پر نظر کرنے کے بعد یہ دھوکا ہونا نہیں چاہئے تھا۔ اور اس سے سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ تمام مؤرخین نے جو یہ سمجھا ہے کہ ”برائے شام عقب واولاد نیست تا غم آنہارا نجوید“ یہی درست ہے۔ اس کے علاوہ علامہ عبدالحسین علی نے یہ احتمال کیا ہے کہ شاید ”ارزحکم“ کے بجائے ”ارزحکم“ غلطی

سے لکھا گیا ہو اور علامہ شیخ آغا بزرگ نے یہ احتمال ظاہر فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ میں ”ارثکیم“ کے بجائے ”ارکیم“ غلطی سے آ گیا ہو۔ یعنی احتمال اول کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا کہ تم مرنے کے لئے جاؤ۔ تاکہ میں تمہارا غم برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں۔ اور احتمال ثانی کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم مرنے کے لئے جاؤ تاکہ میں تم پر نوحہ و ماتم کروں اور تمہارا مرثیہ کہوں۔ یعنی تم پر رونے کا حق ادا کروں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد تو ہے نہیں جو تمہارا غم منائے گی۔ (التقدیر یہ ج ۱ ص ۹۹ الذریعہ الی تصانیف الشیخ)

## فرزندانِ حضرت عباس کی جانبازی اور شہادت

مشہور جہاں میں ہیں وفادار علمدار      فرزند وفادار کے ہوتے ہیں وفادار

حضرت عباس علیہ السلام جو وفاداری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ رزمگاہِ بلا میں اپنے بھائیوں کو بھیجے اور ان کے جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد اپنے دونوں فرزندوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو کربلا میں موجود تھے۔ اور ان سے کہا۔ اے میرے نور چشمو! آج سرخرو ہونے کا دن ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آج بڑی بڑی ہستیاں حملاتِ اسلام میں آغوشِ موت سے ہمکنار ہو گئیں۔ اور اب وہ وقت دور نہیں کہ میں بھی فرزندِ رسول پر قربان ہو کر حیاتِ ابدی حاصل کروں گا۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی بارگاہ میں نہایت ہی سرخرو پہنچوں گا۔ تمہارا فریضہ ہے کہ موت کی طرف بڑھنے میں عجلت سے کام لو۔ اربابِ مقاتل لکھتے ہیں کہ آپ نے سمجھا بجھا کر اپنے ایک بیٹے جنابِ فضل کو ”ضم الی صدورہ و قبل ما بین عینیہ و قال“ سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا۔ اے میرے نورِ نظر۔ تیری جدائی میرے لئے انتہائی شاق ہے۔ لیکن کیا کروں۔ کہ حسین کے مقابلہ میں میں تیری کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔ اور تیری قربانی ضروری سمجھ کر اپنے دل سے تجھے جدا کر رہا ہوں۔ بیٹا اللہ حافظ میدان میں جاؤ۔ اور فرزندِ رسول پر اسلام کے نام پر قربان ہو جاؤ۔ یہ سن کر جنابِ فضل ابنِ عباس ماں سے رخصت ہونے کے لئے خیمے کے اندر گئے۔ اور مل جل کر فوراً ہار آئے۔ اور حاضر خدمت حسینی ہو کر عرض کی ”اٹذن لسی یا عمامہ بالبراز فقال له ابوہ ببارک اللہ فیک“ چچا جان مجھے بھی جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ جواب ملا۔ بیٹا جاؤ۔ اللہ حافظ اجازت پاتے ہی آپ روانہ میدانِ کارزار ہو گئے۔

تینیں ٹھنچی ہوئی تھیں عدو کی سپاہ میں      غل اقتلوا الحسین کا تھارِ زمگاہ میں

حضرت عباس کا یہ نورِ نظر میدان میں پہنچا اور کمالِ جانبازی اور جوشِ شجاعت سے یہ بڑبڑ پڑھا۔

**رجز:** اقسمت لو کتتم لنا اعدادا و مثلکم و کتتم فرادی  
اللہ کی قسم تم (میرے خون بہانے کے لئے) اتنے ہو یا اور زیادہ ہو یا اکیلے ہو (میرے  
لئے سب برابر ہے۔

یا اشر جیل سکنا البلادا و شر قوم اظہروا الفساد  
اے اس زمین پر بدترین قیام کرنے والو۔ اور اے فساد کی آگ بھڑکانے والی شری قومو  
مستترک جمعکم شرادا و نرمی الرؤس عن الاجساد  
(یاد رکھو) کہ میں عنقریب تمہاری ساری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دوں گا اور سروں کو تن  
سے بے تکلف جدا کر دوں گا۔

رجز کے الفاظ ختم ہوتے ہی آپ نے دشمنوں پر دل ہلا دینے والے حملے شروع کر  
دیے۔ ”ولم یزل یقاتل حتی قبل منهم مائتین و خمسمین فارساً“ اور تھوڑی دیر میں ۲۵۰  
دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلمانوں نے قتل کیا۔ کہ فرزند عباس کمال جافشانی سے اپنی جانبازی  
کے مظاہرے کر رہے تھے۔ اور دشمن کی ساری فوج تباہ ہوئی جا رہی تھی۔ کہ ناگاہ ایک شخص عظیم  
الخلق جو کنارے کھڑا ہوا تمام ماجرا دیکھ رہا تھا۔ عقاب شکستہ بازو کی طرح ابن عباس پر یہ کہتا ہوا  
حملہ آور ہوا۔ کہ ”واللہ لا قتلن هذا الغلام فانی اراہ شجاعاً“ اللہ تعالیٰ کی قسم اے میں قتل  
کر دوں گا۔ یہ تو بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا۔ ”الم تعلم قربتہ من  
رسول اللہ“ ارے تو جسے قتل کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رسول اللہ ﷺ سے قربت  
بھی جانتا ہے؟ ”فلن یلتفت“ لیکن اس نے میری بات پر بالکل کان نہ دھرا۔ اور فرزند عباس بن  
علی پر ایسی حالت میں جبکہ وہ مشغول جنگ تھے۔ ”فضر بہ ضرۃ عظیمۃ“ ایسی ضرب کاری  
لگائی کہ ”ینخو فی دمه“ آپ اپنے خون میں لوٹنے لگے۔ اور آواز دی۔ ”یا عماہ ادرکنی“  
چچا جان۔ خبر لیجئے۔ امام حسین فوراً دوڑ کر میدان میں پہنچے۔ اور دیکھا کہ آپ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔  
یہاں تک کہ آپ کی روح راہی جنت ہو گئی۔ ”فبکی الحسین“ یہ دیکھ کر امام حسین رو پڑے اور  
کہا۔ اے میرے بیٹے تیری موت سے بے انتہا صدمہ پہنچا۔ ”ثم حملہ و وضعہ بین  
القتلا“ پھر ان کی لاش اٹھا کر لائے اور گنج شہید اہل میں پہنچا کر واپس آ گئے۔

بعض ارباب مقاتل نے یوم عاشورا شہید ہونے والوں میں ”محمد بن عباس“ کی شہادت کا حوالہ دیا۔ ہے لیکن میری نظر  
میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ علامہ ابن شہر آشوب نے قتال کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے علامہ شیخ مفید اور دیگر ان کے جیسے علماء  
نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ (۳) زیارت ناجیہ نیز تواریخ و انساب میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عباس کے  
فرزندوں میں سے کسی ایک کا دوسرا نام محمد رہا ہو۔ اور اسی نام سے شہادت کا حوالہ دیا گیا ہو۔ ۱۲۰ھ

”فلما نظر القاسم قال يعز علي فراقك“ جب آپ کے حقیقی بھائی قاسم ابن عباس علمدار نے بھائی کی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تو بے چین ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اب اے بھائی۔ تمہاری موت کے بعد میری زندگی حرام ہے۔ یہ کہہ آپ میدان کارزار کی طرف چلے۔ امام ابواسحاق اسفرائی فرماتے ہیں ”وله من العمر تسعة عشر سنة“ کہ آپ جبکہ میدان کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ کی عمر ۱۹ سال کی ہے۔ غرض کہ آپ رزمگاہ کی طرف روانہ ہو کر میدان میں پہنچے۔ اور رجز کے یہ اشعار پڑھے۔

رجز: اليك من بنى المختار ضرباً شيب لهول الطفل الرضيع  
میں تم پر بنی مختار کے صدقہ میں ایسا حملہ کروں گا۔ کہ تمہارا دودھ پیتا بچہ بھی خوف اور ہول کی وجہ سے بڑھا ہو جائے گا۔

الا يا معشر الكفار جمعا بكل منهم خضب قطع  
اے سارے کفارو! سنو! میں تم میں سے ہر ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اس کے بعد پیہم حملے کرتے رہے۔ ”حتی قتل منهم ثمان مائة“ یہاں تک کہ آٹھ سو دشمنوں کو قتل کیا۔ بھوک اور پیاس۔ پھر دشمنوں کی شدت نے دبی ہوئی پیاس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ آپ فوراً خدمت امام حسین میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ بچا جان میری آنکھیں پیاس سے جھنس گئی ہیں۔ ”ادر کنی بشرية من ماء“ مجھے تھوڑا سا پانی عنایت فرمائیں تاکہ میں دشمنوں سے لڑنے کے پھر قابل ہو جاؤں۔ یہ سن کر مجبور امام نے فرمایا۔ بیٹا، تھوڑی دیر اور صبر کرو تمہیں تمہارے جدناں حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ایسے جام سے سیراب کریں گے۔ کہ پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ یہ سن کر قاسم ابن عباس پھر میدان کارزار کی طرف واپس گئے۔ اور دشمنوں میں حملہ کیا۔ اس حملہ میں آپ نے ”قتل منهم عشرين فارسا“ ۲۰ سواروں کو قتل کیا۔ ”ثم استشهد“ اور شہید ہو گئے امام حسین کو اطلاع ملی۔ آپ میدان کی طرف تشریف لے گئے۔ دشمنوں نے قریب پہنچنے سے مزاحمت کی آپ نے حملہ کیا۔ اور چار سو دشمنوں کو قتل کر کے ”حملہ و وضعه بين القتلا“ آپ ان کی لاش اٹھا لائے۔ اور گنج شہیدان میں داخل کر دیا۔ ملاحظہ ہو نور العین فی مشہد الحسین۔ امام الفرائسی ص ۶۲۔ ۶۱ طبع ۱۲۹۲ھ مائین ص ۳۷۔ خلاصۃ المصاب ص ۱۰۲ طبع لکھنؤ ۱۲۹۳ھ چہل مجلس ص ۳۷۱ طبع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ توضیح عز ۱ ص ۲۲۰

## جناب قاسم ابن الحسن کی روانگی اور ازرق شامی کا حضرت عباس کے متعلق سوال

حضرت عباس کے بھائیوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد حضرت قاسم ابن الحسن چچا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر دراز ہوئے۔ چچا جان۔ مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا بیٹا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عرض کی چچا جان پھر کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں زندہ موجود رہوں۔ ارشاد ہوا۔ ”یا ولدی اتمشی بر جلتک الی الموت“ کیا بیٹے۔ اپنے پیروں سے موت کی طرف جانا چاہتا ہے۔ عرض کی حضور بے شک جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا جاؤ۔ اللہ حافظ ہے۔ پھر آپ نے انہیں سینے سے لگایا۔ اور روانہ کر دیا۔ آپ نے کسی کے باوجود میدان میں جا کر شاندار نبرد آزمائی کی۔ اور بڑے بڑے بہادروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ آپ کے میدان میں جینچنے کے بعد ازرق شامی سے کہا گیا۔ جو ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کہ تو قاسم ابن الحسن کے مقابلہ میں جا کر جنگ کر۔ اس نے کہا کہ عباس ابن علی کہاں ہیں۔ جب وہ آئیں۔ تو مجھے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا جائے۔ یہ تو چند سالوں کا لڑکا ہے۔ میں اس کے مقابلہ میں جانا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ الغرض جب آپ نے ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں پچاس سواروں کو قتل کیا۔ تو ازرق شامی مقابلہ میں آ گیا۔ آپ نے فرمایا او ازرق مجھے لڑکانہ سمجھ۔ میں اس کا پوتا ہوں۔

جس نے گہوارہ میں چیرا اژدر نام طفلی ہی میں پایا حیدر

الغرض ازرق شامی سے تھوڑی دیر جنگی جھڑپ ہوتی رہی۔ اس کے بعد

بولے قاسم او اسلام کے ننگ ختم کرتا ہوں اب دیکھ میں جنگ

تیرے گھوڑے کا ڈھیلا ہوا ننگ

دیکھنے جو لگا جھک کے غدار بڑھ کے قاسم نے ایسا کیا دار

کٹ کے سر جا پڑا سوئے کفار

اس ملعون کے سر کا کٹنا تھا۔ کہ لشکر میں پھیل مچ گئی۔ دشمنوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور آپ کے طرفداروں نے ہمت افزائی کرنی شروع کی۔

بولے عباس شہابش بیٹا کفر کا نام دنیا سے مٹا

اس کے بعد قاسم پیاس سے بے چین ہو کر خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور حضرت

امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ چچا جان! ”ادرسنی بشربة من الماء“ مجھے تھوڑا

پانی عنایت فرمائیے۔ ”فصبرہ الحسین واعطاءہ خاتمہ“ امام حسین نے صبر کی تلقین فرمائی۔ اور اپنی انگلی ان کے منہ میں دے کر فرمایا۔ جاؤ بیٹا۔ اللہ حافظ۔ آپ میدان میں پھر تشریف لائے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تیر برسائے نیزے لگائے، پینتیس تیر جسم میں چھپے اور شیبہ ابن سعد شامی نے ایک ایسا نیزہ پشت کی جانب سے لگایا۔ جو سینے کے پار ہو گیا۔ اور آپ زمین پر تشریف لائے۔ اور خون میں تر پنے لگے۔ امام حسین کو آواز دی۔ اور ان کے پیچھے سے پہلے زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیے گئے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۵۔ تاریخ احمدی ص ۲۸۶ بحوالہ تاریخ کامل، مقتل ابی جحف ص ۱۰۲، شہید اعظم ص ۱۹۸ طبع دہلی۔ شاہ شیراب ص ۸۱ طبع لاہور)

### حضرت عباس اور جناب علی اکبر میں سبقت شہادت کے لئے گفتگو

حضرت قاسم ابن الحسن کی شہادت کے بعد حضرت عباس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد مانگنے لگے۔ بعض روایات میں ہے۔ ”انہ لما قتل قاسم ابن الحسن علیہ السلام وراثی العباس ذالک وان وحن والی لقاء ربہ اشتاق“ کہ جب حضرت قاسم بن الحسن درجہ شہادت پر فائز ہو چکے۔ اور بدن نازنین اس ماہ جبین کا پامال سم اسپاں ہو چکا۔ اور عباس بن علی نے اس مصیبت عظیم کو چشم خود ملاحظہ کیا۔ بے انتہا روئے۔ اور آہ سرد دل پر درد سے کھینچ کر آمادہ شہادت ہوئے۔ ”فحمل الراية وقال لاخيه الحسين يا بن رسول الله هل من رخصة فيكي الحسين وقال له يا اخي كيف اذن لك وانت حاصل لوائی وملائة من عسکری“ اور علم سعادت شیم لے کر حاضر خدمت حسین ہوئے۔ اور عرض کی۔ مولانا! اب مجھے مرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ امام حسین نے جواب دیا۔ اے عباس میں تمہیں کیونکر اجازت دوں۔ تم تو میرے علمبردار اور میرے لشکر کی جان ہو۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ میرے سردار اب بہت دل تنگ ہو چکا ہوں۔ اب میں قربان ہی ہو جانا چاہتا ہوں۔ ابھی دونوں بھائیوں میں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام آ گئے۔ روایت میں ہے ”لما قتل اصحاب الحسين کلهم ولم يبق منهم غير العباس و علی ابن الحسين“ کہ جب امام حسین کے تمام اعزہ و اقربا شہید ہو چکے اور حضرت عباس اور علی اکبر کے سوا کوئی بانی نہ رہا۔ تو حضرت عباس اجازت جہاد لینے کے لئے حاضر ہوئے۔ جناب علی اکبر نے عرض کی۔ چچا جان! یہ نہیں ہو سکتا آپ میرے پدر بزرگوار کے قوت بازو اور علمدار لشکر ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ مجھ سے پہلے شہید ہو جائیں۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ آقا زادے۔ یہ درست ہے۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میں تمہارا داغ اٹھاؤں۔ اب تو یہی

بہتر سمجھتا ہوں۔ کہ میں جام شہادت سے سیراب ہو کر بابا جان کی خدمت میں سرخرو پہنچوں۔ علمدار لشکر اور شبیہ پیغمبر کی گفتگو حضرت امام حسین سن رہے ہیں۔ اور خاموش کھڑے آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں۔ کہ ناگاہ حضرت عباس آگے بڑھے۔ اور کمال منت و سماجت سے رخصت چاہی۔ حضرت نے علی اکبر سے کہا۔ بیٹا اب چچا کو ناراض نہ کرو۔ اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ”یا اخی قد کظنی العطش“ بھیا بیاس مارے ڈالتی ہے۔ اور بچوں کے جگر کباب ہو گئے ہیں تم سب سے پہلے پانی لاؤ۔ ”فر کض العباس الی خیم النساء فتناول منها القرية“ حضرت عباس خیمہ اہل حرم کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک مشکیزہ لے کر نہر فرات کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مؤرخین کا بیان ہے۔ ”فر کب فوسه واخذ رحمة والقرية وقصد نحو الفرات“ حضرت عباس مشک و علم لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ بحار الانوار ج ۱۱ تاریخ التواتر ج ۶ مقتل ابی محنف۔ ارشاد مفید۔ خلاصۃ المصاب ص ۱۰۶ توضیح ص ۲۲۲ طبع لکھنؤ)

## حضرت عباس کی جانبازی اور شہادت

یہاں سے بچوں کے لئے بھی تھے بڑی آس عباس  
خالی کوزے لئے کہتے تھے کہ ”عباس عباس“

(منظر بہاری)

الارشاد والعزات ترجمہ المواعظ والبرکات ص ۱۲۳ میں ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی امام حسین علیہ السلام کے خاص خاص مقامات کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ اور روتے تھے کبھی سرکار سید الشہداء کے سر کے مقام کو چومتے تھے اور روتے تھے۔ کبھی آپ کے شکم اطہر کو برہنہ کر کے دل کے مقام کو بہت بہت چومتے تھے اور روتے تھے۔ ان چار اعضا پر خاص طور سے بوسہ دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ کا چومنا کسی خاص اعضا سے مخصوص نہ تھا۔ امام مظلوم علیہ السلام بچے تھے۔ ابھی پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام کو حکم دیا۔ کہ حسین کو پکڑ رکھیں۔ اس وقت آپ تمام جسم کو چوم رہے تھے اور رورہے تھے۔ لوگوں نے عرض کی۔ آپ چومتے اور روتے کیوں ہیں۔ فرمایا ”اقبل مواضع السیوف“ میں تلوار کے ضربات کے مقامات کو چوم رہا ہوں۔ الخ کتاب قبر بنی ہاشم فارسی ص ۲۱ میں ہے۔ کہ ایک دن جناب ام البنین نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنے زانو پر حضرت عباس کو بٹھائے ہوئے ان کے ہاتھ اور کلائیوں کو بوسہ دے رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ روتے جا رہے ہیں۔ ام البنین نے یہ نرمالی



حالت دیکھ کر حضرت علی سے پوچھا۔ کہ حضور میں نے کسی باپ کو اپنے بیٹے سے اس طرح پیار کرتے نہیں دیکھا۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اور اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت علی نے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے حالات پر روشنی ڈال دی۔ اور کہا۔ ام البنین، نصرت حسین میں ان کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ یہ سننا تھا۔ کہ ام البنین چیخ مار کر روئیں۔ اور ان کے ساتھ وہ سب لوگ رونے لگے جو گھر میں موجود تھے۔ پھر حضرت علی نے کہا۔ اے ام البنین تم کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ عباس کے اس عمل مواسات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں بڑا درجہ دے گا۔ اے ام البنین انہیں خدا دونوں ہاتھوں کے عوض ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کے لئے اسی طرح دو پر دے گا۔ جس طرح جعفر طیار شہید موت کے لئے عطا ہوئے ہیں۔

دراصل یہ دونوں بزرگوں کی عملی پیشین گوئیاں اپنے بیٹوں کے بارے میں بچے خواب کی تعبیریں بن کر کربلا کے چٹیل میدان میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ عاشورہ کا دن ہے۔ آج امام حسین کا جسم تیروں، تلواروں اور نیزوں کی نذر ہو گا۔ اور حضرت عباس کا جسم بھی تیروں، تلواروں اور نیزوں کی مہمان نوازی کرے گا۔ اب دن ڈھلنے کے قریب ہے۔ حضرت عباس بن علی علمدار کربلا۔ اصحاب حسین، اعزہ و اقرباء اور اپنے بھائیوں، بیٹوں وغیرہم کی شہادت سے حد درجہ متاثر ہو کر سید الشہداء کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ لیجئے۔ آپ آگئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں دست بستہ عرض پرواز ہیں۔ ”یا اخی ہل من رخصۃ“ اے میرے سید سردار برادر نامدار۔ کیا مجھے اجازت ہے۔ کہ میں میدان میں جا کر آپ پر سے قربان ہو جاؤں۔ ”فبکی الحسین بکاء شدیداً“ یہ سن کر حضرت امام حسین صبر کی منزل کمال پر فائز ہونے کے باوجود رو پڑے اور فرمایا۔ اے میرے برادر، بچان برابر ”انت صاحب لوائی و اذا مضیت تفکرق عسکری“ تم میرے لشکر کے علمبردار ہو۔ اگر تم ہم سے چلے گئے تو ہمارا سارا لشکر ختم ہو جائے گا۔ حضرت عباس نے دست بستہ عرض کی۔ حضور یہ سب سچ ہے۔ لیکن کیا کروں۔ ”لقد ضاق صدري و سمنت من الحیوة“ اب اس دنیا اور زندگی دنیا سے دل بہت ہی تنگ ہو گیا ہے۔ اب تو صرف یہی جی چاہتا ہے کہ ان دشمنان اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے جو انان بنی ہاشم اور اصحاب باصفا کے خون کا بدلہ لے کر آپ پر سے قربان ہو جاؤں۔ صاحب ناخ لکھتے کہ حصول اذن میں حضرت عباس نے امام حسین کی بڑی خوشامدی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے بھائی اگر اب تم ہم سے جدا ہی ہونا چاہتے ہو تو ”فاطلب لہواء لاء الاطفال قليلاً من الماء“ ان دل چلے رسول اللہ ﷺ اسلام کے بچوں کی خاطر ایک دفعہ پانی کی پھر سعی

کرو۔ حضرت عباس مشک و علم لے کر سمعاً و طاعاً کہتے ہوئے دشمنان اسلام کی طرف جانٹکے اور ان سے حصول آب کی ہر ممکن سعی کی۔ آپ نے وعظ بھی فرمایا اور انہیں ڈرایا بھی۔ مگر (ع) ”نزد و میخ آہنی در سنگ“ پتھر میں چونک نہ لگی۔ اور سنگ دل نہ پیچھے۔ جب آپ وعظ و موعظہ فرما کر مایوس واپس آئے۔ تو حضرت امام حسین نے فرمایا۔ کہ بھیا۔ اب اتمام حجت کے لئے میرا آخری پیغام اس لشکر بے ہنگام تک پہنچا دو (دعہ سا کہہ ص ۳۳۷۔ بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳۔ تاریخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۰ البصار العین ص ۳۶)

### حضرت عباس کے ذریعہ سے امام حسین کا آخری پیغام:

امام حسین کے حسب الحکم حضرت عباس علیہ السلام پھر میدان قتال کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر روایت زہیر ”فسادی با علسی صوتہ کسانہ صوت امیر المومنین“ آپ نے حضرت علی کی آواز سے دشمنوں کو پکار کر کہا۔ کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام نے میرے ذریعہ سے اتمام حجت کے لئے یہ آخری پیغام بھیجا ہے۔ اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو منہ دکھانا ہے۔ دیکھو وہ فرماتے ہیں۔ ”دعونی اخرج الی طرف الروم او الهند و اخلی لکم الحجاز و العراق“ مجھے چھوڑ دو میں تمہارے حدود مملکت سے نکل کر روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں اور تمہارے پھیلنے کے لئے حجاز اور عراق کو ہمیشہ کے لئے خالی کر دوں گا۔ آقائے در بندی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ”عہدے نمایم کہ در روز قیامت محاصمہ کلمہ نزد خدائے تعالیٰ“ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم سے تعارض نہ کروں گا۔ (جواہر الایقان ص ۲۰۴ و مجمع الاخران ص ۱۲۳ و فخرن البرکاء مجلس ۸ تحفہ حسینیہ ص ۷۸۷ معراج الشہادت ص ۱۱)

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت عباس علمدار میدان جنگ میں پہنچے۔ تو انہوں نے گھوڑے کو روک لیا۔ اور دشمنوں سے مخاطبہ کر کے کہا۔ کہ اے قوم۔ فرزند رسول اللہ ﷺ فرماتا ہے۔ کہ میرے بھائیوں اور بوا خواہوں کو تم نے قتل کر ڈالا۔ اب کم از کم تم اتنا کرو۔ کہ ہم کو تھوڑا پانی دے دو۔ تاکہ بچے اور عورتیں شدت تشنگی سے ہلاک نہ ہوں۔ اور اگر پانی بھی نہ دو۔ تو راستہ دے دو۔ کہ اپنے پسماندگان کو لے کر بلا دروم یا ہند کی طرف چلا جاؤں۔ حضرت عباس کا یہ پردر دکلام سن کر بعض تو خاموش رہے۔ اور اکثر زار زار رونے لگے۔ لیکن شرابین ذی الجوشن اور شیث ابن ربیع نے سامنے آ کر کہا۔ کہ اے علی کے بیٹے جا کر اپنے بھائی سے کہو۔ کہ اگر

تمام روئے زمین پانی ہو کر ہمارے تصرف میں آجائے تب بھی ہم اس میں سے ایک قطرہ تم کو اس وقت تک نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ حضرت عباس دشمنوں پر نفرین کرتے ہوئے واپس آئے۔ اور جو کچھ شمر وغیرہ نے کہا تھا۔ اس کو انہوں نے امام حسین کی خدمت میں عرض کیا۔ امام حسین نے فرط غم سے اپنا سر جھکا لیا (تاریخ احمدی ص ۲۸۸)

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اسی قسم کے اہم واقعات سے متاثر ہو کر امام حسین نے فرمایا تھا ”اللہم سلط علیہم غلام ثقیف یسقیہم کاسا مضبوۃ“ خدایا۔ ان پر نبی ثقیف کے ایک شخص (مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی) کو مسلط کر کہ وہ ہمارا بدلہ لیتے ہوئے انہیں تلخ جام پلائے۔ (الدرع الجہون ترجمہ جلاء العیون ج ۲ ص ۴۶۹ باب ۵ فصل ۱۴ طبع ایران و دمعہ ساکبہ ص ۳۲۸ بحوالہ بحار الانوار)

علامہ کنزوری لکھتے ہیں کہ حضرت کی دعا خالی نہ گئی۔ اور مختار نے تھوڑے ہی عرصہ میں شہدائے کربلا کا اپنی بساط بھر بدلہ لیا۔ اور آپ کے ساتھ ان لوگوں نے بھی خریضہ حمایت ادا کر لیا۔ جو علالت کی وجہ سے حاضر کر بلا نہ ہو سکے تھے۔ جیسے محمد حنیفہ۔ انہوں نے واقعہ شہادت کے بعد مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر جنگل بسا لیا تھا۔ جب مختار نے خروج کیا۔ تو یہ ان کے ساتھ نمودار ہوئے۔ (ماہنامہ ص ۸۰۳)

### حضرت عباس اور امام حسین کا ایک ساتھ میدان میں جانا:

الغرض حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین کے پیغام کا جواب سنایا اور آپ انتہائی رنج کی وجہ سے سر جھکا کر خاموش کھڑے ہوئے تھے اور حضرت عباس آپ کے سامنے تھے۔ کہ ناگاہ خیمہ سے العطش کی صدا بلند ہوئی۔ یہ ایسی آواز تھی۔ جس نے امام حسین اور حضرت عباس پر اتنا گہرا اثر کیا۔ کہ دونوں کے دونوں نہر فرات کی طرف دوڑ پڑے۔ مؤرخین لکھتے ہیں ”فرکب المستأمة یزید الفرات و بین یدیه اخوه العباس“ امام حسین علیہ السلام متانت یعنی اس ناقہ رسول ﷺ پر سوار ہو کر چلے جو آپ کے لئے آپ کے پاس موجود تھا (شرح ارشاد مفید ص ۳۸۵ و ناخ ج ۲ ص ۲۶۸) اور آپ کی روانگی اس طرح ہوئی کہ آپ کا جاں نثار برادر آپ کے آگے آگے تھا۔ غرض کہ امام حسین نہایت تیزی سے نہر فرات کی طرف چلے۔ ”فاعترضہ خیل ابن سعد و فیہم رجل من بنی دارم“ یہ دیکھ کر ابن سعد کا لشکر آپ کو روکنے کے لئے بڑھا۔ اس لشکر میں ایک شخص بنی دارم کا تھا۔ جس نے پکار کر کہا۔ ”لوگو! کیا دیکھتے ہو۔ پانی اور حسین کے درمیان حائل ہو جاؤ۔“ ولا تمکنوہ من

الماء“ اور انہیں پانی نہ لینے دو۔ امام حسین نے فرمایا ”اللھم اظمأہ“ خدا یا اسے پیاس کا مزہ چکھا۔ یہ سن کر اس نے ایک تیر آپ کی طرف رہا کیا۔ جو آپ کے گلوئے مبارک پر لگا۔ آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا۔ اور گلے کے نیچے چلو لگایا۔ جب وہ خون سے بھر گیا۔ تو خون کو بھی زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ پالنے والے تو دیکھتا جا۔ میرے ساتھ کیا کیا ہو رہا ہے اس کے بعد آپ واپس آئے۔ اور اب آپ کی پیاس بہت بڑھ چکی تھی

(اعلام الوری ص ۳۶ طبع ایران ولہوف ص ۳۴۵ طبع ایران۔ تاریخ ابوالفدا ج ۱ ص ۹۱ طبع مصر)

علامہ محمد باقر قاسمی خراسانی بحوالہ روضۃ الصفا لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین جس طرف حملہ کرتے تھے۔ عباس آپ کے آگے آگے حملہ آور ہوتے تھے۔

(کبریٰ ص ۹۳ طبع ایران ۱۳۳۳ھ)

## حضرت عباس کی مارواہن صدیقی سے جنگ

تیر لگنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اور حضرت عباس جو پانی لانے ہی کے قصد سے روانہ ہوئے تھے۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ دشمن اگرچہ آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی پیش قدمی نہ کی۔ آپ کشتوں کے پتے لگاتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اور آگے بڑھ کر یہ رجز پڑھا۔

نحن الفواضل نسل الها شمیات نسفک دمائکم لحدالمشتریات  
ہم نسل ہاشمی کے وہ جلیل القدر لوگ ہیں۔ جو چمکدار اور تیز تلواروں سے تمہارے خون بہانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

یا ال اللہم وابناء الراعیات یا جدنا لوترے ہذی الرزیات  
اے مینوارِ رزید اور بکریاں چرانے والیوں کی اولاد۔ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے۔  
اے جدنا مدار۔ کاش آپ ہم پر نازل ہونے والے مصائب کو ملاحظہ فرماتے۔

یا خیر عصبة قد جادات بانفسھا حتی نموت فی ارض الغاضریات  
اے بہترین گروہ جو مقامِ غازیہ ہیں اپنی جان عزیز پر کھیل گئے۔

الموت تحت ذباب السیف مکرمۃ اذا کان من بعدہ ایقان خیاق  
تلواروں کے سایہ میں موت کا آنا بڑی کرامت ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ جنت میں جانے کا یقین کامل ہو۔

لا سافن علی الدنيا ولذتها فاق جدی یغفر کل ذلات

اے مرنے والو دنیا اور لذت دنیا پر تاسف نہ کرنا کیوں گناہوں کا بخشا جانا یہ بڑی بات ہے اور ہمارے جد شفیع محشر ہیں۔

ان اشعار کے پڑھنے میں لشکر مخالف آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے شجاعت علیہ کے جوہر دکھائے۔ بڑے بڑے بہادر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ ماردا بن صدیق تعلیمی نے جو بہادری کا یہ رنگ دیکھا۔ تو جھنجھلا کر کہنے لگا۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اور تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ اے ایک بہادر سارے لشکر کو قتل کئے ڈالتا ہے۔ اگر تم اس کے اوپر ایک ایک مٹی خاک ڈالو تو یہ اسی میں دب کر اسی وقت مرجائے۔ مگر افسوس تمہاری کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اس کے بعد باآواز دہل حج کر بولا۔ ایہا الناس۔ میں کہتا ہوں کہ جس کے گلے میں بیعت یزید کا طوق ہے۔ اور جو اس کے احاطہ بیعت میں موجود ہے۔ فوراً اس لشکر سے الگ ہو جائے۔ کہ میں تن تھا اس نوجوان کے لئے کافی ہوں۔ جس نے بڑے بڑے ناموران لشکر کو فنا کر ڈالا ہے۔

جب یہ متکبرانہ آواز شمر بن ذی الجوشن کے کانوں تک پہنچی۔ تو اس نے فوراً کہا کہ اچھا تو ہی لڑ۔ ہم لوگ بٹے جاتے ہیں۔ اور جنگاہ سے اپنا قدم سر کائے لیتے ہیں۔ اور یزید کو سارے واقعہ کی خبر کیے دیتے ہیں۔ اس کے بعد شمر نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا۔ کہ وہ لوگ فوراً الگ ہو جائیں۔ یہ حکم پاتے ہی سارے لشکر والے پہلو تہی کر کے بیٹھ رہے۔ اور دور سے تماشا دیکھنے لگے۔

ماردا بن صدیق فیل مست کی طرح جھومتا ہوا۔ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف تن تھا چلا۔ اس کے بدن نجس پر آہنی زرہ اور سر پر فولادی خود تھا۔ اور ایک اسپ اشقر پر سوار تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک نہایت ہی لمبا نیزہ تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ملاحظہ فرمایا۔ کہ ماردا بن تن تھا آ رہا ہے۔ آپ فوراً اس کی طرف بڑھے۔ اور اس سے بالکل متصل ہو گئے۔ وہ غرور کا مارا فوراً چلا کر بولا۔ کہ اے نوجوان شیریت اسی میں ہے۔ کہ تو اپنے ہاتھ سے تلوار پھینک دے۔ اور فن سپہنگری کے رموز کو ظاہر کر۔ وہ لوگ جو پہلے لڑنے آئے تھے۔ وہ سب نہایت ہی مست اور تیرے اوپر رحم کرنے والے تھے۔ لیکن میں ایسا شخص ہوں۔ کہ خداوند عالم نے میری اصل خلقت سے نرمی اور خدا ترسی کو نکال ڈالا ہے۔ اور اس کے عوض میں شقاوت اور عداوت میرے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اے نوجوان (عباس) یاد رکھ کہ میں وہ ہوں کہ جس پر حملہ آور ہوا۔ اس کو ذلیل کر چھوڑا۔ جس پر تلوار اٹھائی۔ اس کو فنا کر ڈالا۔ اب تیری جوانی اور ملاحیت پر جب نظر کرتا

ہوں۔ طبیعت میں نرمی دوڑ جاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تجھے یہ تیغ کر ڈالوں۔ لہذا میں تجھ سے کہتا ہوں۔ کہ تو رزم گاہ کی زمین کو دم بھر میں چھوڑ دے۔ اور یہاں سے چلا جا۔ اور اپنے اچھے خاصے نفس کو ضائع و برباد نہ کر۔ دیکھ (عظمنداں را اشارہ کافی است) عظمندوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔ یعنی ابھی کہہ رہا ہوں کہ چلا جا۔ اگر عقل سے کام لیا۔ تو توجہ جائے گا۔ ورنہ تیرا بچنا بہت ہی دشوار ہے۔ اے نوجوان۔ آج سے قبل میں نے کبھی رحم استعمال نہیں کیا ہے۔

### حضرت عباس کے متعلق مارو کے اشعار:

اس کے بعد ماردا بن صدیف نے حسب ذیل اشعار کو (اپنے زعم ناقص میں) حضرت عباس کے لئے نصیحہ پڑھا۔

نصحتك ان قبلت نصيحتي      خوفا عليك من الحسام القاطع  
(اے عباس ابن علی) میں تم کو کاٹنے والی تلوار کی ضرب سے ڈرا کر نصیحت کرتا ہوں۔  
اگر تم میری نصیحت کو قبول کرو گے (تو اچھے رہو گے)

سارق قلبی فی الزمان علی فتی      الا عليك فكن لقولی سامع  
ابتدائے زمانہ سے آج تک تمہارے علاوہ کسی جوان پر میرا قلب نرم نہیں ہوا (دیکھو)  
میرے اس قول کو کان دھر کے سنو۔

واعظ انقياد او غد عيش      الا اذوقك من عذاب واقع  
دیکھو میں تم کو اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں۔ اگر طوق اطاعت گردن میں ڈال لو گے تو بڑے مزے کی زندگی بسر ہوگی نہیں تو میں تم کو سخت اور ضروری الوقوع غذا کا مزہ چکھا دوں گا۔  
حضرت عباس علیہ السلام نے ان اشعار کے سنتے ہی کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے دشمن خدا۔ جو کچھ تو نے کہا۔ میں نے گوشِ ظاہر سے سنا۔ مگر تیری محبت بے کار ہے۔ میں تیری اطاعت کر لوں۔ یہ ناممکن ہے اے ملعون تو مجھے اپنے سے ڈراتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کسی اور سے ہرگز نہیں ڈر سکتا۔ میں علی علیہ السلام کا فرزند اور حسین کا بھائی اور غلام ہوں۔ ان کے قدموں پر اپنی جاں نثاری کو عین اطاعت اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ سمجھتا ہوں۔ اور یقیناً ان کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔ پھر میں تجھ سے ڈروں (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اے ملعون تو جانتا ہے کہ میں شہر رسالت کی ایک شاخ ہوں۔ اور جو ایسا ہو۔ ظاہر ہے اس کا توکل اللہ تعالیٰ پر کرتا ہوگا۔ اے وہ شخص برائیوں سے کیسے متصف ہو سکتا ہے۔ اور اطاعت غیر میں داخل ہو سکتا ہے۔ جو رسول اللہ کا خاص قرابت دار ہو۔ اور جبکہ میرے پدر علی ابن

ابلی طالب ہیں۔ تو میں کیسے تلوار کی موت سے ڈر سکتا ہوں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کسی کافر اور غادر سے خوف نہیں کھاتا۔ اور نہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کچھ کر سکتا ہوں۔ اے کافر میں خاندان رسالت ﷺ کا ایک فرزند ہوں۔ اگر تجھ کو یہ خیال ہے۔ کہ میں تیری اطاعت کر لوں گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور محال ہے۔ میں ہرگز ایسا شخص نہیں ہوں کہ موت سے خوف کروں۔ اور موت احمر سے ڈروں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ جنت دنیا سے بہت ہی بہتر ہے۔ اور تجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعض کسں اکثر مسمن سے بہتر ہوتے ہیں۔

علامہ در بندی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اس وقت اس کے رویف و قافیہ میں یہ اشعار پڑھے۔

صبرا علی جور الزمان القاطع      ومنیۃ ما ان لہا من دافع  
ہم زمانہ مخالف کے ظلم پر صبر کر رہے ہیں۔ اور موت کو روک نہیں سکتا۔

لا تجز عن فکل شیء ہالک      حاشا لمثلی ان یکون بجازع  
تو مت گھبرا۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور مجھ جیسا بہادر کبھی گھبرا تا نہیں

فلئن رمائی الدھر منہ باسہم      وتفرق من بعد شمل جامع  
اگر زمانہ نہ ہم پر تیر چلائے اور ہماری جماعت کو منتشر کر دیا۔

فکم لنا من وقعة شابت لنا      قم الا صاغر من ضراب قاطع  
اور زمانہ میں ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں کہ نوجوانوں نے تجربہ کاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب مارد نے اس کلام بلاغت نظام کو سنا تو مثل عقاب شکستہ باز و ابن حیدر علیہ السلام کی طرف ان کے قتل کو آسان تصور کرتے ہوئے نہایت ہی تیزی سے چھپا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس کے آنے سے کوئی ہراس نہ کیا۔ اور اس ملعون کو حملہ کی صورت میں اپنی طرف سے نہ روکا۔ وہ اپنی دلیری کے اثبات کے لئے اتنا بڑھا کہ حضرت عباس کی لمبی سنان کے بالکل قریب آ گیا۔ فہر سپہ گری کے ماہر حضرت عباس علیہ السلام نے فوراً اپنے زوردار ہاتھ کو بڑھا کر نیزہ کی آئی کو تھام کر اس زور سے جھٹکا دیا۔ کہ قریب تھا کہ مارو منہ کے بل گر پڑے۔ اس جھٹکے کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مارد نے گھبرا کر نیزہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اور حضرت عباس علیہ السلام نے اس پر قبضہ کر لیا۔

چھن گیا، اردو مرد کو کا بھالا دیکھو

یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔ کہ مارڈ کو آب آب ہونا پڑا۔ اور تکبر کا نہایت تلخ مزہ چکھنا پڑا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اسی ملعون کے نیزہ کو اس کی طرف بڑھا کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اور فرمایا کہ اے ملعون میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو اس نیزے ہی نیزے سے دم بھر میں بیدم کر دوں اور موت کے جام سے سیراب کر کے ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سلا دوں۔ مارڈ مارے خوف کے کاچنے لگا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس کی اضطراب آگین کیفیت کا پتہ چلا کر گھوڑے کی ساق پر اسی کا ایک نیزہ مارا۔ گھوڑا فوراً الف ہو گیا۔ اور وہ ملعون جسم بے روح کی طرح زمین پر آ گرا۔ چونکہ وہ ملعون نہایت ہی موٹا تھا اس لئے وہ حضرت عباس علیہ السلام سے پیدل جنگ آزما نہ ہو سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ زمین پر گرتے ہی اس کا سارا بدن خوف کے مارے پھول گیا۔ اور وہ اس لائق نہ رہا۔ کہ آپ سے پیدل مقابلہ کرے۔

لشکر کے کسی زبردست بہادر کی شکست پر یوں ہی ایک اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بہادر جو اپنی آپ نظیر سمجھا جاتا ہو۔ اس کی شکست پر سارا لشکر کیونکر اضطراب پذیر نہ ہو۔ اس کے کرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ صفوف لشکر میں ہچل گئی۔ شمر ملعون نے بے تابانہ لشکر مارڈ کو پکارا۔ کہ اے غضب ہو گیا۔ مارڈ خود سر زمین پر گر پڑا ہے۔ تم لوگ فوراً اس کی کمک میں پہنچو۔ اور ایک دوسرا گھوڑا فوراً اس کی خدمت میں حاضر کرو یہ سنتے ہی فوراً ایک غلام حبشی صارفہ نامی ایک گھوڑے کو لے کر حاضر ہوا۔ جس کا نام طاویہ تھا۔ جو تیز روی میں ہوا سے چار قدم آگے ہی رہتا تھا۔ مارڈ کی نظر جب غلام حبشی پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ صارفہ طاویہ کو لیے ہوئے آ رہا ہے۔ فوراً چیخا۔ کہ اے غلام۔ موت آنے سے پہلے تو طاویہ کو مجھ تک پہنچا دے۔ غلام گھوڑا لے کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور چاہا۔ کہ کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد طاویہ کو مارڈ تک پہنچا دے۔ تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر مقابلہ کر سکے۔

### طاویہ پر حضرت عباس کی سواری:

حضرت عباس علیہ السلام نے جب صارفہ کو دیکھا کہ وہ طاویہ کو لئے ہوئے نہایت ہی تیزی سے آ رہا ہے۔ تو فوراً اس کی طرف بڑھ کر غلام کی گردن پر ایک پر زور نیزہ لگایا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور اپنے خون میں لوٹنے لگا۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر فوراً طاویہ پر سواری کی۔ اور تمام صفوف لشکر کو چیرتے ہوئے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب مارڈ نے حضرت عباس علیہ السلام کی اس دلیری کا مطالعہ کیا۔ تو فوراً کھبرا کر تھرائی ہوئی آواز سے لشکر والوں کو پکارتے ہوئے کہا۔ کہ ہائے عباس میرے ہی گھوڑے پر



سوار ہو گئے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مجھ کو میرے ہی نیزہ سے فنا کریں گے۔ شرم ملعون نے جب یہ آواز سنی۔ فوراً آپ کی طرف بڑھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسنان بن انس نخعی اور خولی بن یزید اصبحی اور جہیل بن مالک جازی چلے۔ اور ان لوگوں کے عقب میں سارا لشکر چلا۔ سب نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھالیں اور تلواریں برہنہ کر لیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا۔ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ اے بھیا۔ ان دشمنان اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہیں۔ یہ آپ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ابھی حضرت عباس کا کلام ختم بھی نہ ہوا تھا۔ کہ لشکر نہایت ہی تیزی سے امام حسین علیہ السلام کے قریب آ گیا۔

حضرت عباس نے یہ ماجرا دیکھتے ہی فوراً مار دکی طرف جانے کی ٹھان لی۔ اور اس کے پاس جا کر آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس چیز کا مزہ کیوں نہ چکھا دوں۔ جو تجھے جہنم کی یاد دلادے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے ہاتھوں پر ایک زبردست وار کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بالکل بیکار ہو گئے۔ آپ نے اس کے دوسرے نیزے پر بھی قبضہ کر لیا۔

### حضرت عباس کی غلامی کا اقرار:

جب مارو نے اپنے قتل ہونے کا یقین کر لیا۔ تو فوراً حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا۔ کہ اے عباس علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کے لئے) مجھ کو چھوڑ دو۔ میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں تجھ ایسے غلام کو لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے ایک نیزہ اس کے کان پر ایسا لگایا۔ کہ وہ آ رہا ہو گیا۔ پھر آپ نے اور لشکر والوں پر شیرانہ حملہ کر کے طاویہ کو کاوا دیے ہوئے ڈھائی سو سواروں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اس سے قبل پانچ سو بیس دشمنوں کو قتل کر چکے تھے۔ لہذا سارا لشکر خوف سے درہم و برہم ہو گیا اور سب جی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

کیا کہنا۔ حضرت عباس علیہ السلام کو زبردست فتح ہوئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ اگر ادھر (مارو) شیطانی لباس میں تھا۔ تو ادھر فخر آدم اور بنی آدم حضرت عباس علیہ السلام حفاظت ربانی میں تھے۔ دشمن اگر قویست نگہاں قوی تر است۔ وہ ان کی حفاظت میں لگا ہوا تھا۔ ”حفظنا من کل شیطان مارد“ اللہ تعالیٰ کا قول آپ کے معین تھا۔

اسی دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ بھائی۔ اب تم ٹھہر جاؤ۔ اب تمہارے عوض میں میں لڑوں۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ کہ بھیا۔ حکم اللہ تعالیٰ سے مفر نہیں۔ اور نہ گریز ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ پھر لڑنے لگے۔ اور سارے لشکر کو

بہت دور کر کے اپنے برادر شفیق حضرت امام حسین علیہ السلام کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

### شمر کی زبانی طاویہ کی کہانی:

اتنے میں شمر پکارا تھا۔ کہ یا بن علی ابن ابی طالب۔ آج تم نے مارو سے طاویہ کو واپس لے لیا۔ اے عباس یہ وہی گھوڑا ہے جو مدائن میں تمہارے بھائی امام حسن علیہ السلام سے چھین لیا گیا تھا۔

یہ سن کر حضرت عباس علیہ السلام اسی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور شمر کے قول کو نقل کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہاں یہ وہی طاویہ ہے۔ جو ملک (رے) کے حاکم کی سواری کا خاص گھوڑا تھا۔ جس کو تمہارے پدر بزرگوار نے تمہارے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور اس گھوڑے کو بزمانہ قیام مدائن دشمنوں نے لے لیا تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر شمر کے کلام کو دہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ طاویہ ملک رے کے بادشاہ کا تھا۔ جب تمہارے باپ نے اس کو قتل کیا۔ تو تمہارے بڑے بھائی امام حسن کے حوالے کیا جو قیام مدائن کے زمانہ میں لے لیا گیا تھا۔ جب طاویہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت با برکت میں پہنچا۔ تو اپنے سر کو حضرت کے دامن مبارک سے اس طرح ملتا تھا۔ جس طرح ہر وقت کا موجودہ جانور اپنے آقا کے دامن سے ملے۔

فلما وصل الى اخيه الحسين ذكر له مقالات الشمر فقال نعم هذه طاوية التي كانت لملك الرے فلما قتله ابوك وهبها لاخيك الحسن ورحل عنها يوم ساباط المدائن فلما دنت الطاوية من الحسين جعلت تملس رأسها بشيابه كانها ما فارقته يوم واحد (نور العین)

یعنی طاویہ اپنے سر کو دامن امام حسین علیہ السلام سے مل کر اپنی دیرینہ محبت کا ثبوت دیتا تھا اور گویا زبان حال سے نہایت خوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ کہ ”حق محمد ارر سید“ (نور العین فی مشہد الحسین از ص ۳۸ تا ص ۴۱ طبع مصر۔ اسر الشہادت علامہ در بندی ص ۳۱۹ ص ۳۲۰ طبع ایران۔ شہید اعظم ج ۲ ص ۱۸۱ طبع بنارس ۱۹۱۴ء مائتین ص ۴۹۹ جواہر الایقان ص ۴۰۶ مجمع النورین ص ۱۴۷ مجلسی ص ۲۳ طبع ایران۔

## ساباط مدائن کا واقعہ:

مقام ساباط۔ یہ مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ یہیں حضرت امام حسن سے طاویہ چھینا گیا۔ لوٹا گیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۱۲ھ میں حضرت علی کے انتقال کے بعد آپ خلیفہ وقت ہوئے۔ عراق، ایران، خراسان، یمن وغیرہ نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی۔ چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کی ہرہم میں ساتھ دینے کی بیعت کی۔ معاویہ جو حضرت علی سے جنگ کرتا رہا اور جس نے بقول خوجہ حسن نظامی دہلوی حضرت علی کو ابن نجم کے ہاتھوں شہید کر دیا۔ اس سے یہ نہ دیکھا گیا۔ کہ حضرت امام حسن خلیفہ رہیں۔ چنانچہ وہ چھ ہزار پر مشتمل فوج لے کر مقام مسکن میں اترا۔ جو بغداد سے ایک فرسخ تکریب کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسن دفاع کے لئے تیار ہوئے اور اپنی فوج لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آ گئے۔ اور معاویہ نے اس موقع پر ایک فریب کیا۔ کہ امام حسین کے لشکر میں یہ مشہور کر دیا۔ کہ سپہ سالار قیس ابن سعد نے معاویہ سے صلح کر لی۔ اور قیس کے لشکر میں اس بات کی شہرت دے دی کہ امام حسن نے صلح کر لی۔ معاویہ کا جادو چل گیا۔ امام حسن کی فوج میں بغاوت ہو گئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کا کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک کھینٹ لیا۔ دوش پر سے رواء بھی اتار لی۔ بعض گمراہوں نے معاویہ سے سازش کر لی۔ اور رشتوں لے کر قصد کیا۔ کہ امام حسن کو معاویہ کے سپرد کر دیں۔ آپ وہاں سے مدائن کے گورنر سعد کی طرف چلے۔ راستے میں ایک خارجی نے زانوائے اقدس پر ایک خنجر مار دیا۔ جو بقول شیخ مفید دو برس میں اچھا ہوا۔ امام علیہ السلام نے ۶ یا سات ماہ خلافت ظاہریہ کرنے کے بعد مجبوراً معاویہ سے صلح کر لی (عمدة الطالب ص ۲۶ طبع لکھنؤ و تاریخ ائمہ ص ۳۳۳) غرض کہ لوٹ مار میں حضرت کا گھوڑا طاوہ بھی نکل گیا تھا۔ جس کو پھر حضرت عباس علیہ السلام نے مار دے یوم عاشورا پھینک لیا ہے۔

## حضرت عباس کی رخصت آخری

منک و علم لئے جب عباس جا رہے تھے  
آنکھیں بھجھ رہی تھی خود فتح و کامرانی

مار دابن صدیف جیسے بہادر کو بچھاڑنے اور اس کی سواری کے خاص جانور طاویہ پر قبضہ کی داستان حضرت عباس حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیان کر رہے تھے۔ ”فسمع الاطفال ینادون العطش العطش“ ناگاہ خیمہ میں العطش العطش کی جگر سوز آواز بلند ہوئی۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷) اور ۲۶ یا ۲۷ چھوٹے چھوٹے بچے خیموں سے نکل کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور کہنے لگے چچا جان۔ پیاس مارے ڈالتی ہے (مجالس علویہ ص ۵۳۲ مظلومہ کربلا ص ۶۹) یہ اضطرابی حال دیکھ کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس سخت دل تنگ پریشان اور مضطرب ہو گئے۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ مولا۔ اب تو لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ تاکہ جی کھول کر ان دشمنان اسلام کو بندش آب کا نتیجہ دکھا دوں۔ حضرت نے فرمایا۔ میرے قوت بازو۔ اجازت کیا مانگتے ہو۔ دیکھو ان بچوں کا پیاس سے کیا حال ہو رہا ہے۔ اسے بھائی۔ یہ گلزار رسالت کے نو نہال پانی کے بغیر مرجھائے جا رہے ہیں۔ ”امض الی الفرات واتنسی شیئاً من الماء“ فرات کی طرف جاؤ۔ اور کسی صورت سے پانی لے آؤ۔ (مجالس المتقین ص ۲۷ جلاء العین ص ۲۰۹) حضرت عباس پھر میدان کی طرف واپس جانا ہی چاہتے تھے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ”ادخل الی الحویم وودعهم وداغ من لا یعود فدخل“ بھیا خیمہ میں جا کر اس طرح سب سے رخصت ہو لو کہ جیسے ملاقات نہ ہوگی۔ حضرت عباس خیمہ میں داخل ہوئے۔ سب کا حال پیاس سے بے حال پایا۔ ”فقال لهم فہلاً“ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ ذرا اور ٹھہرو۔ تمہارے لئے پانی لانے جاتا ہوں۔ آپ ابھی بچوں کو سمجھا ہی رہے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خیمہ کے باہر سے آواز دی۔ اے عباس۔ ”ادرسنی“ دوڑو۔ یہ سننا تھا۔ کہ حضرت عباس خیمہ سے باہر نکل آئے۔ اور ان دشمنوں کو وہاں سے دور کیا۔ جو امام حسین پر حملہ کر رہے تھے۔ (نور العین ص ۴۱ اسرار الشہادت ص ۳۲۱ مائتین ص ۳۶۹) دشمنوں کے دفاع کے بعد حضرت عباس مشک و علم لے کر جنگاہ کی طرف روانہ ہو گئے (بحار الانوار ج ۱۰ ص الدیع الجہون ج ۲ ص ۴۸۱) کتاب الصدف شیروانی ج ۲ ص ۱۵۳ طبع ایران ۱۳۱۴ھ) حضرت امام حسین جو علم امامت سے جانتے تھے کہ عباس اب کی دفعہ واپس نہ آئیں گے۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے بھائی کو رخصت کر دیں۔ لیکن یہ خیال فرمایا کہ اگر میں ان سے اسی طرح ملا جس طرح تمام شہید ہونے والوں سے مل چکا ہوں۔ تو اہل حرم یہ سمجھ کر کہ عباس اس دفعہ شہید ہو جائیں گے۔ ابھی سے کہرام برپا کر دیں گے۔ آپ نے حضرت عباس کے کچھ دور نکل جانے کے بعد خیمہ سے دور جا کر وداعی ملاقات فرمائی۔ علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں۔

پس حضرت عباس روانہ شد بایں امید کہ حضرت عباس محض اس امید پر کہ مثل سابق ابھی مراجعت میکند۔ بایں سبب باہر اور خود مثل واپسی ہوگی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے سازشہاء وداع نہ کرو۔ و حضرت بعلم امامت و بغیر رخصت ہوئے روانہ فرات ہو گئے۔ لیکن

حضرت امام حسین بعلم امامت جانتے تھے کہ عباس اس مرتبہ شہید ہو کے رہیں گے۔ اس لئے ان کی روانگی کے بعد حضرت امام حسین بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت عباس نے محسوس کیا کہ پشت کی جانب سے رونے کی آواز آتی ہے اور کوئی پکارتا ہے۔ جونہی حضرت عباس نے نظر کی۔ دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام با آہ سوزاں و چشم گریاں آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے کہ ”عباس ذرا ٹھہرو۔ ہم تمہیں ایک نظر اور جی بھر کر دیکھ لیں“ چلے آتے ہیں۔ حضرت عباس یہ سن کر بے اختیار رونے لگے اور عرض کی۔ بھیا میری کمر ٹوٹی جا رہی ہے۔ اس وقت امام حسین نے بے پناہ گریہ کیا اور دونوں بھائی بغلگیر ہو کر اس قدر رونے کے بے ہوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پھر حضرت عباس رخصت ہو کر طلب آب کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔

(دونوں بھائی بغلگیر ہونے کے بعد) آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے۔ ان کے رونے کی کیفیت یہ تھی کہ ملائکہ کے ہاتھوں سے ضبط و تحمل کی باگ چھوٹ گئی۔ عالم ملکوت کے ذرہ ذرہ میں زلزلہ آنے لگا۔ صوامع لاہوت کے باشندے جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور گہوارہ جنجان حسین جناب جبرائیلؑ بلکہ تمام قدسیان عالم ملکوت کو زیر و زبر کر دیا اور جنوں کے جگر خون کر دیے۔ اور صحرائی جانور اور فحاشائی طیور کو جلا کر خاک کر ڈالا۔

مے دانستند کہ عباس شہید مے شود۔ ہمیں۔ کہ چند قدم راہ رفت دید۔ بعقب سرش صدامے گریہ مے آید و کے اور اصدامے زند۔ چوں نگاہ کرد۔ کہ امام مظلوم گریہ کنایاں مے آید۔ وآہستہ آہستہ صدامے زنداے برادر عباس صبر کن تا ترا یک دفعہ دیگر سیر بہ نیم حضرت عباس چوں ایں را شنید۔ گریست و عرض کرد۔ اے برادر۔ کمر من شکستہ مے شود۔ حضرت گریست۔ وآں دو برادر دستہارا بگرمین یکدیگر در آورند و ایں قدر گریستند کہ نزدیک بود۔ کہ مدہوش شوند۔ پس بعد از وداع حضرت عباس روانہ فرات شد (انوار الشہادت ص ۵۵ طبع لاہور ۱۳۷۸ھ)

علامہ قزوینی بطور تتمہ لکھتے ہیں کہ واشک از دیدگاں مثل مروارید بر بخت وہ نہیچہ کہ عنان تحمل از دست ملائکہ آسمانہا بدر رفت و زلزلہ اور عالم ملکوت افتاد و ناظران صوامع لاہوت و گاہوارہ جنجان حسین یعنی جبرائیل امین و سایر قدسیان عالم ملکوت راز بروز بر کرد۔ و جنیان را خون در جگر نمود و خشیان صحرا و مرغیان ہوا را کباب ساخت (ریاض الشہادت ج ۲ ص ۲۰۰ طبع ایران ۱۳۷۲ھ)

## امام حسین اور حضرت عباس کی ملاقات کا اثر اہل بیت پر:

چوں اہل حرم ایں ہر دو برادر را چنان دیدند کہ جب اہل حرم امام حسین علیہ السلام نے دونوں بچپان نالہ و فغان "و اعباسا و احسینا" بھائیوں کو اس طرح ملتے ہوئے دیکھ لیا تو "اے میرے کشیدند کہ عرش بہ لرزه درآمد۔ پس جناب عباس برادر را دواع کردہ سوار شدہ عزم کار زار نمود۔ (مفتاح الجہنم ص ۵۳ طبع بمبئی)

کہ جب اہل حرم امام حسین علیہ السلام نے دونوں بھائیوں کو اس طرح ملتے ہوئے دیکھ لیا تو "اے میرے عباس اور اے میرے حسین کہہ کر ایسے نعرے لگائے کہ فلک کج رفتار کانپ اٹھا۔ اس کے بعد حضرت عباس نے بھائی کو رخصت کیا۔ اور روانہ رزمگاہ ہو گئے۔

## پانی کے لئے حضرت عباس کی دعا

حضرت امام حسین سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عباس آگے بڑھے۔ دشمنوں کی یلغار دیکھی۔ "و مق بطرفہ الی السماء" آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی۔ "اللہمی وسیدی اریبدا اعتد بعدلتی واملأ لہؤلاء الاطفال قربة من الماء" میرے پالنے والے میں تیرے نبی کے بچوں کی خاطر تھوڑا پانی لینے کے لئے آیا ہوں۔ خدایا! خدایا! تو ایسا انتظام کر دے کہ میں صرف ایک مشکیزہ خیمہ میں پہنچا دوں۔ (انوار الشہادت ص ۵۴) و مجالس المستقین ص ۴۷) دعا کے بعد آپ نے فرات کی جانب اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ عباس بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ تو روکنے کی سعی میں مشغول ہو گئے۔

## حضرت عباس کا آخری موقع:

دشمن تیزی سے حضرت عباس کے قریب آ گئے۔ آپ نے فرمایا۔

ء انتم کفرة ام مسلمون هل یجوز فی ارے۔ آدمیوں کی صورت رکھنے والو۔ تم کافر دینکم ان تمنعوا الحسین واطفالہ ہو یا مسلمان۔ کیا تمہارے دین میں یہ جائز من شرب الماء والکلاب ہے۔ کہ فرزند رسول ﷺ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بند کر دو۔ والخنزیر یشربون منه والحسین حالانکہ اس نہر سے جس پر تمہارا پتھر ہے۔ کتے واطفالہ یموتون عطشا اما اور سو پانی پی رہے ہیں۔ اور امام حسین اور ان کے بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔ ارے کیا تذکرون عطش القیامة تم قیامت کی پیاس کو بھول گئے ہو۔ (انوار الشہادت ص ۵۵)

آپ کے یہ نصیحت آمیز جملے تیر و نثر بن کر چھبے۔ دشمنوں نے ان سے نصیحت حاصل

کرنے کی بجائے آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ پانچ سو تیر اندازوں نے ہوائے تیر سے حضرت عباس کے چراغ حیات کو گل کر دینا چاہا۔ مگر اللہ رے سخت جانی عباس۔ کہ انہوں نے پروا بھی نہ کی۔ ”فحمل علیہم وتفترقوا عنه“ اور ایسا شیرانہ حملہ کیا۔ کہ سارے روہاء مثل گیاہ و کاہ منتشر ہو کر رہ گئے۔ علامہ یزدی لکھتے ہیں۔ ۸۰ پانی کا گھاٹ روکنے والے دشمن فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ (انوار الشہادت ص ۵۶) علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ چار سو خونخوار موت کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر داخل دار بوار ہو گئے (تحفہ حسین ج ۱ ص ۱۷۹)

## حضرت عباس کو اذن جہاد کیوں نہ دیا گیا

گر کہیں دیدے شاہ کربلائی اذن جنگ پھر زمانہ دیکھتا شانِ دغا عباس کی تاریخ بتا رہی ہے۔ کہ حضرت عباس جنگاہ میں بار بار آئے ہیں۔ کبھی بنی ہاشم کے کسی فرد کی کمک میں کبھی اصحاب کی مدد میں۔ کبھی پانی کے حصول کی سعی میں۔ اور تقریباً ہر مرتبہ لڑے بھی ہیں۔ قتل بھی کیا ہے اور اب بھی امام حسین سے رخصت ہو کر نہ فرات کو روانہ ہیں۔ سینکڑوں کو فنا کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ اور اپنی شہادت سے پہلے ہزاروں کو فنا کریں گے۔ لیکن جب امام حسین کے سامنے اذن جہاد کا سوال آتا ہے۔ ”لعمریض بہ ولم یاذنہ“ آپ نے اس پر رضا نہیں ظاہر کی۔ اور اذن جہاد نہیں دیا۔ کبھی پانی کی طرف آپ کا رخ موڑا۔ اور کبھی حمایت اصحاب کی طرف متوجہ کر دیا (شرح مطالع الانوار ص ۱۰۲ توضیح ص ۲۵۵۔ فضائل الشہداء باب ۲ ف ۹ ص ۱۰۹) آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ امام حسین جنگ کے لئے آئے نہ تھے۔ اور اپنے نانا کے برائے نام بھی نام لیواؤں کو قتل نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرشتوں جنوں اور حضرت عباس کو اذن جہاد اور اجازت جنگ نہیں دی۔

نہ اذن جنگ پایا با وفا نے چل کر رہ گئے دل کے ارادے

## رخصت آخری کے بعد

حضرت عباس حضرت امام حسین سے رخصت ہو کر نہ فرات کی طرف برابر بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس ٹیلے یا پہاڑی کے نیچے پہنچے۔ جس پر چار ہزار مخالفین نہر فرات ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ آپ اس پہاڑی کے نیچے اس حال میں پہنچے کہ آپ کو بے شمار دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اب آپ کے سامنے ایک ایسی پہاڑی نہر فرات تک پہنچنے میں حائل ہے۔ جس پر چار ہزار خونخوار دشمن آلات حرب سے مسلح موجود ہیں۔ حضرت عباس نے وہاں

پہنچ کر یہ رجز پڑھا:

اقاتل القوم بقلب مهتد      اذب عن سبط النبی احمد  
اضربکم بالصارم المهتد      حتی تحید واعن قتال سیدی  
انسی انسا العباس ذوالنود      نجل علی المرتضی الموید

ترجمہ: میں ایک ہدایت یافتہ دل کے ساتھ ان لوگوں سے لڑتا ہوں۔ اور نبی احمد کے  
فرزند سے دشمنوں کو ہٹا رہا ہوں۔ (اجازت ملنے کے بعد) میں تم کو تیغ براں سے اس وقت تک  
مارتا ہوں گا جب تک کہ تم میرے سردار کے ساتھ لڑائی سے باز نہ آؤ گے۔ میں محبت کرنے والا  
عباس اور اس علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے زور پایا تھا۔

(ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۲۷۲ تحفہ حسینین ج ۱ ص ۱۷۸)

## حضرت عباس فرات کی پہاڑی پر

رجز کے بعد آپ نے اپنے بھوکے پیاسے گھوڑے کو ایڑ دی۔ گھوڑا ہوا ہوا۔ بلندی کی طرف علی کا  
شیر جا رہا ہے۔ اور چار ہزار وار اوپر سے ہو رہے ہیں۔ ابو مخنف لکھتے ہیں۔ کہ رجز پڑھنے کے بعد  
آپ نے اس گروہ نابکار پر دھاوا بول دیا۔ اور ان کو دائیں یا نین پر آگندہ کر کے بہت سے آدمیوں  
کو قتل کیا اور بڑے بڑے سورماؤں کو مارا گرایا۔ اور نہر فرات کا کنارہ لے لیا۔ (مقتل ابی مخنف  
ص ۷۲) (سورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ آپ بے جگری سے جنگ کرتے ہوئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔  
”ثم حمل علیہم“ پھر ان پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر چھوڑا۔

پہاڑی کے ثبوت کے متعلق عرض یہ ہے کہ (۱) امام حسین نے شب عاشور جو ہلال سے  
گفتگو کی ہے۔ اس میں اس کا اشارہ ہے۔ (۲) واقعہ کربلا میں ”و کسب المستاہ“ اکثر مقام پر  
ہے۔ جس کے متعلق محشی ارشاد مفید ”السدا المتخذون الماء و رکبھا امے علاھا“ لکھا  
ہے (حاشیہ ارشاد مفید ص ۱۲۲) طبع ایران ۱۳۷۱ھ) بعض علماء نے مستات سے رسول اکرم کی  
سواری کا ناقد مراد لیا ہے (ناخ) (۳) شہادت علی اصغر کے متعلق بھی علماء پڑھتے ہیں۔  
حسین انہیں ٹیلے پر لے گئے۔ (۴) علامہ ابن قتیبہ نے صاف صاف لکھا ہے۔ ”بیت

الماء وبوۃ“ پانی اور پیاسوں کے درمیان ایک ٹیلہ یا پہاڑی حائل تھی (الامامہ

ص ۵ و کبریٰ ص ۱۲۳) علامہ حسین واعظ کا بیان ہے۔ کہ پہاڑی؟

میں دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے تھے (روضۃ الشہداء ص ۶۲)

کو مار کر پہاڑی پر قبضہ کیا اور نہر فرات کی طرف چلے۔



تھایا اندیشہ کہ آجائے نہ غازی کو جلال فوج نے عباس کو گھبرا کے دریا دے دیا  
 آپ نے پہاڑی سے اتر کر قوم نابکار کو پھر مخاطب کر کے کہا۔ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ  
 ﷺ سے شرم کرو۔ جس نہر سے کتے اور سورنک پیتے ہیں۔ تم اس کے پانی سے فرزند رسول کو  
 محروم کئے ہوئے ہو۔ کیا تم قیامت کو بھول گئے ہو۔ یہ سننا تھا۔ کہ پانچ سو تیر اندازوں نے تیر  
 بارانی شروع کر دی۔ مگر علی کے شیر نے تیروں کا مقابلہ نیزے سے کیا۔ اور سب فرار ہو گئے۔  
 عباس لئے مشکیزہ جب آئے قریب ساحل پیاسے کی قدم بوسی کو ہر موج تڑپ کر آئی  
 حضرت عباس پہلی دفعہ نہر فرات میں:

دشمنوں کو بھگانے کے بعد حضرت عباس نے اپنا گھوڑا نہر فرات میں ڈال دیا۔ اور کہا۔  
 اے اسب و فادار۔ تو پانی پی لے۔ ابھی جانور نے پانی میں منہ بھی نہ ڈالا تھا۔ کہ دشمنوں نے پھر  
 حملہ کر دیا۔ حضرت عباس نہر سے برآمد ہوئے۔ اور ان دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر نہر فرات میں  
 پھراترے۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۶۲)

حضرت عباس دوسری دفعہ نہر فرات میں:

آپ فوراً دیگر ”بارہ اسب در آب راند“ دوبارہ نہر فرات میں گھوڑے کو ڈال دیا۔ اور اس  
 سے فرمایا پانی پی لے۔ ابھی وہ منہ نہ مارنے پایا تھا۔ کہ ایک ہزار سواروں نے پھر حملہ کر دیا۔ آپ نہر  
 سے پھر برآمد ہوئے اور ان پر زبردست حملہ کر کے انہیں پھر مار بھگایا۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۶۲)

حضرت عباس تیسری دفعہ نہر فرات میں:

علامہ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس ابھی پانی کے باہر ہی تھے کہ دس ہزار کا  
 لشکر آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور اپنی پوری طاقت سے اس بات کی کوشش کرنے لگا۔ کہ عباس نہر فرات کا  
 کنارہ چھوڑ دیں۔ لیکن شیر بیشہ شجاعت سے دریا کا کنارہ کون لے سکتا تھا۔

اب کون ہٹا سکتا ہے دریا کی حدوں سے عباس تو پرچم کی طرح چھائے ہوئے ہیں  
 بالآخر زبردست مقابلہ ہوا۔ اور اس پیاسے نے دشمن کے اٹھے ہوئے لشکر کو نیزے  
 کی آبی سے ٹھنڈا کر دیا۔ ”فصاحت علیہ الابطال من کل جانب“ ہر طرف سے چیخ پکار مچ  
 گئی۔ آپ نے کہا ”انسا عباس بن علی“ میں عباس بن علی ابن ابی طالب ہوں (تذکرہ  
 المعصومین ص ۱۳۲ طبع دہلی ۱۳۰۷ھ) آپ کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس خیر اسی میں ہے۔ کہ خاموش ہو کر  
 ٹھہ جاؤ اور مجھے اطفال حسین کو پانی پہنچانے دو۔ مجھے مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ

دشمنوں کا یہ حملہ بہت ہی عظیم و شدید تھا۔ اور وہ اس ارادے سے آئے تھے۔ کہ جس صورت سے ہو سکے۔ نہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پر قبضہ قریب قریب ہو ہی گیا تھا۔ لیکن اللہ نے علی کے شیر ”فکشفہم عن الماء“ ان دشمنوں کو شکست دے کر لب فرات سے ہٹا دیا۔ (الامامة والسياسة ج ۲ ص ۵۔ ریاض السالکین ص ۱۵۹ شرح بخاری وافی فرار یوم احد) اور آپ ”پس فرود آمد“ نہر فرات میں اترے۔

(روضۃ الشہداء ص ۳۶۲ کبریت احمر ص ۲۶ طبع ایران ۱۳۲۳ھ)

## تین دن کا پیاسا نہر فرات میں لب تشنہ آب اندر

حضرت عباس کی قدر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس وقت داخل نہر فرات ہوئے۔ اس وقت ساتویں محرم سے بالکل پیاسے تھے۔ یعنی پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تکلف نہ پہنچا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ”ہر وقت کہ تنگی بر اطفال ابی عبد اللہ غلبے کر دے۔ نزد عموئے آمدند و اظہار عطش سے کر دند۔ آنجناب ہر نحو سے کہ بود۔ اطفال را ساکت سے کر دیا آب یا بوعده آب“ جب حضرت امام حسینؑ کے بچوں پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا۔ اپنے چچا عباس کے پاس آتے۔ اور پانی مانگتے تھے۔ آپ انہیں پانی پلاتے یا تسلی دیتے تھے۔ ”از روز بمقتم کہ آب را بر روئے حضرت بستند“ ساتویں محرم سے پانی بند ہونے کے بعد آٹھویں محرم کی صبح تک جس قدر پانی دستیاب ہوتا تھا۔ وہ تمام لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عباس اور حضرت زینب اپنے حصہ کا پانی خود نوش نہ فرماتے تھے۔ ”صبر بر عطش سے کر دند از برائے اطفال کو چک ذخیرہ سے کر دند“ یعنی پیاس کو برداشت کر کے پانی چھوٹے بچوں کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے پانی مانگتے تھے۔ تو عباس ”قربنی ہاشم آہے کہ قسمت خودش بود باطفال تشنہ برادر سے داد“ اپنے حصہ کا پانی اپنے بھائی کے چھوٹے بچوں کو دے دیا۔ کرتے تھے۔

(حدائق الانس ص ۵۷ واقعات قبل قلمی ص ۱۸ ۱۲۳۲ھ۔ محرق القلوب مجلس ۱۲ قلمی)

## نہر فرات میں عباس کی حالت

ساتویں محرم سے بندش آب اور پھر آپ کے لبوں تک مطلقاً پانی کا نہ پہنچنا خود ظاہر کر رہا ہے کہ اب جبکہ آپ نہر فرات میں کھڑے ہیں۔ آپ کی حالت کیا ہوگی۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرے کا آئنا زبان کا خشک ہونا دل کا نڈھال ہونا لازمی امر ہے۔ خضر چشمہ وفانے اپنے کف نوال کو پانی سے بھر کر لب تشنہ تک چلو کو پہنچایا ہی تھا۔ ”فذكر عطش الحسين و اطفاله و

عیسائے ” کہ امام حسین اور ان کے بچوں کی پیاس کا نقشہ نظروں میں پھر گیا۔ چشم پر آب ہو گئی۔ کف آب دریا کے منہ پر مار دیا (ع) اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند۔ ”فرمیں الماء من یدہ و قال واللہ لا وقت الماء ولا اشربہ و اخی الحسین و عیالہ و اطفالہ عطاش لا لان ذالک ابدا“ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ میں پیٹا تو درکنار پچھلے بھی لوں۔ کیونکہ حسین کے بچے پیاسے ہیں۔ پھر آپ نے اپنے نفس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

بأنفس هونی والحسین معطش وبنوہ والحرم المطهر اجمع  
واللہ لا اشرب من الماء قطرة و اخی الحسین بالعراق مضیع

اے میرے پیاسے نفس۔ یہ بڑی بڑی بات ہے کہ حسین اور ان کے بچے پیاسے ہوں اور تو پانی پی لے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم۔ ایسی حالت میں جبکہ فرزند رسول امام حسین اپنے بچوں سمیت عراق کی سر زمین میں سرگردان۔ حیران و پریشان اور پیاسے ہیں۔ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا۔ ابی محض لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس نے اس وقت یہ فرمایا۔

یأنفس من بعد الحسین هونی هذا الحسین مشارب المتونی  
وتشربین الماء البارد معین و لا فعال صادق الیقین

اے نفس حسین کے بعد تیرے لئے ذلت ہے۔ اگر تو رہنا چاہتا ہے تو حسین کے بعد نہ رہنا۔ ارے یہ حسین تو موت کے گھونٹ پیئیں۔ اور تو ٹھنڈا صاف پانی پئے۔ تو یہ تو میرے مذہب کا شیوہ نہیں اور نہ سچا یقین رکھنے والوں کے یہ کام ہوتے ہیں۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں۔ کہ اس وقت آپ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا مقصد یہ تھا۔  
بگریہ گفت کہ عباس خاک بر سر تو ستادہ است بمیدان کنیں برادر تو  
مجازات رسول کبار بے تاب اند دریں قضیہ ہمہ تشنب و بے آب اند  
تو آب میخوری اے بے ادب حیلے تو کو بوعده پدر مہرباں وفائے تو کو

مؤرخ معاصر لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے چلو میں پانی لے کر دشمنوں کو دکھا دیا کہ دیکھو تمہارے اتنے سخت پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے۔ گو باطلی کا شیر نہر کی ترائی پر اپنا کہا جاتا ہے کہ شاہ عباس مغوی کو ایک شب میں بہت زیادہ پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے پانی پلانے والے خادم کو دوازہ دی۔ وہ اتفاقاً جاگ نہ سکا۔ کچھ دیر تنگی کو ضبط کیا۔ جب پیاس حد تحمل سے بڑھ گئی۔ تو خود اٹھا۔ آبدار خانہ میں گیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے آب سرد کا جام بھرا۔ جام کو ہونٹوں سے لگا یا۔ کہ بلا والوں کی پیاس یاد آگئی۔ نفس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ کہ اے عباس۔ تو علمدار کر بلا عباس ابن علی کے ہنام ہے تجھ سے اتنا تحمل نہ ہو سکا۔ یہ کہہ کر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ اور یہ کہتے ہوئے اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند۔ پانی کا جام زمین پر پھینک دیا۔ اور ”نقشہ لب حسین“ کہہ کر تادیر دریا۔

قبضہ اور پانی پر اپنا قابو ثابت کر رہا ہے۔ اور کمال وفاداری کی وجہ سے اس کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ کہ چونکہ امام حسین پیاسے ہیں۔ لہذا پانی نہ پیوں گے۔

فوجیں بھی ہٹیں دریا بھی ملا قبضہ بھی ہوا تربت بھی بنی

عباس یہ تیری منزل تھی پانی نہ پیا اور بات رہی

(تختہ حسینہ ج ۱ ص ۱۸۰ ترجمہ مقتل ابی محنف ص ۷۲۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳ ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۹۰۔ اخبار ماتم ص ۵۱۴ تاریخ ص ۲۹۵۔ محرق القلوب ملامہدی قلمی مجلس ۱۲)

## حضرت عباس نے مشک سکیں پانی سے بھری

مؤرخین لکھتے ہیں۔ ”فرمى السماء وملاً القربة وحملها اعلیٰ كسفه الا یمن و توجه نحو الخیمة“ پھر آپ نے پانی چلو سے پھینکنے کے بعد سکیں کی وہ مشک جو سوکھی ہوئی لائے تھے۔ اسے پانی میں ڈالا۔ جب وہ سوکھی ہوئی مشک تر ہو گئی۔ تو ”مشک را پر از آب نمود و بردوش راست خود کشید“ اسے پانی سے بھر کر اپنے دامن سے کندنے پر لگا دیا۔ بعض کتابوں میں ہے۔ کہ جب آپ نے مشکیزہ بھرا تھا۔ تو آپ کے ہاتھ پانی سے تر ہو گئے تھے۔ آپ نے کمال وفاداری کے پیش نظر یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام حسین کے ہاتھ تر نہیں ہیں۔ اپنا ہاتھ بھی دامن قبا سے خشک کر ڈالا تھا۔ (اخبار ماتم ص ۵۱۹ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۔ بیار الانوار ج ۱۰ ص ۱۰۷ مقتل ابی محنف ص ۷۲ مجالس مضجعہ ص ۲۲۵ ناخ التوارخ ج ۶ ص ۲۹۵ تاریخ ائمہ ص ۲۹۵)

## حضرت عباس کی خیمہ کی طرف روانگی

مشکیزہ بھرنے کے بعد آپ جس طرح پیاسے داخل نہر ہوئے تھے۔ اسی طرح پیاسے برآمد ہو گئے۔

پاس اکرام وفا را آں جناب تشنه لب برگشت از دریائے آب  
آپ کا نہر فرات سے برآمد ہونا تھا۔ کہ بھاگی ہوئی فوج واپس آ گئی۔ اور راستہ میں حائل ہو کر آپ پر حملہ آور ہوئی۔ (ابصار العین ص ۴۷۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۔ زبدۃ الاسرار ص ۱۲ طبع طہران ۱۳۱۲ھ) اور تیر بارانی شروع کر دی۔ حضرت عباس تیروں کا جواب نیزے سے دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ آپ کی تمام تر سعی یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح پانی خیمہ اہل بیت تک پہنچ جائے۔ جب آپ نے حملوں کو تیز تر پایا۔ تو بارگاہِ احدیت کی طرف رجحان کامل کر کے دعا کی ”اللہی وصلنی الیہم“ خدا یا مجھے اہل بیت حسین تک پہنچا دے۔ تاکہ میں پیاسے بچوں کی

پیاس بجھاسکوں (انوار الشہادت ص ۵۶ طبع لاہور) کیا عجب کہ عباس کی دعا سے عرش فرش کے ملائکہ نے بارگاہ قدس میں عرض کی ہو۔

پانی عباس لاتے ہیں یا رب پیاسے بچوں پہ تو نظر رکھنا  
اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام نے یہ رجز پڑھنی شروع کی۔

لا اربھ الموت اذ الموت رقا حتی اوارى فى المصاليق لقا  
نفسى لنفس المصطفى الطهر وقا انى انا العباس اعذو بالسقا  
ولا اخاف الشريوم الملتقا

ترجمہ: موت جس وقت بلند ہو کر سروں پر آ جائے۔ تو میں اس سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ اور میں اتنا دلیر ہوں کہ جب تک جنگ کرتے کرتے تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ لڑتا ہی رہتا ہوں۔ میرا نفس فرزند رسول کے نفس کے لئے ڈھال ہے۔ میرا نام عباس ہے۔ اور میں سقائی اہل حرم میں نام پیدا کر چکا ہوں۔ (ومعہ سا کہہ ص ۳۳)

ابو مخنف کا بیان ہے کہ رجز کے الفاظ یہ تھے

لا اربھ الموت اذ الموت رقا حتى اوارى ميتا عند اللقا  
انى صبور شاكر للملتقى ولا اخاف طارقا ان طرقا  
بل اضرب الهام وافرى المفرتا انى انا العباس صعب باللقا  
ترجمہ: جس وقت موت بلند ہو کر سروں پر آ جائے۔ تو میں موت سے نہیں دیتا۔ جب تک کہ بوقت جنگ مردہ بن کر تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ میں جنگ کے وقت بہت کچھ صبر اور شکر کرنے والا ہوں۔ اور کوئی مصیبت آ جائے۔ میں اس سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ سروں پر وار لگاتا اور مانگ کی جگہ چاک چاک کرتا ہوں۔ میں ہی وہ عباس ہوں جو بوقت جنگ بہت سخت ہے۔ میری جان پاک و پاکیزہ فرزند رسول ﷺ کے لئے سپرد ہے (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۷۳)

## حضرت عباس کا پہاڑی سے اتر کر خیمہ کی طرف بڑھنا

اب مخنف لکھتے ہیں کہ رجز پڑھ کر آپ گھاٹ سے نمودار ہوئے۔ تو آپ پر ہرست سے تیز برسے لگے۔ لیکن آپ مشکیزہ کاندھے پر رکھے ہوئے برابر جنگ فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ زرہ سہا کی طرح بن گئی۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۷۴) مورخ معاصر لکھتے ہیں ”جناب عباس پہاڑی سے نیچے اترے۔ نہر میں سما کر مشکل بھگوائی جب وہ کئی دن کی سوکھی مشکل بہت دیر میں تر ہوئی۔ تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ

نے نہر سے ایک چلو اٹھا کر دشمنوں کو دکھایا۔ کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے۔ مگر پیانہیں۔ اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کنارے جمع ہو گئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مشک لئے ہوئے نیچے اترے۔ اور خیمہ گاہ کی راہ لی۔ اس (تاریخ ائمہ ص ۲۹۵)

پہاڑی سے اترنے کے بعد اور انتہائی تیزی اور پھرتی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے اچھی طرح سے گھیر لیا۔ اور اپنی پوری طاقت سے حملہ کرنے لگے۔ مگر اللہ اکبر۔ علی کے شیر نے ان روہا ہوں کو بھیڑ اور بکڑیوں کی طرح منتشر کر دیا۔ مورخین لکھتے ہیں۔ ”ففرقہم“ حضرت عباس نے کمال بے ہنگری سے حملہ کر کے دشمنوں کو تتر بتر کر دیا۔ (دمعہ سا کہ ص ۳۳۷) میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عباس علیہ السلام خیمہ سے باہر برآمد ہوئے۔ تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ آپ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر آپ کو اس بات کی کہ کہ پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ تاکہ سوختہ دل بچوں کی پیاس بجھے ادھر قوم اشقیاء کو یہ ضد کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حدود خیمہ تک نہ پہنچنے پائے۔ عجیب کشاکش کا عالم تھا۔ آخر شیر دل بہادر نے گھوڑے کو مہیز کیا۔ اور خیمہ کی راہ لی۔ ابھی چند گام بھی نہ چلے تھے۔ کہ قوم اشقیاء نے پیاسے پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ ”فحاربهم محاربة عظيمة“ پھر کیا تھا۔ علی کا شیر بھر گیا۔ اور مشکیزہ کو دل سے لگا کر وہ گھمسان کی جنگ کی۔ کہ طبقات ارض کے دل ہلنے لگے۔ چنانچہ آپ نے دم کے دم میں سینکڑوں دشمنوں کو ساحل زندگی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سارا میدان صاف نظر آنے لگا۔ جب اشقیاء نے یہ جرأت و ہمت دیکھی۔ سب جمع ہو کر یکبارگی حسین کے قوت بازو پر ٹوٹ پڑے اور حملہ کرنا شروع کر دیا۔ تیروں کی وہ کثرت تھی کہ میدان سیاہ نظر آ رہا تھا۔

ہجوم آوردہ از ہر سو سواران      نمودند نشان تیر باران  
سیہ شد آنچنان دشت پر از تیر      کہ مرغ نالہ عاجز شد ز شکیر

حضرت عباس کے بدن پر تیروں کی کثرت:

برادیت منتخب آپ پر تیروں کی اتنی بارش ہوئی۔ کہ آپ کا سارا بدن ساسی کے مانند ہو گیا۔ ”فاخذہ النیال من کل مکان حتی صار جلدہ كالقنفذ من كثرة النبال“ آپ پر چاروں طرف سے تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا بدن تیروں کی کثرت کے سبب ساسی کی طرح ہو گیا تھا۔ یعنی آپ کے بدن پر اس قدر تیر چبے ہوئے تھے کہ جیسے ساسی کے بدن

پر کانٹے۔ اب ذرا انصاف پر دراپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں۔ کہ ایسے سخت اور عظیم وقت میں کوئی کسی کو یاد کر سکتا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسے وقت میں اپنے نفس کی حفاظت کے علاوہ کسی بشر کے دھن میں کسی دوسرے کا خیال تک نہیں آ سکتا۔ مگر صد آفرین ایسے وفادار کی جانبازی پر جس کے بدن مطہر پر اس طرح تیر چبے ہوئے تھے۔ جیسے سہاے کے بدن پر کانٹے۔ اس کے باوجود پھر وہ اپنے دل میں حسین اور اطفال حسین کا خیال کئے ہوئے صرف اس بات کی پے در پے کوشش کرتا ہو۔ کہ چاہے قہر تن جو ہر روح سے خالی ہو جائے۔ اور عباس فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ مگر کسی نہ کسی صورت سے خیام اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ یہی سبب تھا۔ کہ آپ گھبرا گھبرا کر ”یو کھن“ گھوڑے کو ایڑ لگا رہے تھے۔ اور مرکزِ نظر خیمہ کو قرار دے کر داہنے بائیں دیکھتے تھے

نظر بریمین و یار سپاہ دلش گرم نظارہ خیمہ گاہ

کچھ میں نہیں آتا کہ اس وقت جبکہ آتشِ حرب بھڑک رہی تھی۔ جسم تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اور بہادر سپاہی جنگ میں مشغول تھا۔ آپ داہنے بائیں کیا دیکھتے تھے۔ کیا کسی مددگار کو تلاش فرما رہے تھے؟ نہیں نہیں۔ عباس جیسے جری سے یہ امر کو سوں دور ہے۔ کہ وہ کسی معین و مددگار کو تلاش کریں۔ اور اس کے سہارے سے اپنی جان بچانے کی سعی فرمائیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی کا شیر دشمنوں کے حصار میں گھر کر دائیں بائیں اس لئے نظر دوڑا رہا تھا۔ کہ اگر کسی طرف سے ذرا سا رستہ مل جائے تو وہ اس حصارِ عظیم سے نکل کر حسین کے تشنہ بلب بچوں تک پانی پہنچا دیں۔

لوگ ایسے ہی جانبازوں کو دیتے ہیں جہاں میں شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

(انوار الشہادت ص ۵۶) طبع لاہور تحفہ حسینہ ج ۱ ص ۱۷۸۔ ذکر العباس طبع اول

ص ۱۳۳ صحیح الاخران ص ۱۶۲ المواعظ والبرکات ص ۲۹۸)

آپ کا گھوڑے سے مخاطبہ:

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تیروں کی بارش نے حضرت عباس کے سامنے موت کا نقشہ پیش کر دیا ہے۔ اور یہ دھڑکن دل میں پیدا کر دی ہے کہ شاید میں خیمہ اہل حرم تک پانی نہ پہنچا سکوں گا۔ اب آپ تو سن با وفا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے اب وفادار! کسی صورت سے مجھے لے کر اس حصارِ عظیم سے نکل چل۔ تاکہ میں خیمہ اہل حرم میں پانی پہنچا دوں۔ اور حسین کے چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں (واقعات قبل قلمی ۱۳۳۲ھ)

## حضرت عباس کا داہنا ہاتھ کٹ گیا

ناخ التواريخ میں ہے کہ تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے اچھی طرح گھیر لیا۔ اور کمانداروں کے علاوہ ابن سعد کے لشکر نے حلقہ میں لے لیا۔ آپ نے شیر پیچہ شجاعت کی حیثیت سے ان پر انتہائی دلیرانہ حملے کئے علامہ اسفرانی لکھتے ہیں۔ کہ ان حملوں میں آپ نے ۲۵۰ دشمنوں کو قتل کیا۔ ناگاہ ایک کینے نے جس کا نام زید ابن وقاء تھا۔ حکیم ابن طفیل کی مدد سے جھوڑی بنائی ہوئی کینہ گاہ سے نکل کر آپ کے دست مبارک پر ایسا حملہ کیا۔ کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ حضرت عباس نے جو شیر اور چیتے کا دل اور نہنگ کا جگر رکھتے تھے۔ نہایت بخلت کے ساتھ مغلیزہ کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور دشمنوں پر اسی حالت میں حملہ کیا۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھی۔

انسی احامی ابداء عن دینی

والله ان قطعتم یمینی

تجل النبی الطاهر الامین

وعن امام صادق الیقین

مصدقاً بالواحد الامین

نبی صدق جاءنا بالمدین

اللہ تعالیٰ کی قسم اے دشمنان دین۔ اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا ہے۔ تو کچھ پروا نہیں۔ میں اسی حال میں اپنے بچے دین اور فرزند رسول التقلین امام حسین کی مدد کرتا رہوں گا۔ جو نہایت صادق الیقین امام ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ جو بالکل سچے نبی تھے۔ اور ہمارے پاس دین لے کر آئے۔ جو یکتا اور (امین) خلق کی تصدیق کرنے والے تھے۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک عظیم حملہ کیا۔ اور بروایت امام اسفرانی پچاس دشمنوں کو فکا کے گھاٹ اتار دیا۔ (ناخ التواريخ ج ۶ ص ۲۹۱ و معہ سا کہ ص ۳۳۷۔ نورالعین ص ۵۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ و مائتین ص ۲۵۸)

## حضرت عباس کا بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا

داہنے ہاتھ کے کٹنے کے بعد محکم و علم آپ نے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسی حال میں کثیر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ داہنے ہاتھ کے کٹنے سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپ پر ضعف شدید طاری ہو گیا۔ اتنے میں بروایت علامہ مجلسی حکیم بن طفیل ملعون نے جو درخت خرما میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ ایک ایسی ضرب لگائی ”قطع یدہ الیسر من الزند“ کہ آپ کا بائیں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا۔ اور بروایت اسفرانی آپ پر عبد اللہ ابن شہاب کلبی نے



حملہ کر کے آپ کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد آپ قوم جفا کار پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور بہتوں کو مار گرایا۔ یہ دیکھ کر ابن اسعد نے آواز دی۔ ارے تمہارا برا ہو۔ مشکیزے پر تیروں کی بو چھاڑ کرو۔ ”ارشقو القربة بالنبل فوالله ان شرب الحسين لماء افناكم عن اخركم اما هو الفارس بن الفارس والبطل المداعس“ اور مشکیزے کے ٹکڑے اڑا دو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر حسین نے پانی پی لیا۔ تو تم سب کو فنا کر چھوڑیں گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شہسوار روزگار حضرت علی کے بیٹے اور زبردست بہادر ہیں۔

(ترجمہ مقتل ابی مخنف ص ۴۷ و کبریت احمد ص ۲۹ و بحار الانوار و ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱)

مورخین لکھتے ہیں۔ کہ ابن سعد کے اس کہنے پر حضرت عباس پر زبردست حملہ ہوا۔ آپ نے بھی پورا زور دیا۔ اور یہ رجز پڑھی۔

یا نفس لا تنخش من الکفار      وابشری بسرحة الجبار  
مع البنى سيد الابرار      مع جملة السادات والاطهار  
قد قطعوا بغيهم يسارى      فاصلهم يا رب حر النار

ترجمہ: اے نفس۔ کافروں سے مت جھک اور خدائے جبار کی رحمت سے خوش ہو۔ جو تمام نیکیوں کے سردار نبی مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ اور تمام پاک اور پاکیزہ نفوس اور سادات کے ساتھ ملے گی۔ انہوں نے اپنی بغاوت سے میرا بایاں ہاتھ قطع کیا۔ خدایا۔ ان کو آگ کی پیش سے جلانا۔  
(تختہ حسین ج ۱ ص ۱۸۹۔ مقتل ابی مخنف ص ۷۵)

## دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد

حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ اب سقائے سیکنہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ کہ مشک سیکنہ کو دانتوں سے تھام کر وفاداری کی آخری منزل پر فائز ہونے کا ثبوت دیں۔ ”فحمل عليه السلام القربة باسنانه وجعل يركض ليوصل الماء الى عطاش اهل البيت“ آپ نے مشکیزہ کو اپنے دانتوں سے سنبھال لیا۔ اور گھوڑے کو بار بار ایڑ دینے لگے۔ تاکہ کسی صورت سے حسین کے پیالے اہل بیت تک پانی پہنچ جائے۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ و مقتل ابی مخنف ص ۷۵)

آپ کا کیا کہنا۔ مشکیزے کو دانتوں سے سنبھالا اور علم اسلام کو کٹے ہوئے ہاتھوں کی مدد سے محفوظ کر لیا۔ ”ضمه الى صدره“ آپ نے علم اسلام کو اسی طرح سینے سے لگایا۔ جس طرح

جنگ موتہ میں جناب جعفر طیار نے سینے سے لگا لیا تھا۔ آپ کا چونکہ تمام تر معاملہ جعفر طیار جیسا ہے۔ اس لئے انہیں کی طرح جنت میں پرواز کے لئے پر بھی نصیب ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۷۷ طبع لندن ۱۳۲۲ھ و کنز العمال ج ۶ ص ۳۶۲ و معالم الزلفی ص ۱۲۶ و نزہۃ الانوار ص ۳۶۲ نظم الزہراء ص ۱۲۰)

امام اسفرائینی لکھتے ہیں۔ کہ دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد حضرت عباس نے قوم جفا کار کو مخاطب کر کے کہا کہ ”ہکذا الا قی جدی المصطفیٰ وابی علی المرتضیٰ“ میں اسی طرح چند نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ اور والد بزرگوار حضرت علیؑ سے ملاقات کروں گا۔ (نور العین ص ۴۲) امام اسفرائینی کتاب مذکور کے ص ۶۰ پر بھی یہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے۔ تو آپ نے کئے ہوئے ہاتھوں سے دشمن پر حملہ کیا۔ اور کمال شجاعت کی وجہ سے تین سو پانچ دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ اور جانبازی اور شجاعت کا مکمل ثبوت دے دیا۔ جناب جعفری سرحدی کہتے ہیں۔

ہاتھوں کو کٹا کر دریا پر عباس ولاور کہتے تھے جو تا قیامت سبز رہے وہ بیخ وفا کا بونا ہے

**حضرت عباس کی دعا:**

علامہ یزدی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کے جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپ نے اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف کر کے دعا کی ”اللہم ان اطفال الحسین عطشان“ خدایا۔ حسین کے بچے پیاسے ہیں۔ میرے پالنے والے۔ اتنا انتظام کر دے۔ کہ میں پیاسے بچوں تک پانی پہنچا دوں۔

حضرت عباس کی کوشش کہ میں پہنچا دوں آب تیر کو یہ ضد کہ مشکیزہ میں پانی رہ نہ جائے (انوار الشہادت ص ۷۵ طبع لاہور)

## مشکِ سیکینہ پر تیر ستم

حضرت عباس مشکِ سیکینہ کو اپنے دل سے لگائے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ اور آپ کی پوری سعی یہ تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے خیمہ اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ ناگاہ ”فجاءہ سهم فاصاب القربة و اریق ماءہا“ ایک تیر ستم آیا اور مشکِ سیکینہ میں لگ گیا۔ تیر کا لگنا تھا۔ کہ پانی عباس کے خون کے ساتھ بہنے لگا۔

مشک پر ناوک لگا عباس کی ہمت گھٹی مل گئیں مایوسیاں بگڑی ہوئی تقدیر میں

علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں۔ ”فعند ذالك وقف العباس“ تیر کے لگتے ہی حضرت عباس کی ہمت پست ہو گئی۔ اور آپ نے خیمہ کی طرف رہروہی روک دی۔ (المواعظ والبرکات ص ۱۱۲ طبع بمبئی و دمعہ سا کہہ ص ۳۳۷) علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ پانی کے بہتے ہی حضرت عباس نے قریوس زین پر سر رکھا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ ”اب مجھے خیمہ میں جانا نصیب نہ ہو۔ بچہ طریق جواب تشنہ کا مان عورات و اطفال را دہم“ ہائے بیاسی عورتوں اور تشنہ لب بچوں کو کیا جواب دوں گا۔

چوں آب ریخت جہہ بہ قریوس زین نہاد از انفعال تشنہ لبان تن بمرگ داد  
(انوار الشہادت ص ۵۷ و تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۸۰)

### سینہ عباس پر سوفا غم

حضرت عباس مشک سیکنے کے غم میں تھے ہی۔ کہ ناگاہ ”تم جاء سهم اخرفا صاب صدرہ“ ایک دوسرا تیر غم کا آیا۔ اور سینہ اقدس میں بیوست ہو گیا۔ تیر کا لگنا تھا۔ کہ آپ گھوڑے پر ڈمگانے لگے۔ (دمعہ سا کہہ ص ۳۳۷)

### حضرت عباس کے سر اطہر پر گزرا آہنی

ابھی آپ زمین پر نہ تشریف لانے پائے تھے کہ ”فضربہ ملعون بعمود من حديد علی ام راسہ ففلق هامتہ فوق علی الارض“ ناگاہ ایک ملعون نے آپ کے سر اقدس پر گزراں بار کا ایسا وار کیا۔ کہ آپ کا سر شکافتہ ہو گیا۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ کہ جب آپ گھوڑے پر ڈمگا رہے تھے۔ تو ایک ملعون آپ کے قریب آیا۔ اور کہنے لگا عباس۔ تم تو بڑے بہادر تھے۔ اب میں جانوں اگر اپنی شجاعت کا جوہر دکھاؤ۔ حضرت عباس نے فرمایا۔ ”اے ظالم! وقتیکہ دست داشتہ چرانیامدی کہ شجاعتم را بہ بنی“ اے ظالم۔ اس وقت کہاں تھا جب میرے ہاتھ موجود تھے۔ ذرا تھوڑی دیر قبل آتا تو میں جوہر شجاعت تجھے دکھلاتا۔ یہ سن کر اس ملعون نے ”بلا خوف اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ عمودے از آہن بالا برد و برفرق نازنین آں بزرگوار فردا و رد“ ایک لوہے کا ستون بلند کیا۔ اور حضرت کے سر اقدس پر اس زور سے لگایا۔ کہ سر مبارک شکافتہ ہو گیا۔ (دمعہ سا کہہ ص ۳۳۷ نور العین ص ۴۲۔ و کشف الانوار ترجمہ بحار ج ۹ باب القضا ص ۱۷۱ طبع ایران۔ مقتل ابی محمّد ص ۵۷۔ البصار للعین ص ۴۷)

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:

حکیم ابن طفیل عمودے از آہن بر فرق  
شریفش فرو آورد۔ ایں وقت عباس از اسب  
افتاد (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۰ و انوار  
الشہادت ص ۵۷۔ اثارة الاخران ص ۳۵۔  
ومصائب المعصومین ص ۱۵۱ ترجمہ الحسین  
جلالی مصری ج ۲ ص ۱۲۱ طبع پٹنہ)

## آپ کا دماغ کندھوں پر

ارباب مقابل کا بیان ہے کہ جب حضرت عباس کے سر مبارک پر گزر گراں بار لگا۔ تو  
آپ کا دماغ مبارک کندھوں پر آ گیا تھا۔ آقائے درہندی لکھتے ہیں۔ ”فضر به حکیم ابن  
الطفیل من وراء نخلة بعمود من حديد على راسه الشريف فسقط مع راسه  
على كتفيه فهو عن متن الجواد و هو ينادى واخاه واحسيناه و ابتاه و  
اعلياه“ کہ آپ کے سر مبارک پر حکیم ابن طفیل ملعون نے کھجور کے ایک درخت کی آڑ سے لوہے  
کا ایسا گزر گراں بار لگایا۔ کہ آپ کا سر مبارک شکافتہ ہو گیا۔ اور آپ کا دماغ دونوں کندھوں پر آ  
گرا۔ ضرب لگتے ہی آپ یہ فریاد کرتے ہوئے۔ اے بھائی حسین اور اے ابا جان خبر لیجئے  
گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۷۷ جواہر الايقان ص ۲۱۳)

## حضرت عباس کا امام حسین کو پکارنا

زمین پر تشریف لاتے ہی حضرت عباس علیہ السلام نے آخری سلام امام حسین کی  
خدمت میں اس طرح پہنچایا۔ ”یا ابا عبد الله عليك مني السلام“ اے ابو عبد اللہ آپ پر  
میرا آخری سلام ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آواز دی۔ ”یا اخاه ادرك اخاك“  
اے بھیا حسین مدد کو پہنچو۔

عباس پکارے کہ خبر لیجئے آ کر مولایہ غلام آپ کا گھوڑے سے گرا ہے  
حضرت امام حسین کے کانوں میں حضرت عباس کی آواز کو پہنچنا تھا۔ کہ ”فصاح  
الحسین“ کہ آپ رو پڑے۔ (انوار الشہادت ص ۸ و تحفہ حسین ج ۱ ص ۱۸۰ مقتل ابی محسن ص ۷۵)  
علامہ واعظ کا شفی لکھتے ہیں۔ ”آ ہے از امام حسین برآمد کہ زمین کر بلا از حقیقت آن

بلرزہ درآمد، حضرت عباس کی آوازن کر امام حسین نے ایسی آہ کھینچی۔ کہ زمین کر بلا تھر تھراٹھی۔  
(روضۃ الشہداء ص ۳۶۴)

گھوڑے سے گرنے کے بعد

## حضرت عباس کے جسم میں تیروں کی پیوستگی

علامہ شیخ جعفر شوشغری تحریر فرماتے ہیں۔ میں اس سقائے تشنہ کی مصیبت کو اس وقت بیان کرتا ہوں جبکہ آپ کی جنگ اور کوششوں کے باوجود مشک پارہ پارہ ہو گئی۔ اس وقت آپ اس جگہ پہنچے جہاں اب قبر مطہر ہے۔ ”فعند ذالک وقف العباس“ اس جگہ عباس ٹھہر گئے۔ پھر آپ نے حرکت نہیں کی یہاں آپ کو ٹھہرنا پڑا۔ اگر نہ ٹھہریں تو کیا کریں۔ کہاں جائیں۔ بھاگنا بھی نہیں چاہتے۔ ہاتھ بھی نہیں ہیں۔ کہ مدافعت کریں۔ خیمہ گاہ کی طرف بھی نہیں آئے۔ اس حالت میں اہل حرم کے نالہ و فریاد کی آواز سنی۔ اس حالت میں جبکہ کھڑے ہوئے تھے۔ تیر یارانی بھی ہوئی۔ اخبار میں وارد ہوا ہے۔ ”فصار جلدہ كالقنفذ“ آپ کا جسم مثل خار پست ہو گیا تھا۔ گھوڑا اس حالت میں جولانی سے نہ رکا۔ ناگاہ ایک تیر آیا۔ اور آپ کے سینے مبارک پر لگا۔ اور حضرت عباس زمین پر گر پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کروں۔ کہ حضور کی مصیبت اسی قدر نہ تھی۔ جو تم سن چکے ہو۔ اصل مصیبت اس وقت تھی جب آپ گھوڑے سے گرے۔ تصور کیجئے۔ کہ آں جناب اس بلندی قامت کے باوجود ایسی حالت میں کہ جب گھوڑا جولان تھا۔ جب زمین پر گرے ہوں گے۔ تو کیا قیامت ہوئی ہوگی۔ وہ تمام تیر حضور کے جگر میں۔ رگ رگ میں۔ آنتوں میں اور جسم کے اندرونی حصوں میں در آئے ہوں گے۔ (الارشاد الغر اترجمہ المواعظ والبعک ص ۲۲۴ مجلس طبع لاہور)

## حضرت عباس کی صدائے فریاد سے امام حسین کی کمر ٹوٹ گئی

حضرت عباس نے گھوڑے سے گرتے ہوئے امام حسین کو آواز دی۔ بھیا اپنے غلام کی خبر لیجئے۔ اس آواز کا امام حسین کے کانوں تک پہنچنا تھا۔ کہ آپ نے کمر تھام لی۔ اور فرمایا۔ ”الان انکسر ظہری و قتل حیلتنی“ ہائے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ مسدود ہو گئی

جہاں بدیدہ مظلوم کر بلا شب شد سپہر گفت اسیری نصیب زنب شد  
(دمعہ سا کہ ص ۳۳۔ اسرار الشہادت۔ بحار الانوار ارشاد مفید اعلام الحدیٰ نسخ التواریخ، مقتل ابی مخنف، مقتل عوالم لبوف، انوار شہادت، جواہر الایقان)

## حضرت عباس کی آواز پر امام حسین کی روانگی اور راستے میں ہاتھوں کا ملنا

حضرت عباس کی صدائے فریاد امام حسین کے کانوں میں پہنچی۔ آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ علامہ بزدی بحوالہ محرق الفواد و مقتل ابن عربی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین تیزی کے ساتھ اپنے فرسِ تشنہ پر سوار حضرت عباس کے گھوڑے سے گرنے کی جگہ تشریف لئے جا رہے تھے۔ کہ راستے نے فرس تیر گام نے قدم روکے۔ حضرت نے ہر چند کوشش کی۔ کہ قدم فرس آگے بڑھے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اسپ وفادار۔ اب زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔ آخر ایسے نازک وقت جبکہ میرا بھائی زمین پر آیا ہوا ہے۔ میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہا ہے۔ اس نے ”ناگاہ بقدرت کاملہ الہی قتل از زبان آں حیوان برداشته شد۔ عرض کرد۔ ”یسا سبیدی امد! تنظر الی الادرض“ بقدرت کاملہ الہی گویا ہو کر کہا۔ مولا۔ ذرا میرے پیروں کی طرف دیکھئے۔ آپ نے کیا دیکھا۔ دیکھا۔ کہ حضرت عباس کا ہاتھ زمین پر پڑا اور خاک و خون میں لتھڑا ہے۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اتر پڑے۔ اور اسے اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسے دیے۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گئے۔ پھر ایک مقام پر دوسرا ہاتھ نظر آیا۔ آپ نے اسے سینے سے لگایا۔ پھر آگے بڑھ کر مشکیزے کے نکلے دکھائی دیے۔ امام حسین نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا۔ ”اف لك يا ديننا قتلنا اولادى عطاشا“ اے دنیاؤ! دنی! توف ہے تیرے اوپر۔ آہ میرے پیارے بچے قتل کر دیے گئے۔ (انوار الشہادت ص ۷۰ طبع لاہور ۱۲۸ھ)

علامہ شیخ شوشتری نے راستے میں حضرت امام حسین کو حضرت عباس کے ہاتھوں کے ملنے میں اختلاف فرمایا ہے۔ (المواعظ والبرکاء ص ۱۱۲ طبع بمبئی ۱۳۳۹ھ)

## حضرت عباس تک امام حسین کی رسیدگی

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے ہاتھوں کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچے۔ جہاں حضرت عباس زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک روایت کی بنا پر حضرت امام حسین اس وقت پہنچے۔ جب حضرت عباس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور دیگر روایات کی بنا پر آپ میں رزق جان باقی تھی۔ آپ نے وہاں پہنچ کر

افقادہ دیدہ غرق نجوم ماہ پیگرے      یا رب نہ بیند بچہ متنے را برادرے

دیکھا کہ آپ خاک و خون میں آغشته ہیں۔ آپ کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ سینے میں تیر پیوست ہے۔ سر پر گزراں بار نے وہ اثر پیدا کر دیا ہے۔ کہ ”الامان والحفیظ“ آپ نے یہ کچھ دیکھ کر فریاد کی ”وا احساہ واعباساہ وامہجۃ قلباہ واقرة عیناہ واقلة ناصرہ یعز علی فراقک“ اے بھائی اے عباس۔ اے دل کے سکون۔ اے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اے بے ناصر و مددگار۔ اے تیری جدائی میرے لئے سب کی جدائی سے زیادہ شاق ہے۔ کثیر روایات کی بنا پر آپ نے فرمایا۔ ”الان انکسر ظہری وقتل حیلنی“

کسروا بقضاک ظہر سبط محمد و بکسرہ انکسرت قوی الاسلام  
اے عباس دشمنوں نے تم کو قتل کر کے حسین کی کمر توڑ دی۔ اور حسین کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کی کمر شکستہ ہوئی۔

صاحب تلخیص النصیبت لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کے کانوں میں حسین کی آواز کا پہنچنا تھا۔ کہ آپ نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔ اور تعظیم کے لئے اٹھنے کی سعی کرنے لگے۔ مگر اٹھ نہ سکے۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۲۳ تحفہ حسین ج ۱ ص ۸۷ تلخیص النصیبت ص ۲۵۹ طبع لکھنؤ)

### حضرت عباس کی آنکھوں میں تیر:

مشہور ہے کہ حضرت عباس کے پاس جس وقت حضرت امام حسین پہنچے۔ تو آپ نے ان کے چشم ہائے مبارک میں سات تیر پیوست دیکھے۔ جنہیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے نکالا۔ علامہ ساوی تحریر فرماتے ہیں کہ ”حضرت عباس کے سر مبارک پر قبیلہ بنی تمیم کے ایک شخص نے گرز مارا۔ اور جناب گھوڑے سے زمین پر آ گئے۔ اور آپ نے باواز بلند حضرت امام حسین کو پکارا۔ اے میرے مولا و آقا۔ تشریف لائیے۔ آواز کے سنتے ہی حضرت مثل باز کے پہنچے۔ دیکھا کہ دونوں ہاتھ نہیں ہیں۔ پیشانی پارہ پارہ ہے۔ آنکھوں میں تیر لگے ہوئے ہیں۔ حضرت جسم مبارک عباس کے قریب بیٹھ گئے۔ اور رونے لگے تا آنکہ روح مبارک پرواز کر گئی۔

(نور العین ترجمہ ابصار العین علامہ ساوی ص ۲۸ طبع حیدر آباد)

### حضرت عباس کا وصیت فرمانا

آقائے در بندی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کی آواز پر امام حسین شکستہ پر بازی طرح دشمنوں پر چھپنے اور بڑے بڑے سرد دشمنوں کو تہ تیغ کر کے حضرت عباس تک پہنچے وہاں پہنچ کر حضرت عباس کی حالت ملاحظہ کی۔ اور فرمایا۔ اے بھائی۔ تم نے کمر توڑ دی۔ اس کے بعد آپ

نے ارادہ کیا۔ کہ حضرت عباس کو اٹھا کر خیمہ میں لے جائیں۔ حضرت عباس کو جو یہ محسوس ہوا کہ مجھے اٹھایا جا رہا ہے۔ آنکھیں کھول دیں۔ اور پوچھا۔ بھائی کیا ارادہ ہے۔ فرمایا تمہیں خیمہ میں لے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ ”یا اخی بحق جدک رسول اللہ علیک الاتحملنی ودعنی فی مکانی ہذا“ آپ کو رسول مقبول کا واسطہ۔ آپ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیں۔ امام حسین نے پوچھا بھائی وہ کیوں؟ عرض کی ”لانی مستحی من ابتک مسکینۃ“ مجھے سیکندہ سے حیا آتی ہے۔ میں اس سے وعدہ کر کے آیا تھا۔ کہ میں تیرے لئے پانی لاؤں گا۔ اور چونکہ میں وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس لئے میں اس کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ (اسرار الشہادت ص ۳۳۷ طبع ایران ۱۳۷۹ھ) بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت عباس نے ایک وصیت یہ بھی کی تھی۔ کہ میری زوجہ سے میرے حقوق معاف کر دیجئے گا (تخصیص المصیبت ج ۳ ص ۲۲۰) بعض کتب مقل میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ جب حضرت عباس کو محسوس ہوا۔ کہ ان کا سر امام حسین کے زانو پر ہے تو انہوں نے اپنا سر ہٹا لیا۔ اور عرض کی۔ مولایہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میرا دم اس حال میں نکلے کہ میرا سر آپ کے زانو پر ہو۔ کیونکہ بعد عصر آپ کا سر مبارک زمین گرم پر ہوگا۔ (واقعات مقل قلمی)

## حضرت امام حسین کا فریاد کرنا

حضرت عباس کے وصیت کرتے ہی امام حسین نے فریاد شروع کر دی آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اخیان نور عینی یا شفیقی	فللی قد کنت کالرکن الوثیق
ایا ابن ابی نصحت اخیک حتی	سقاك الله کاسا من رحیق
ایا قمر امنیرا کنت عونى	على کل النوائب فى المضیق
فعدک لا تطیب لنا حیراة	سنجمع فى الغداوة على الحقیق
الاله نشکواى و صبرى	وما القاه من ظمأ و ضیق

ترجمہ۔ اے میرے بھائی! تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ہے۔ تو میری زندگی کے لئے ایک مستحکم رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اے میرے بھائی تو نے اپنے بھائی کا اس طرح ساتھ دیا ہے۔ کہ اب جام موت سے سیراب ہو رہا ہے۔ اے ماہ روشن تو نے ہر مصیبت اور ہر تنگی میں میری مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں تیرے بعد زندگی پسند نہیں کرتا۔ دیکھ عنقریب کل ہی ہم لازمی طور پر بارگاہِ احدیت میں جمع ہو جائیں گے بے شک ہماری صبر و ٹھیکبائی کا مرکز اور تنگی و ترشی کا



ماویٰ ذات باری ہے۔ ہمیں اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (اسرار الشہادت) ایک روایت میں ہے۔  
کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے قوم نابکار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔

تعدیتکم یا شر قوم ببغیکم      وخالفتموا دین النبی محمد  
اما کان خیر الخلق وصاکم بنا      اما کان جدی غیرۃ اللہ احمد  
اما کانت الزہراء امی والدی علیا      اخا خیر الانام المسدد  
لعتنم واخزیتم بما قد جنیتم      فسوف تلاقوا حرنار توقد  
(ترجمہ) اے بدترین قوم۔ تم نے اپنی سرکشی کی وجہ سے ظلم پر کمر باندھ لی ہے۔ اور تم نے ہمارے  
بارے میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی مخالفت کی۔ کیا بہترین خلق محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے بارے  
میں تم کو وصیت نہیں کی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ احمد مجتبیٰ ﷺ ہمارے نانا نہ تھے۔ کیا میری  
ماں فاطمہ زہرا نہ تھیں۔ کیا ہدایت یافتہ اور بہترین خلق کے بھائی علی میرے باپ نہ تھے۔ سنو تم پر  
لعنت رہے گی۔ اور جو گناہ تم نے کئے ہیں۔ ان کا مواخذہ کیا جائے گا۔ یاد رکھو۔ غنقریب تم لوگ  
آگ کے بھڑکتے شعلوں میں جلو گے (دمعہ ساکبہ ص ۳۳ و مقتل ابی مخنف ص ۵۷ نوادر الادب  
ص ۳۱ طبع لکھنؤ۔ تاریخ التوارخ ج ۶ ص ۲۹۱)

علامہ السید محمد حسن اپنی کتاب الدمعة الساکبہ منظوم ص ۱۱ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ میں لکھتے ہیں:

ولما رأی عباسہ متجدلا      فقال ویبکی والحشای تضمر  
وبعدک ظہری یا اخی لمکسر      وما حیلتی الا ولیس تیمم  
ترجمہ: اور جب آپ نے اپنے بھائی عباس ابن علی کو زخمی اور خاک و خون میں غلطان  
زمین پر پڑا دیکھا۔ تو یہ کلمات حسرت آپ نے ارشاد فرمائے اور آپ روتے جاتے تھے۔ اور گویا  
آپ کے دل و جگر سے شعلے نکل رہے تھے۔

## اوہم بشہید ان دگر ملحق شد

ابو مخنف لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس زمین پر رخسار کے بل گر پڑے۔ اپنے خون میں  
ترپ کر آواز دینے لگے۔ اے ابو عبد اللہ حسین۔ آپ پر میرا آخری سلام۔ امام حسین نے جس  
وقت عباس کی آواز سنی۔ فرمایا ہائے میرے دل کی روح رواں ”تم حمل علی القوم  
فکشفہم عنہ“ پھر آپ نے ان لوگوں پر حملہ فرما کر اپنے بھائی کے پاس سے ہٹا دیا (مقتل ابی  
مخنف ص ۳۷) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ ”خود را بروئے او انداخت۔ و شیون در  
گرفت۔ جمعی سوار و پیادہ کہ آنجا بودند بیک باز بروئے حملہ کردند و ذرہ ذرہ گوشت اعضائے اور

اہل ہائے نیزہ در بودیز“ حضرت عباس کی آواز سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر اپنے کو حضرت عباس پر گرا دیا۔ اور بے پناہ گریہ کرنے لگے۔ اتنے میں ان سواروں اور پیدلوں نے مل کر حضرت عباس پر حملہ کر دیا۔ اور آپ کے جسم مطہر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (روضۃ الشہداء ص ۳۶۳) علامہ ساوی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے جسم کے قریب بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ بالیکہ روح مبارک پرواز کر گئی۔ حضرت نے وہاں سے اٹھ کر لشکرِ اعدا پر ایسے حملے کئے۔ کہ سارا لشکر بھیڑوں کی مانند ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ آپ فرماتے تھے۔ اے میرے برابر کے بھائی کو قتل کرنے والو۔ اب کہاں بھاگ رہے ہو (ترجمہ البصائر العین ص ۳۸ طبع حیدر آباد) علامہ محمد باقر السبہانی تحریر فرماتے ہیں کہ

ان من كثرة الجراحات الواوۃ علی  
العباس لم یقدر الحسین ان یحملہ  
السی محل الشہداء فترك جسده فی  
محل قتله و رجع باکیا حزینا الی  
الخیماء

حضرت عباس علیہ السلام کے جسم مبارک پر  
اتنے زیادہ زخم تھے کہ امام حسین اس چیز پر قادر  
نہ ہو سکے۔ کہ انہیں گنج شہیداں تک لاسکیں۔  
بنابریں محل قتل پر چھوڑ کر باصد گریہ و بکا واپس  
تشریف لے آئے۔

(دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷ طبع ایران)

آقائے درہندی تحریر فرماتے ہیں ”فوضعه فی مکانہ ورجع الی الخیمۃ وهو  
یکفکف دموعہ بکم“ حضرت امام حسین بصد مجبوری حضرت عباس کے جسم مطہر کو مقام قتل پر  
چھوڑ کر اس حال میں واپس آئے کہ آستین سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۳۷)  
علامہ یزیدی رقمطراز ہیں کہ:

آنحضرت در وقتیکہ بر سر نعش حضرت عباس  
علیہ السلام آمد۔ آن بدن را مجروح و پارہ  
پارہ یافت۔ بخدا کیہ نتوانست حضرت از  
کثرت جراحت آنرا نمجیہ گاہ نقل نماید۔  
آن را بحال خود گزاشت و تنہا مراجعت نمود

جب امام حسین حضرت عباس کے سر ہانے  
پہنچے۔ تو ملاحظہ فرمایا۔ کہ بدن عباس بالکل  
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا ہے۔ اور اس کثرت  
جراحت کی وجہ سے آپ خیمہ گاہ میں نہ لا  
سکے۔ بلکہ اس حال میں اسی جگہ چھوڑ کر تنہا  
واپس چلے آئے۔ (انوار الشہادت ص ۶۰)

غرض کہ حضرت عباس علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ کر ہمیشہ کے  
لئے رخصت ہو گئے۔ اور کس قدر رنج کی بات ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اس جانباڑ  
برادر کی نعش محترم تک کثرت جراحت کی وجہ سے خیمہ میں نہ لاسکے۔ ”انا لله وانا الیہ راجعون“

مستر عبدالجید مدیر رسالہ ”مولوی“ دہلی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت یوم عاشور بعد از ظہر واقع ہوئی ہے (شہید اعظم ص ۲۲۱ طبع دہلی)

## جناب سیکینہ کا امام حسین سے حضرت عباس کے متعلق سوال اور محذرات عصمت کا گریہ

آقائے درہندی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے جسم مطہر کو میدان میں چھوڑ کر آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے جیسے ہی خیمہ میں پہنچے ہیں۔ ”اتت الیہ سکینة ولزمت عناء جوادہ“ جناب سیکینہ دوڑ پڑیں۔ اور لجام فرس سے لپٹ کر عرض کرنے لگیں۔ باباجان ”هل لك علم نعمی العباس“ آپ کو میرے چچا عباس کی بھی کچھ خبر ہے۔ اے بابا۔ میں نے ان سے پانی کی خواہش کی تھی۔ وہ اب تک پلٹ کر نہیں آئے۔ بابا جان۔ وہ تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے۔ آپ سچ بتائیے کیا ہمارے چچا جان نے پانی پی کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ اور ہم سب کو بھول گئے۔ یا دشمنوں سے حصول آب کے لئے اب تک لڑ رہے ہیں۔ ”فعندھا بکی الحسین“ یہ سن کر حسین بے ساختہ رو پڑے اور کہنے لگے۔ میری بیٹی! تمہارے چچا عباس قتل کر دیے گئے۔ اور ان کی روح جنت کو پرواز کر گئی۔ ”فلما سمعت زینب صرخت و نادت“ یہ سننا تھا۔ کہ جناب زینب بھی چلا کر روئیں اور آواز دی۔ ”واعباسا“ اے میرے بھائی عباس۔ آپ نے تو سخت مایوسی پیدا کر دی۔ اس کے بعد تمام بیبیاں رونے لگیں۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ امام حسین بھی گریہ فرمانے لگے

ز گفتار او عرش شدا اشکبار جہاں گشت از گریہ اش بے قرار

(اسرار الشہادت ص ۳۳۷ و جواہر الایقان ص ۳۱۳)

## حضرت عباس کی خبر شہادت سے خیمہ میں کھرام

عالم اہل سنت امام ابو اسحاق اسفرائینی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کی خبر شہادت کا خیمہ میں پہنچنا تھا کہ ”خرجت النساء وبکین علیہ وعلت اصواتہن بالبکاء والنحیب حتی بکت لبکائہن ملئکة السماء فادخلهن الحسین فی الخیام“ عورتیں خیمہ سے نکل پڑیں اور بے پناہ گریہ کیا ان کی آوازیں بلند تھیں۔ اور ان کے رونے سے ملائکہ گریہ کن تھے۔ یہ دیکھ کر امام حسین نے عورتوں کو داخل خیمہ کر دیا۔

پراز گریہ شد از سمانہ سمک پر از نوحہ بود ازند میں تافک  
(نورالعین ص ۶۰ طبع بمبئی)

## ”سر دیں را برید بے دینے“

مذکورہ مصرعہ سے مولانا روم نے حضرت عباس کی تاریخ شہادت نکالی ہے۔ لفظ دین سے دال کو علیحدہ کرنے سے تاریخ شہادت حضرت عباس نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ مظفر حسین صاحب اسیر شاعر دربار واجد علی شاہ تاجدار اودھ نے ”سید بے یز“ سے تاریخ نکالی ہے۔ اور جناب یاس آزدی نے فقط ”حسین“ کا سرکٹ کر حروف منقوٹہ و غیر منقوٹہ سے علیحدہ علیحدہ تاریخ نکالی ہے (اقول) اگرچہ ہر ایک سے ۶۰ ہجری نکلتی ہے۔ لیکن بلاغت کی وجہ سے قابل قدر ہے۔

## آپ کی کنیت ابو قریبہ:

علامہ اسفرائی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے چونکہ کربلا میں کمال بے جگری سے سقائی فرمائی تھی۔ لہذا آپ کا لقب سقا قرار پایا تھا۔ اور چونکہ آپ کی شہادت مشکیزہ کے پراز آب کرنے کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے۔ لہذا آپ کی کنیت ابو قریبہ قرار پائی۔ (ابصار العین ص ۲۹ طبع نجف اشرف) علامہ عبدالرزاق موسوی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابو الفضل۔ ابو قریبہ اور ابو القاسم تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے زیارت اربعین میں اس طرح سلام کیا ہے۔ ”السلام علیک یا ابا القاسم یا عباس بن علی“ الخ (قمر بنی ہاشم ص ۲۵)

## حضرت عباس کی عمر شریف

شہادت کے وقت حضرت عباس کی عمر شریف کیا تھی؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) کتاب ذیح عظیم ص ۳۱۵ میں ۲۳ سال۔ (۲) شرعہ المصائب ج ۲ ص ۸۷ میں تیس سال۔ (۳) ید بیضاء ص ۱۰۳ میں بتیس سال۔ (۴) واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و نتائج ص ۹ میں بتیس سال (۵) چراغ زندگی حصہ ۳ ص ۱۹۲ میں ۳۵ سال (۶) جواہر البیان ص ۲۳۶ میں ۳۶ سال (۷) حدائق الانس ص ۶۱ میں ۳۵ سال سے زائد (۸) مرقات الایقان ص ۱۷ میں ۳۵ سال مرقوم ہے۔ لیکن علمائے تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی عمر شریف بوقت شہادت ۳۳ سال کی تھی۔ ”عباس در وقت شہادت سی و چار سالہ بود۔ ملاحظہ ہو ناخ التواریخ ج ۶ ص ۲۹۱ عبدالمطالب ص ۲۵۱ مفاتیح الجنان ص ۵۵۰ فوائید المشاہد ص ۲۲۳ ومعہ ساکبہ ص ۳۳۷ مقاتل الطالین ص انوار الحیۃ ص ۶۶ اخذ الثمر ص ۳۹۸۔ تاریخ ائمہ ص ۲۹۶۔ البتہ تاریخ ولادت ۴

شعبان ۲۶ھ اور تاریخ شہادت ۱۰ محرم الحرام ۱۱ھ کو ملانے سے چند ماہ کا اضافہ مستطبت ہوتا ہے یعنی آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ تھی۔

## حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں آخری شہید ہیں

اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ بنی ہاشم کا آخری شہید جو میدان میں جا کر لڑ سکتا ہو۔ امام حسین سے قبل کون ہے۔ علامہ اسفرائی نے حضرت عباس کو قرار دیا ہے۔ لیکن تقریباً تمام ارباب مقاتل نے حضرت علی اکبر کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے آخری شہید ہیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں ”وہو اخر من قتل من اخوتہ لا بیہ ومہ“ حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں سب کے بعد قتل ہوئے ہیں۔ (بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۳)

## حضرت عباس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد

حضرت عباس کے ہاتھوں سے کتنے دشمنان اسلام قتل ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل بتانی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے بہادر تھے جو حضرت علی کی طرح جب تلوار اٹھاتے تھے۔ پرے کے پرے صاف کر دیتے تھے۔ اور تلوار سے قتل کئے جانے والوں کی تعداد کا لکھنا اس لئے بھی مشکل ہے۔ کہ تقریباً ہر مجاہد میدان میں آپ سے مدد چاہتا تھا۔ اور آپ جا کر تلوار چلاتے رہے۔ البتہ آپ نے نیزے سے جتنے دشمنوں کو قتل کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

طاویہ پر سوار ہونے سے پہلے ۵۳۰۔ طاویہ پر سوار ہو کر ۲۸۰ نہر فرات میں اترنے سے پہلے ۸۰۰ دھتا ہاتھ کٹنے سے پہلے ۴۵۰۔ بایاں ہاتھ کٹنے سے پہلے ۵۰ دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد دانتوں اور کئی ہوئی کلائی کے ذریعہ سے ۳۰۵ دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ (نور العین امام اسحاق اسفرائی ص ۵۸ تا ص ۶۰ طبع بمبئی و اسرار الشہادت آقائے در بندی ص ۳۷ طبع ایران)

## امام معصوم کا حضرت عباس علیہ السلام پر سلام

حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں حضرت عباس پر ان لفظوں میں سلام فرما رہے ہیں ”السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المومنین المواسی اخاہ ینفسہ الاخذ لغدہ من امسہ الفادی لہ الواقی الساعی الیہ بمائہ المقطوعۃ یداہ لعن اللہ اتلیہ یزید بن رقاد الحیی وحکیم ابن طفیل الطامی“

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علی کے فرزند جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام پر سلام ہو جو اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کرنے والے اور ان پر قربان ہونے والے۔ انہیں اپنی روح کے ذریعہ سے بچانے والے اور طلب آب میں اپنے ہاتھوں کو کٹانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں پر یزید ابن رقاد اور حکیم ابن طفیل پر لعنت کرے۔ (بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۰۸ طبع ایران)

## حضرت عباس کے خوں بہا لینے کی تاکید

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں یہ جملہ ملتا ہے ”و دمہ فی بنی حنیف“ (و دمہ سا کہہ ص ۳۳) کثوری بحوالہ عبدالطالب تحریر فرماتے ہیں ”و دم العباس فی بنی حنیف“ یہ جملہ اگر مصنف کی طرف سے ہے۔ تو محض خبر ہے۔ اور اگر حدیث صادق آل محمد کا تتمہ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ماننے والوں کو بتا رہے ہیں کہ وہ سلاً بعد سلاً آگاہ رہیں۔ اور جب حضرت حجت ظہور فرما کر شہداء کر بلا کے خون کا بدلہ لینے لگیں۔ تو انہیں باخبر کریں۔ کہ حضرت عباس کے خون کی ذمہ داری بنی حنیف پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس کے خون کا بدلہ لینا بے اعتناء ضروری ہے۔ (ماہین ص ۲۳۳)

حضرت عباس کی شہادت کے بعد امام حسین کا چہرہ اتر گیا مؤرخین کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کسی کے قتل سے تاثر حاصل نہیں کیا۔ یعنی آپ پر کسی کی شہادت کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ البتہ حبیب ابن مظاہر کی شہادت کا اثر ہوا تھا۔ مگر حضرت عباس کی وجہ سے انہیں زیادہ پروا نہیں ہوئی۔ مگر جب حضرت عباس علیہ السلام شہید ہوئے۔ تو ”بان الانکسار فی وجہ الحسین فجلس مہموما مغموما ودموعہ تجری علی خدیہ“ تو آپ کے چہرے پر مایوسی اور انکساری ظاہر ہو گئی۔ اور آپ خاموش ہو کر نہایت غم اور الم کی حالت میں بیٹھ گئے۔ اور آنسو آپ کے رخساروں پر جاری تھے۔ ”فاتی الیہ ولدہ“ یہ دیکھ کر حضرت علی اکبر حاضر ہوئے اور عرض پر داز ہوئے بابا جان ”قتل عمی العباس فلا خیر لی فی الحیواۃ بعدہ“ ہمارے چچا عباس قتل ہو چکے ہیں اب میں ان کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ امام حسین نے فرمایا۔ بیٹا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت علی اکبر نے عرض کی۔ بابا جان! اب تو یہ ہونا ہے۔ اور مجھے آپ پر نثار ہونا لازمی ہے۔ تاریخوں میں یہ بھی موجود ہے۔ کہ حضرت عباس کے شہید ہو جانے کے بعد ”تدافعت الرجال“ دشمن بالکل بے لحاظ ہو کر ٹوٹ پڑے۔ (و دمہ سا کہہ ص ۳۳۸ ناخ ج ۶ ص ۲۹۲)

## حضرت عباس کے بارے میں امام حسین سے امام زین العابدین کا سوال

حضرت عباس کے بعد حضرت علی اکبر اور ان کے بعد جناب علی اصغر شہید ہو گئے۔ اب آپ کا کوئی صغیر و کبیر مددگار باقی نہ رہا۔ آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو بہتر شہید دکھائی دیے۔ بعدہ آپ خیمہ اہل حرم میں تشریف لائے۔ اور آواز دی۔ اے سکیںہ اے فاطمہ۔ اے زینب۔ اے ام کلثوم۔ تم پر سلام آخری ہو یہ سن کر جناب سکیںہ نے چلا کر کہا۔ اے بابا جان کیا آپ نے موت کا فیصلہ کر لیا ہے آپ نے فرمایا۔ بیٹی وہ شخص کیونکر موت کا استقبال نہ کرے۔ جس کا کوئی مددگار باقی نہ رہے۔ جناب سکیںہ نے عرض کی بابا جان۔ اگر آپ نے اپنی شہادت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو ”ردنا الی حرم جلدنا“ ہمیں نانا کے روضے تک پہنچا دیجئے۔ امام حسین نے فرمایا ”ہیہات لئو ترک القطع النام“ افسوس! اے بیٹی۔ اگر قحط طائر چھوڑ دیا جاتا۔ تو سو رہتا۔ یعنی اے بیٹی یہی تو ناممکن ہے۔ یہ سن کر تمام عورتیں چیخ مار کر رونے لگیں۔ امام حسین نے سب کو خاموش کیا۔ اور صبر کی تلقین فرمائی۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب امام حسین علیہ السلام پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اور آپ تنہا رہ گئے تو اپنے بھائیوں کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور انہیں خالی پایا۔ پھر اصحاب کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ انہیں بھی خالی پایا۔ تو بار بار ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم“ فرمایا اور محذرات عصمت کے خیمے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے بعد امام زین العابدین کے خیمہ میں آئے۔ اور ملاحظہ فرمایا کہ وہ ایک کھال پر پڑے ہیں۔ اور جناب زینب ان کی تیمارداری میں مشغول ہیں۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر جناب امام حسین پر پڑی۔ تو آپ اٹھنے لگے۔ مگر اٹھ نہ سکے۔ پھر آپ نے جناب زینب سے کہا۔ کہ بچو بھی اماں مجھے اٹھا کر بٹھائیے۔ انہوں نے اپنے سہارے اٹھا کر بٹھایا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ بیٹا تمہارا مرض اب کیسا ہے اور طبیعت کیسی ہے؟ آپ نے عرض کی۔ بابا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا بابا جان۔ ان منافقوں کے ساتھ کیا ٹھہری۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ ان پر شیطان چھا گیا ہے۔ اور جنگ جاری ہے۔ اور سنو۔ زمین مقتل خون سے رنگین ہو چکی ہے۔ ”فقال علی علیہ السلام یا اتباہ واین عمی العباس فلما سالہ عن عمہ اختلفت زینب بغیرتھا و جعلت منتظر امی اخیھا کیف یجیبہ لا نہ لم یخبرہ بشہادۃ عمد العباس خوفا لا یشتد مرضہ“ یہ

سن کر امام زین العابدین نے پوچھا۔ بابا جان میرے چچا عباس کہاں ہیں۔ ان کے اس سوال کے کرتے ہی زینب کی یچی بندھ گئی۔ اور وہ اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگیں۔ کہ بھائی اس اہم سوال کا کیا اور کیسے جواب دیں گے۔ اس لئے کہ امام حسین شہادت عباس کو امام زین العابدین سے چھپائے ہوئے تھے۔ کیونکہ مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ امام حسین نے فرمایا ”یہی ان عملک قد قتل“ اے بیٹا تمہارے چچا عباس قتل کر دیے گئے۔ اور ان کے دونوں ہاتھ برب فرات قطع کر دیے گئے۔ ”فبکسی علی ابن الحسین بکاء شدیداً“ یہ سن کر امام زین العابدین علیہ السلام اس بے قراری سے روئے کہ بیہوش ہو گئے۔ تو پھر جب افاق ہوا۔ تو ہر ایک کے متعلق پوچھنے لگے۔ امام حسین ہر ایک کے جواب میں فرماتے گئے ”قتل“ بیٹا وہ بھی قتل ہو گئے۔ بالآخر امام حسین نے فرمایا۔ اے بیٹا۔ ”لیس فی الخیمام رجل الا انا وانت“ اب خیمہ میں میرے اور تمہارے سوا کوئی زندہ نہیں ہے۔ تم جن کے متعلق پوچھو گے۔ وہ سب قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر امام زین العابدین نے انتہائی شدت کے ساتھ رونا شروع کیا۔ اور اپنی پھوپھی زینب سے فرمانے لگے۔ پھوپھی جان میرا عصار اور میری تلوار دیجئے۔ امام حسین نے پوچھا۔ بیٹا کیا کرو گے۔ عرض کیا۔ عصار تکیہ کر کے تلوار سے لڑوں گا۔ اور آپ پر قربان ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر امام حسین نے ”ضممہ الی صدرہ“ انہیں اپنے سینے سے لگا کر فرمایا۔ بیٹا تم میرے بعد خلیفۃ الارض ہو۔ ان سب کی نگرانی بھی تمہارے ذمہ ہے (ومعہ ساکبہ ص ۳۴۲) اس کے بعد آپ نے زینب سے فرمایا۔ کہ بہن پرانا کپڑا دے دو۔ تاکہ میں اسے اپنے تمام کپڑوں کے نیچے پہن لوں۔ زینب نے عرض کی۔ بھیا اسے آپ کس لئے پہنیں گے۔ فرمایا۔ بہن اس واسطے پہنوں گا کہ اسے میری شہادت کے بعد کوئی میرے جسم سے نہ اتارے۔ اس کے بعد جناب زینب پرانے کپڑے لائیں آپ نے انہیں اور چاک کر کے سب کپڑوں کے نیچے پہن لیا۔ یہ حال دیکھ کر ”فسارتفعت اصوات النساء بالبکاء والنحیب“ خیمہ اہل حرم میں کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ بعدہ امام حسین ان سب کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ (ابصار العین ص ۲۸ و معہ ساکبہ ص ۳۴۰ مجمع النورین مجلس ۵ ص ۳۱۹)

## امام حسین کے گھوڑے کی رکاب جناب زینب کے ہاتھوں میں

حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہو چکے ہیں۔ اور آپ میدان میں جانا چاہتے ہیں۔ آپ کی کمر لوث چکی ہے۔ بازو شکستہ ہو چکے ہیں جسم سے اتنا خون نکل چکا ہے۔ کہ



اب آپ بلا اعانت گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے۔ نہ قاسم نے علی اکبرؑ سے نہ عباسؑ سے۔ کوئی موجود نہیں جو رکاب تھا۔ اس سلسلی راجہ سرکشن پر شاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد لکھتے ہیں۔ ”کیا یہ برداشت کے قابل تھا۔ کہ حسین کو رخصت کرنے کے لئے کوئی مرد نہیں ہے۔ کہ رکاب تھام کر سوار کرے۔ علی کی بیٹی یہ رسم (فریضہ) ادا کرتی ہیں۔ شجاعان عالم اس بی بی کے قدم کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائیں۔ اور فخر کریں۔ شہدائے عالم دیکھیں اور وجد کریں۔ کہ کوئی بے یار و مددگار بی بی جو اس کے بعد اپنے لئے دنیا کی مصیبتیں دیکھ رہی ہے۔ اس فرض کو کس طرح ادا کرتی ہے۔ (شہید کر بلا ص ۱۳-۱۲ طبع لکھنؤ ۱۳۵۸ھ)

## نعش عباس پر خط صغریٰ

حضرت امام حسین علیہ السلام محذرات عصمت سے رخصت ہو کر میدان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور آپ کے قدم قتل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کہ ناگاہ ایک زائر نجف نظر پڑا۔ اس نے قریب آ کر پوچھا آپ کون ہیں؟ اور یہ قتل و غارت کا کیا واقعہ ہے۔ آپ نے حالات پر ہلکا سا تبصرہ کیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا آپ نے فرمایا۔ تو جس کی زیارت کو نجف آیا تھا۔ ہم انہیں کے فرزند ہیں۔ اس نے عرض کی۔ مولا۔ عباس ابن علی کہاں ہیں۔ امام حسین نے فرمایا۔ وہ بھی قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر زائر نجف نعرے مار کر رونے لگا۔ اور امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے فریاد کرنے لگا۔ مولا آئیے۔ اور اپنے فرزندوں کی خبر لیجئے۔ (ریاض الشہداء ص ۲۵۵) پھر امام حسین اس مقام سے آگے بڑھ کر اس پہاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ جس پر علی اصغر نے شہادت پائی تھی۔ کہ دشمنوں نے زبردست حملہ کر دیا۔ علامہ سادوی لکھتے ہیں کہ پھر امام حسین نے شیر غضبناک کی طرح حملہ کیا۔ اور آپ کے دشمنوں سے خون برابر جاری رہا۔ لشکر والے حضرت کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔ پھر وہ اشقیاء حضرت کے خیموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر امام حسین نے شمر کو آواز دی اور کہا۔ اے آل ابی سفیان تمہاری غیرت و حمیت کیا ہو گئی ہے۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے۔ تو کم از کم عرب کے دستور کا لحاظ کرو۔ ارے جنگ ہم سے اور تم سے ہو رہی ہے۔ میری زندگی میں خیام کو تاراج کرنا کوئی انسانیت نہیں ہے۔ ارے شمر۔ اپنے ہم لشکر والوں اور سرہنگوں کو منع کر۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک زبردست حملہ کیا۔ ادھر سے ان لوگوں نے بھی تیز و خیر و تلوار تیزی سے برسانا شروع کر دیا۔ (ابصار العین ص ۲۹) علامہ شیخ جعفر شوشغری لکھتے ہیں۔ کہ امام حسین نے ان جفا کاروں کو متوجہ کر کے کہا۔ اگر تم ہم کو پانی نہیں

دیتے ”افلا بایں زنها آب دہید“ کم از کم غریب عورتوں کو پانی دے دو۔ مگر ادھر سے ایک ہی جواب تھا۔ کہ پانی کا ایک قطرہ نہ دیا جائے گا۔ (المواعظ والبعاء ص ۱۰۹) علامہ سادوی لکھتے ہیں کہ حملوں کے درمیان میں آپ بار بار اتمام حجت کے لئے پانی طلب فرما رہے تھے۔ تاہم آپ کو زخموں نے چور چور کر دیا اور آپ نے دم لینے کے لئے گھوڑے کو ٹھہرایا۔ (البصائر لعین ص ۲۹)

حسین اور طلب آب اے معاذ اللہ تمام کرتے تھے حجت سوالی آب نہ تھا اتنے میں آپ نے دیکھا کہ ایک سائنڈی سوار سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ آپ اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ وہ ناقہ سے اترا۔ قریب پہنچا۔ اور پیروں پر گر پڑا۔ امام نے فرمایا۔ کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو۔ مسافر نے جواب دیا۔ میں مدینہ منورہ کا رہنے والا ہوں۔ اور بنی فاطمہ کا غلام ہوں۔ ایک روز دو پہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی۔ میں ایک گلی سے جا رہا تھا۔ میں نے یاحسین یا حسین کی جگر خراش آواز سنی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی زمین پر بیٹھی حسین حسین کے نعرے لگا رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر پوچھا۔ تو کون ہے۔ اس دل بھرا آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور کہا۔ واسطہ اللہ تعالیٰ کا باپ سے بچھڑی ہوئی۔ بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغریٰ کا خط باپ تک پہنچا دے۔

(سیدہ کالال علامہ راشد الخیری در سالہ مولوی دہلی محرم ۱۳۵۱ھ ص ۵۴)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں:

نامہ فاطمہ رابست حضرت داد۔ کہ ناقہ سوار نے ایک خط حضرت امام حسین اوگرفت۔ ملاحظہ کرو۔ دید۔ از دختر علیہ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ ہجراں کشیدہ اش فاطمہ است۔ کہ وعدہ دیکھا کہ فاطمہ صغریٰ کا خط جن سے وعدہ کیا وصال بادادہ بود خیلے برآمدہ صعب و سخت تھا۔ کہ میں تمہیں جلد بلاؤں گا۔ یہ خط دیکھ کر گزشت۔ آپ کو سخت رنج پہنچا۔

آپ اس خط کو لیے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے۔ اور ننب وام کلثوم رقیہ اور رباب کو پکار کر کہا فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ ان عورتوں میں کہرام مچ گیا۔

(ریاض القدر ج ۱ ص ۱۱۶ طبع ایران)

بعض ارباب مقاتل لکھتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین اس کو لئے ہوئے حضرت عباس اور علی اکبر کی لاش پر آئے۔ اور پکار کر کہا۔ اے عباس تمہاری بیٹی فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ اس نے تمہاری شکایت لکھی ہے۔ کہ تم اس کو لانے کے لئے نہیں گئے۔ یہ کہہ کر بے انتہا روئے اور آنسو

پوچھتے ہوئے واپس آئے (فضائل الشہداء باب ۲ فصل ۸ ص ۱۰۵)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ وہ قاصد ملائکہ میں سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جانتا تھا۔ کہ امام حسینؑ کر بلا میں ہیں۔ اور جلد سے جلد کر بلا پہنچ گیا۔ کیونکہ بشر کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اتنی جلدی کر بلا پہنچ جاتا۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۱۱۶) مولانا آغا مہدی صاحب نے بھی صحت روایت کی تائید کی ہے (شہزادہ علی اصغر ص ۱۰۸)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ ”جواب نامہ معلوم نیست کہ وادہ شدہ باشد“ کہ خط کا جواب دیا جانا معلوم نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ بقول شاعر

فاطمہ صغریٰ کے خط کا شاہ کیا دیتے جواب  
کر بلا کا واقعہ تحریر کے قابل نہ تھا  
البتہ قدرتی نامہ بر نے اپنے پروں کو خون حسین سے تر کر کے بعد شہادت مدینہ منورہ پہنچ کر شہادت حسین کی خبر دی (روضۃ الشہداء ج ۶ ص ۳۳۷)

## حضرت امام حسینؑ کا گھوڑے سے گرنا اور عباسؑ کو پکارنا

مسرح جمیں کا کرنا اپنی تاریخ چین دفتر دوم ج ۲ باب ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ جن کی بہادری کے سامنے رستم کا نام لینا تاریخ سے واقفیت کی دلیل ہے۔ کہ بلا کے میدان میں ۸ قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف فوج، دو دشمن بھوک اور پیاس، دو دشمن دھوپ اور ریگ گرم کی تپش، ان کے باوجود کمال دلیری اور انتہائی بہادری کا ثبوت دیا۔ تاریخ بتا رہی ہے۔ کہ حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ پر یورش کر دی ہے۔ اور آپ کو قتل کر دینے کی سعی پیہم میں لگے ہوئے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ واقعہ خط صغریٰ کے بعد آپ واپس تشریف لائے۔ ”دفعۃً ایک پتھر آپ کی پیشانی مبارک پر آگیا۔ اور خون جاری ہوا۔ خون پونچھنے کے لئے حضرت نے رومال نکالا تھا۔ کہ ایک تیرسہ پہلو زہر میں بجھا ہوا سینہ اقدس پر لگا۔ اور پشت مبارک کی طرف سے نکل گیا۔ اس زخم سے فوارے کی طرح خون جاری ہوا۔ اور اب حملہ کی طاقت حضرت میں باقی نہ رہی۔ اور اسی جگہ آپ ٹھہر گئے۔ یہ دیکھ کر شمر شقی پکارا۔ کیا دیکھتے ہو۔ حضرت کا کام تمام کرو۔ یہ سننا تھا۔ کہ صالح بن وہب مرنے نے حضرت کے پہلو پر نیزہ مارا۔ اور حضرت گھوڑے سے زمین پر اپنے رخسار کے بل یہ کہتے ہوئے گرے۔ ”بسم اللہ وبالله وعلیٰ ملۃ رسول اللہ“ گرنے کے بعد حضرت پتھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب درعہ ابن شریک ملعون نے بائیں شانے پر تلواریں لگائی۔

اور کسی دوسرے نے بھی تلوار ماری۔ اور حضرت پھر زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں سنان ابن انس ملعون نے حضرت کی ہنسی پر نیزہ مارا۔ پھر دوسرا نیزہ سینہ اقدس پر لگایا۔ اس صدمہ سے حضرت اٹھ بیٹھے۔ اور خون چلو میں لے کر منہ پر مل لیا۔ پھر مالک ابن نسرکندی ملعون نے سر پر تلوار لگائی (ابصار العین ص ۲۹ طبع حیدر آباد۔ خلاصۃ المصاب ص ۱۱۴) ابو جحف کا بیان ہے۔ کہ جب آپ گھوڑے سے تشریف لائے۔ ”فکسی بکساء عالیہا فسادہ“ تو ہوا واز بلند روئے اور ”واعباساہ“ عباس علمدار کو پکارا۔ اے عباس میری مدد کو پہنچو۔ اے عباس تم کہاں چلے گئے۔ کہ مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوگئی۔ (مقتل ابی جحف ص ۶۶-۳۷ ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۳۰۴)

**امام حسینؑ کا جب کوئی عضو کٹا تھا تو عباس کو پکارتے تھے**  
 علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ دشمنوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ پھر وہ وقت آیا کہ آپ کے سینے پر شمشیر سوار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ”اے شمر۔ از سینہ من برخیز کہ وقت نماز است“ اے شمر۔ میرے سینے سے اٹھ جا۔ تاکہ میں رو بہ قبلہ ہو کر نماز آخرا داکر لوں۔ شمر سینے سے اتر آیا آپ سجدے میں تشریف لے گئے۔ شمر نے پس گردن سے سر مبارک جدا کر دیا۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۷۷) ابو جحف کا بیان ہے۔ ”کلمۃ قطع عضو نادہ“ امام حسین کا جب کوئی عضو بدن کٹا تھا۔ تو آپ عباس علمدار کو آواز دیتے تھے۔ اے عباس۔ خبر لو۔ حسین مصیبت میں مبتلا ہے۔ (مقتل ابی جحف ص ۳۷۷ طبع ایران)

## خیام اہل بیت میں آگ لگ گئی اور پیہیاں حضرت عباس کو پکار رہی تھیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام خیمہ ہائے اہل حرم کی طرف متوجہ ہو گئے خیموں میں آگ لگادی اور طنابوں کو تلوار سے کاٹ دیا۔ عورتوں کے لباس اور زیورات دشمن اتارنے لگے۔ بچوں کو طمانچے مارے۔ نوک نیزہ سے اذیتیں دیں۔ عورتوں اور بچوں کی پشت پر تازیانے لگائے۔ امام زین العابدین کے نیچے جو چڑے کا ایک بستر تھا۔ اسے گھسیٹ لیا (نور العین ص ۷۴) اس وقت محذرات عصمت کی یہ حالت تھی کہ ”یلتفتن شمالاً و یمنیاً“ وہ گھبرا کر دابنے پائیں دیکھتی تھیں۔ نہ امام حسین نظر آتے تھے۔ نہ حضرت عباس دکھائی دیتے تھے۔ صاحب ریاض الاخران لکھتے ہیں کہ اس آفت کے ہنگامے میں حضرت زینب کے

حواس پریشان تھے اور وہ گھبرا گھبرا کر ”فسادات یا الحسین ویا للعباس“ اے بھیا حسین اور اے بھیا عباس۔ آؤ اور ہماری خبر لو ہم پر دشمن چھائے ہوئے ہیں اور ہمیں ستارہ ہے ہیں، مگر اللہ اکبر ان غریبوں کا نہ کوئی پرسان حال تھا اور نہ خبر گیری

عباس سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے اہل حرم کی حافظہ جنگل میں بے کسی تھی  
(ریاض القدس ج ۱ ص ۸۱ طبع ایران)

جناب سیکینہ کا عباس کو پکارنا:

حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ جب خیموں میں آگ لگی ہوئی تھی میں نے ایک بچی کو دیکھا جس کی عمر تین سال کی ہی ہوگی۔ کہ وہ ایک جانب کو دوڑ رہی ہے۔ اور اس کے دامن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور اس کے کانوں سے خون جاری ہے۔ جیسے جیسے وہ دوڑتی ہے آگ بھڑکتی جاتی ہے۔ اور وہ ان لفظوں میں فریاد کرتی ہے۔ ”یا اباہ یا عمامہ یا اخاہ“ اے بابا حسین۔ اے چچا عباس۔ اے بھائی علی اکبر۔ ہماری خبر لو۔ میں نے دوڑ کر اس کے دامن کی آگ بجھا دی اور اس سے پوچھا ”من انت یا صغیرۃ“ اے بچی تیرا کیا نام ہے۔ ”فقلت انا سکیۃ بنت الحسین“ اس نے کہا میں سیکینہ بنت حسین ہوں۔ (توضیح عزاجلس ۵۵ ص ۳۰۸)

**محذرات عصمت کی کربلا سے روانگی اور**

**حضرت زینب کا حضرت عباس کو پکارنا**

عاشورے کا دن گزرا۔ رات آئی اور اپنے مخصوص حالات کے ساتھ گزر گئی۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی آقائے در بندی لکھتے ہیں۔ کہ صبح ہوتے ہی عمر سعد نے حکم دیا۔ کہ امام حسین کے اہل بیت کو بلا حمل و کجاوہ کے ناقوں پر سوار کیا جائے۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکری آ حاضر ہوئے اور عورات بنی ہاشم کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ جلد سے جلد سوار ہو جاؤ۔ ناقے آگئے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب زینب نے فرمایا۔ عمر سعد ہم رسول مقبول ﷺ کی عزت ہیں۔ اپنے لشکریوں سے کہہ دے کہ یہ ہٹ جائیں ہم ایک دوسرے کو سوار کر لیں گے۔ اس کے بعد امام زین العابدین کے پاس گئیں۔ بیٹا چلو تم کو بھی سوار کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ بہن تم سوار ہو جاؤ۔ میرا اللہ حافظ ہے۔ حضرت زینب ناقہ کے قریب آئیں اور چاہا کہ سوار ہو جائیں۔ مگر ممکن نہ ہو سکا۔ پھر آپ نے داہنے بائیں نظر کی۔ تو زمین کربلا پر جسم اور نیزوں پر سر نظر آئے۔ ”فصرخت وقالت واخوہ و احسیناہ و اعباساہ“ یہ دیکھ کر زینب چلا کر روئیں۔ اور کہنے لگیں۔ بھیا حسین اٹھو بھیا

عباس آؤ۔ آ کر زینب کو سوار کرو۔ یہ حال ملاحظہ فرما کر حضرت امام زین العابدین اپنے مقام سے اٹھے اور کانپتے ہوئے ناقہ کے قریب آ بیٹھے اور کہا۔ پھوپھی اماں۔ آپ میرے گھٹنوں پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جائیے۔ زینب نے سوار ہونا چاہا۔ مگر امام ہار نہ اٹھا سکے۔ اور گر پڑے۔ شمر نے تازیانہ علم کیا۔ اور امام زین العابدین کے پشت پر لگایا۔ آپ رو پڑے اور زینب بھی رونے لگیں۔ اس کے بعد فضا سامنے آئیں اور انہوں نے حضرت زینب کو سوار کیا۔ پھر امام علیہ السلام کو ایک برہنہ پشت ناقہ پر سوار کیا۔ اور چونکہ وہ سنبھل نہ سکتے تھے۔ لہذا ان کے دونوں پاؤں ناقہ کی پشت سے باندھ دیے گئے۔ (اسرار الشہادت ص ۳۶۷)

**جناب ام کلثوم نعش حضرت عباس پر:**

اسی حال میں اہل حرم حسین کو لے کر دشمن روانہ ہوئے۔ روائگی کا راستہ ان دشمنوں نے قتل کی طرف سے قرار دیا۔ سرہائے شہداء آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل حرم کے ناقے تھے۔ جب یہ قافلہ قتل گاہ میں پہنچا۔ تو جناب ام کلثوم دوڑ کر نعش حضرت عباس سے لپٹ گئیں اور بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔ (مشقح الجہیز ص ۱۶۵ طبع بمبئی) غرض کہ یہ لٹا ہوا قافلہ داخل دربار کو فہ ہوا۔ اور مسجد سے متصل قید خانہ میں مقید کر دیا گیا (جلاء العیون)

## حضرت عباس کا سر گھوڑے کی گردن میں

کر بلا سے روائگی کے وقت سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔ لیکن حضرت عباس کا سر مبارک بالکل ہی چور تھا۔ اور وہ نیزے پر رک نہ سکتا تھا۔ اس لئے اس گھوڑے کی گردن میں لٹکایا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ داخلہ شام کے وقت اسے کسی صورت سے نیزہ پر بلند کیا گیا۔ قاسم ابن اصبح بن جاثہ مجاشعی کی روایت سے یہ واضح ہے۔ کہ آپ کا سر لٹکانے والا حرمہ بن کامل اسدی تھا۔ جسے آپ یوم شہادت سے اس کی تاحیات عذاب جہنم سے معذب کرتے رہے۔ انہی وجہ سے وہ سیاہ فام ہو گیا تھا۔ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ اس کے معذب ہونے کی داستان اس کی بیوی نے اپنے ہمسایوں سے بیان کی ہے۔ اور لوگوں سے اس نے خود بھی مجبوراً بیان کیا ہے۔ وہ نقاب پوش رہتا تھا۔ ”ومات علی اقبیح حال“ اور بری طرح مرا (البصار العین ص ۳۹) اسرار الشہادت ص ۳۷۔ انوار الشہادت ص ۶۲۔ مائتین ص ۴۶۰۔ کبریٰ ص ۱۱۶۔ مجالس المتقین مجلس ۹ تحفہ حسینہ ج ۱ ص ۲۴۷ و معہ ساکبہ ص ۳۳۸)

## حضرت عباس کی تدفین

علامہ اسفرائینی تحریر فرماتے ہیں کہ محرم کی گیارہویں تاریخ بوقت صبح عمر بن سعد نے اپنے تیس ہزار مقتولین پر نماز پڑھی۔ اور انہیں دفن کیا۔ (نور العین ص ۴۷) اور فرزند ابن رسول اور حامیان اسلام کے لاشے یونہی پڑے رہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام جو امام حسین کی شہادت کے بعد حجت خدا اور امام زمانہ تھے۔ وہ اسی دن کوفہ کے دربار اور پھر قید خانہ میں پہنچ گئے۔ معصوم کی نماز اور تدفین معصوم کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس لئے امام زین العابدین قید خانہ سے کر بلا واپس تشریف لائے۔ اور آپ نے تمام شہداء پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امام زین العابدین اس وقت کر بلا پہنچے جب بنی اسد وہاں پہنچ کر لاشوں کی حالت سے حیران تھے کہ کیونکر دفن کریں۔ جب آپ پہنچ گئے۔ تو آپ نے ان کی مدد سے سب کو دفن فرمایا۔ امام حسین اور حضرت عباس کی تدفین میں آپ نے کسی کو شریک نہیں کیا۔ علامہ محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین کو تنہا قبر میں اتارا۔ اور اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا رخسارہ امام حسین کی کٹی ہوئی گردن پر رکھ دیا۔ اور رونے لگے۔ پھر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی۔ اور قبر بند کر کے اپنی انگلی سے اس پر لکھا۔ یہ حسین ابن علی ابن ابی طالب کی قبر ہے۔ اس کے بعد بنی اسد کو ہمراہ لے کر شطرافات پر پہنچے۔ اور ایک بالکل پارہ پارہ لاش سے لپٹ کر رونے لگے۔ اور کہتے جاتے تھے اے قبر بنی ہاشم آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر بنی اسد کو قبر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور تنہا قبر میں اتار کر لحد بند کر دی۔ اور بنی اسد کو حکم دیا کہ دیگر دونوں لاشوں کو آپ ہی کے نزدیک دفن کریں۔ بعدہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہونے لگے۔ تو بنی اسد نے آپ کو گھیر لیا۔ اور عرض کی کہ آپ فرمائیں آپ ہیں کون؟ آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔ اور یہ فرمانے لگے کہ ”تم کو معلوم ہے کہ امام حسین کی ذریعہ کونسی ہے۔ لیکن پہلا گڑھا۔ اس میں خود امام دفن ہیں اور حضرت کی قبر کے متصل آپ کے فرزند علی اکبر کی قبر ہے۔ اور دوسرے گڑھے میں آپ کے اصحاب دفن ہیں۔ لیکن جو قبر علیحدہ بنی ہے وہ حبیب ابن مظاہر کی ہے اور جو قبر ترائی میں۔ اس جوان کی ہے جو زخموں سے چور چور تھا۔ وہ عباس بن علی کی قبر ہے۔ اور ان کے گرد و دوالشیں تھیں وہ بھی اولاد علی بن ابی طالب کی ہیں۔ یہ سب کچھ بتا کر آپ نے فرمایا کہ میں علی ابن الحسین ہوں۔ قید خانہ کوفہ سے آیا ہوں۔ اور واپس جا رہا ہوں۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئے۔ (اسراء الشہادات ص ۲۵۰ مدعہ سا کہہ ص ۳۵۵ تا ۳۶۵۔ کبریٰ ص ۱۲۸ قمر بنی ہاشم ص ۵۸۔ ناخ ۶ ص ۳۱۸)

## محذرات عصمت کا کوفہ سے روانہ ہو کر شام پہنچنا اور جناب سیکینہ اور امام زین العابدین کا عباس کو پکارنا

دربار کوفہ میں سر حسین اور محذرات کی جو توہین کی گئی۔ وہ تاریخ میں موجود ہے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ چند دن کوفہ میں گزرنے کے بعد محذرات عصمت و طہارت اور سرہائے شہداء کو امام زین العابدین کے ساتھ شام کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ یہ تباہ حال قافلہ حسینی اس طرح روانہ کیا گیا۔ کہ آگے آگے سرہائے شہداء۔ ان کے پیچھے محذرات عصمت تھیں۔ علامہ قاضی فرماتے ہیں: کہ سروں میں حضرت عباس کا سر سب سے آگے اور امام حسین کا سر سب سے پیچھے تھا (کبریٰ ص ۱۲۰) علامہ سپہر کا شانی کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان حضرات کی ردا گئی کا انداز یہ تھا۔ کہ راستے میں جا بجا جناب زینب خطبہ فرماتی تھیں جناب ام کلثوم مرثیہ پڑھتی تھیں۔ جناب سیکینہ ”نحن سبا یا ال محمد“ کہتی تھیں۔ اور امام حسین کا سر تلاوت سورہ کہف کرتا تھا (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۳۵۰) ابو جحف کہتے ہیں کہ اس قافلہ کا شام میں باب خیران سے داخلہ ہوا۔ جب جناب سیکینہ کی نظر سر عباس پر پڑی۔ جو تشعم یعنی اٹھائے ہوئے تھا تو آپ نے ”واعباساہ“ کہہ کر آواز دی۔ (مقتل ابی جحف ص ۳۸۳) دریں وقت سید سجاد ایں شعر انشاکر د

اقاد ذلیلا فی دمشق کانی من الرنج عبد غاب عنه نصیر

وجدی رسول اللہ فی کل مشہد وشیحی امیر المومنین امیر

قیالیت لم انظر دمشق ولم یکن یزید یرانی فی البلاد اسیر

ترجمہ مجھے ملک شام میں اس طرح کھینچ رہے ہیں گویا میں ایسا حبشی غلام ہوں جس کا کوئی بھی حمایتی نہیں۔ میرے نانا تمام کے رسول ہیں۔ اور میرے بزرگ امیر المومنین ان کے وزیر ہیں۔ کاش میں نہ دمشق دیکھتا اور نہ یزید مجھے شہر بہ شہر قیدی بنا ہوا دیکھتا (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۳۵۱) مقتل ابی جحف ص ۱۸۳) مقتصد یہ ہے کہ جب ان حضرات کی نظر سر عباس پر پڑی۔ تو فریاد کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل آپ کا سر نوک نیزہ پر نہ تھا۔ بلکہ گھوڑے کی گردن ہی میں معلق تھا۔ اور اب کسی صورت سے نوک نیزہ پر لایا گیا۔ اس کے بعد یزید نے جناب زینب سے دربار میں کلام کرنا چاہا۔ (روضۃ الشہداء) ایک شامی نے جناب سیکینہ کو اپنی کینری میں لینے کی خواہش کی۔ (لہوف ص ۱۶۷) نیز امام حسین کے لب و دندان کے ساتھ بے ادبی کی گئی (صواعق محرقہ) اور محذرات عصمت کو ایسے قید خانہ میں داخل کر دیا گیا جس میں کسی قسم کی کوئی چھت نہ تھی۔ جو انہیں



سردی اور گرمی سے بچا سکتی جس کا اثر ان کے چہروں پر نمایاں تھا۔ (لہوف ص ۱۶۸)

**حضرت عباس کے قتل کا اذعا:**

علامہ کثوری لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت عباس کا قتل بہت دشوار تھا۔ اس لئے یزید نے ان کے قاتل کے واسطے خاص انعام رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرہائے شہداء داخل دربارِ شام کئے گئے تو ”کان يدعى واحد واحد من بينهم انه قتله لا خذ الجائرة“ ہر شریک جنگ حصولِ جائزہ کے لئے حضرت عباس کے قتل کا اذعا کرتا تھا۔ (ماہین ص ۴۴۵)

## حضرت عباس کے گھوڑے کی وفاداری کا مظاہرہ شام میں

گھوڑے کا با احساس ہونا مسلم ہے۔ امام ابو اسحاق اسفرائینی اور علامہ قدوسی حضرت امام حسین کے گھوڑے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا گھوڑا اپنی پیشانی خون میں تر کر کے محذرات کو خبر شہادت دینے گیا۔ اس کے بعد واپس آ کر دشمنوں پر حملہ آور ہوا۔ اور حضرت کے قدموں سے آنکھوں کو ل کر نہر فرات میں جا ڈوبا۔ اب قیامت میں امام مہدی آخر الزمان کی زیرِ ران ہوگا۔ (نور العین ص ۴۷ دینا بیع المودۃ ص ۳۰۰) حضرت عباس کے گھوڑے کے متعلق صاحب حدیثۃ الاحزان لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی شہادت کے بعد عمر سعد نے آواز دی۔ ”خذوه واقبضوه“ حضرت کے گھوڑے کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ پھر یہاں سے واپس جا کر ”فأهداه الی یزید نحو الشام“ یزید کے پاس ہدیہ بھیج دیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ ”اراد ان یسکب علیہ“ یزید نے چاہا کہ سوار ہو۔ مگر اس نے سواری نہ دی۔ پھر اس نے حکم دیا۔ کہ اس جانور کو میرے اصطبل میں بطور یادگار رکھا جائے۔ چنانچہ وہ وہاں رہا۔ اور کبھی کبھی برآمد کیا جاتا رہا۔ بروایت عین البرکاء ایک دن یزید کی سواری قید خانہ کی طرف سے گزری۔ جناب سکینے نے اسے پہچان لیا۔ اور پکارا۔ وہ جانور جناب سکینے کے قریب جا پہنچا۔ سکینے اپنے بچا کو یاد کر کے روئے لگیں۔ بالآخر اسی غم میں اس نے دانہ پانی چھوڑ دیا۔ اور یزید کے اصطبل میں مر گیا۔ اور یزید نے اسے دفن کرادیا۔ (تلخیص المصیبہ ص ۲۶۵ طبع لکھنؤ)

## دمشق میں شہدائے کربلا کا ماتم اور آغوشِ ام کلثوم میں سرِ عباس

اہل حرم نے قید خانہ شام میں ایک سال گزارا۔ دورانِ قیام میں جناب سکینے نے انتقال فرمایا۔ بالآخر وہ وقت آیا۔ کہ ہندہ نے رسولِ اکرمؐ کو خواب میں دیکھا۔ اور یزید کو لعنتِ ملامت کی۔ یزید نے امام زین العابدینؑ کو دربار میں بلا کر کہا۔ کہ اب تم لوگ رہا کئے جاتے ہو۔ اب تمہاری مرضی

پر منحصر ہے۔ چاہے شام میں رہو یا مدینہ منورہ چلے جاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنی پھوپھی جان سے دریافت کر کے جواب دوں گا۔ جناب زینب اور ام کلثوم نے امام زین العابدین سے جواب میں فرمایا۔ کہ بیٹا۔ یزید سے کہہ دو کہ جب سے ہمارے اعزہ قتل ہوئے ہیں۔ ہمیں رونا نصیب نہیں ہوا۔ پہلے ہمارے لئے ایک مکان خالی کرادے۔ کہ ہم اس میں اپنے بھائی اور ان پر قربان ہونے والوں کو جی بھر کر رو لیں۔ پھر جہاں جانا ہوگا۔ چلے جائیں گے۔ یزید نے اسے منظور کیا۔ اور ایک مکان شہدائے کربلا کے ماتم کی خاطر خالی کرادیا۔ محذرات عصمت اس مکان میں اپنے اعزہ کا تم منانے اور ماتم کرنے کے لئے چلی گئیں۔ جب شام کی عورتوں کو معلوم ہوا۔ تو تمام گھروں سے عورتیں سیاہ لباس میں حاضر خانہ ہو گئیں۔ اور قیامت خیز ماتم ہونے لگا۔ اسی دوران میں جناب نے یزید سے کہلا بھیجا کہ میرے بھائی حسین اور ان پر قربان ہونے والے عزیزوں کے سر بھی دیدے۔ یزید نے سر ہائے بنی ہاشم بھجوا دیے۔ جب ان بیبیوں نے اپنے وارثوں کے سر ہائے بریدہ آتے ہوئے دیکھے۔ منہ پر طمانچہ مارنے لگیں۔ اپنے گریبان چاک کر دیے اور روتی چلتی استقبال کو دوڑیں۔ ام لیلیٰ نے علی کا سر۔ ام فروہ نے قاسم کا سر۔ رباب نے علی اصغر کا سر اپنی اپنی گود میں لے لیا۔ سنتا ہوں۔ کہ جب عون و محمد کے سر آئے۔ زینب نے منہ پھیر لیا۔ اور کہا ارے میرے بھائی کا سر لاؤ۔ صاحب بحر المصاب لکھتے ہیں پھر امام حسین کا سر آیا۔ زینب نے بڑھ کر آغوش میں لیا۔ منہ پر منہ رکھ دیا۔ فریاد و فغاں کرنے لگیں۔ آپ فرماتی تھیں۔

اخی یا ہللا غاب قبل کمالہ فممن فقدہ اضحیٰ نہاری مکملہ  
اے میرے بھائی! اے میرے چاند۔ ارے تم کمال سے پہلے زوال میں چلے گئے۔  
اور تمہارے چلے جانے سے میری امیدوں کی صبح تاریک ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عباس کا سر  
آیا۔ جناب ام کلثوم آگے بڑھیں۔ اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔  
(توضیح عز اص ۳۷۱)

اس کے بعد روانگی کا فیصلہ ہوا لٹا ہوا سامان امام زین العابدین کی خواہش پر لایا گیا۔  
جس میں حضرت عباس کا علم بھی تھا۔ جناب زینب کی اس پر جو نبی نظر پڑی۔ بے ساختہ رونے اور  
فریاد کرنے لگیں (توضیح عز ام ولفہ شیخ حسین بخش ص ۳۸۲ طبع دہلی ۱۳۲۷ھ)

## حسینی قافلہ کی کربلا کو روانگی

دمشق کے خانہ خالی میں محذرات عصمت نے سات شبانہ روز شہدائے کربلا پر نوحہ و ماتم

کیا۔ اس کے بعد ایک راہبر کی ہمراہی میں سرہائے شہداء سمیت کربلا کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ۲۰ صفر یوم چہلم کو وہاں پہنچ کر قبر مطہر کی زیارت فرمائی۔ نوحہ و ماتم کیا اور سرہائے شہداء کو جسموں سے ملحق کر کے روانہ مدینہ منورہ ہو گئے۔

اہل رہی ہے کربلا فریاد کی تاثیر سے اربعین کو ملنے آئے ہیں حرم شہید سے  
ملاحسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ امام زین العابدین کی خواہش پر تمام سران کے  
حوالے کر دیے گئے تھے۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۰۹) تاریخ ابوالفداء میں ہے۔ کہ یزید نے نعمان  
بن بشیر کو حکم دیا۔ کہ سامان سفر کر کے اہل بیت رسالت کو مدینے پہنچا دے۔ روضۃ الاحباب میں  
برہنائے۔ بعض روایات مذکور ہے کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا۔ کہ تیس سو اوروں کی جمعیت  
ہمراہ لے کر اہل بیت رسالت کو مدینہ منورہ پہنچا آئے اور جب بیسویں صفر کو یہ قافلہ کو مدینہ منورہ پہنچا  
شہداء کربلا پہنچا۔ تو امام زین العابدین نے امام حسین اور دیگر شہداء کے سروں کو ان کے بدن سے  
ملا کر وہاں دفن فرمایا۔

(تاریخ احمد ص ۳۱۴ حسیب السیر النفس المہوم ص ۲۵۳ و ریاض الاحزان ص ۵۵۵ ادناخ التواریخ)

## محذرات عصمت کا مدینہ منورہ میں ورود

### اور جناب ام البنین کا اضطراب

تاریخ کامل میں ہے کہ نعمان بن بشیر نے اہل بیت کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ کتاب  
ماخنین و ناخ التواریخ میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ روضۃ  
الاحباب میں ہے۔ کہ جب اہل مدینہ منورہ کو آمد کی خبر ملی۔ تو چھوٹے بڑے سب استقبال کے  
لئے حاضر خدمت ہوئے۔ اور ام سلمیٰ ایک ہاتھ میں وہ شیشی جس میں کربلا کی مٹی خون ہو گئی تھی اور  
دوسرے سے فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ تھامے تشریف لائیں۔

امام ابو اسحاق اسفرائینی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام سلمیٰ نے محذرات عصمت سے  
ملاقات کے بعد اس خون کو جو پیغمبر اسلام ﷺ کی دی ہوئی کربلا کی مٹی سے یوم عاشور ہوا تھا۔  
اپنے منہ پر مل لیا۔ اور فریاد کرنے لگیں (نور العین ص ۱۰۸) بعدہ محذرات عصمت روضہ رسول  
ﷺ پر تشریف لے گئیں۔ اور فریاد و فغان کرتی رہیں علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔ کہ سنانی ہستے  
ہی حضرت ام البنین جو فاطمہ صغریٰ کی جیہاداری کی وجہ سے کربلا نہ گئی تھیں۔ اس مقام کی طرف  
دوڑیں۔ جہاں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اور آپ انہی کی اضطراب کے عالم میں امام حسین سے والہانہ

محبت کے ماتحت صرف امام حسین ہی کو پکارتی رہیں۔ آپ کو اس وقت حضرت عباس وغیرہ کا خیال تک نہیں آیا۔ (ناخ التوارخ ج ۶ ص ۳۷۴)

**عبداللہ ابن عباس کا حضرت عباس کے بارے میں سوال:**

علامہ فردینی فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر ابن جزمی جو غمی شہدائے کربلا کی ستانی کے سلسلہ میں ”یسا اہل یثرب لا مقام لکم“ اس لُح پڑھتا ہوا داخل شہر مدینہ منورہ ہوا۔ تو عبداللہ ابن عباس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ اے قیامت خیز ستانی شانے والے۔ یہ تو بتا۔ کہ امام زین العابدین کے ہمراہ میرے پدر بزرگوار عباس ابن علی بھی آئے ہیں یا نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ بیٹا۔ وہ تو نہر علقمہ پر دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہو گئے ہیں۔ اب تم لباس سیاہ پہنو۔ اور نوحہ و ماتم کرو۔ ”کہ پدر نہ داری“ کہ تمہارے والد بزرگوار دین اسلام پر قربان ہو گئے ہیں۔ اور اب تم بلا باب کے ہو۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۵۸ طبع ایران)

**مدینہ منورہ میں مجلسوں کا انعقاد:**

مدینہ منورہ میں مخدرات عصمت کے پہنچنے کے بعد مجلس غم کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلی مجلس جناب ام البنین مادر عباس کے گھر منعقد ہوئی۔ پھر دوسری مجلس فاطمہ صغریٰ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر تیسری مجلس امام حسن کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر محمد حنفیہ کے گھر مجلس منعقد ہوئی۔ پھر روضہ رسول ﷺ پر مجلس منعقد کی گئی اور وہاں جو نوحہ پڑھا گیا اس کا پہلا شعر یہ تھا۔

الا یا رسول اللہ یا خیر مرسل حسینک منقول و نسلک ضائع  
اے پیغمبر اسلام اے اللہ کے رسول ﷺ اے بہترین مرسل آپ کے حسین کربلا میں قتل کر دیے گئے۔ اور آپ کی نسل ضائع و برباد کی گئی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے روضے پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد سارا مجمع حضرت فاطمہ اور امام حسن کے روضہ انور پر آیا۔ اور قیامت خیز نوحہ و ماتم کرتا رہا ابن متوج کہتے ہیں کہ اس وقت جو نوحہ پڑھا گیا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

الا نوحوا و ضجوا بالباء علی السبط الشہد بکر بلاء  
اے لوگو! نوحہ کرو اور روؤ اس قاتل عطش پر جو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۲۳۶)

علامہ کثوری لکھتے ہیں کہ نوحہ و ماتم کا سلسلہ پندرہ شبانہ روز مسلسل جاری رہا۔ اور کئی روز بنی ہاشم

کے گھر میں آگ روشن نہیں کی گئی۔ (ما تین ص ۸۰۰)

علامہ سپہر کا شانی لکھتے ہیں کہ جب عون و محمد کی خبر شہادت عبداللہ بن جعفر طیار کو پہنچی۔ تو آپ نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ کہا اور آبدیدہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک غلام مسی ابو السلاسل بولا ”ہذا ما لقینا من الحسین ابن علی“ حضور یہ مصیبت تو ہمیں حسین ابن علی کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ یہ سننا تھا کہ عبداللہ نے ابو السلاسل کو نعلین سے مارنا شروع کیا۔ اور کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میرے بچے حسین کے کام آگئے۔ مجھے رنج ہے کہ میں کیوں نہ جا سکا۔ میں وہاں ہوتا تو۔ ضرور شرف شہادت حاصل کرتا۔ (ناخ التواریخ ج ۶ ص ۳۳۶ طبع بمبئی)

## جناب ام البنین کی فریاد

جب گر بلا کا سنگین واقعہ عالم وقوع میں آچکا اور اس کی خبر جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس علیہ السلام کو پہنچی۔ تو آپ نے اسی دن سے بقیع میں آ کر فلک شکاف نالے شروع کر دیے۔ آپ کی آواز میں وہ درد تھا۔ کہ درود یوار گریہ کن نظر آنے لگتے تھے۔ کیا دوست کیا دشمن سب رو پڑتے تھے۔ سب کو جانے دیجئے۔ مروان شقی علیہ اللعن جو شقاوت دلی اور قساوت قلبی میں اپنی نظیر آپ تھا۔ وہ بھی آپ کے درد بھرے کلمات درد آگین لہجہ سے سن کر رو پڑتا تھا۔

جناب ام البنین حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے عبید اللہ کو لے کر روزانہ بقیع میں جا کر مرثیہ کی حیثیت سے اس بے تابلی سے مرثیہ کرتی تھیں۔ کہ تمام اہل مدینہ منورہ اس کے سننے کے لئے جمع ہو کر بے پناہ گریہ کرتے تھے یہاں تک کہ مروان بن حکم بھی درد بھرے نوے کوسن کر رو دیتا تھا۔

قد کانت تخرج الی البقیع کل  
یوم لسماع رثائھا اهل المدینة  
وفیہم مروان ابن الحکم فیکون  
لشجی الندبة الخ (ابصار العین  
ص ۳۹ طبع نجف اشرف۔ تحفہ  
حسینہ ج ۱ ص ۱۷۸ اسرار  
الشہادت ص ۳۳۳ ناسخ التواریخ  
جلد ۶ ص ۲۹۱ طبع بمبئی جلاء  
العیون ص ۲۰۸ ناسخ التواریخ  
جلد ۶ ص ۲۹۱ طبع بمبئی جلاء  
العیون ص ۱۰۸ مفاتیح الجنان  
ص ۵۵۰ مجالس المتقین ص ۲۷  
طبع ایران مقتل عوالم ص ۹۴ طبع  
ایران۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۷)

سچ ہے۔ ماں کا دل نہایت ہی نرم اور نازک ہوا کرتا ہے۔ جناب ام البنین جس قدر بھی گریہ کرتیں کم تھا۔ ایک تو امام حسین کی مصیبت۔ دوسرے اپنے چار بیٹوں کی بے دروانہ شہادت۔ وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن۔ کوئی وفا کا بادشاہ۔ کوئی شجاعت میں بے نظیر۔ کوئی بہادری میں بے مثل۔ کوئی فرمانبرداری میں لا جواب۔ یہ وہ اسباب تھے۔ جو جناب ام البنین کو خون کے آنسو مدتوں رلاتے رہے۔

## حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق جناب ام البنین کا مرثیہ

حضرت عباسؑ کی ماں جناب ام البنین نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابو الحسن انفخش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے۔ بطور مرثیہ پڑھے

یا من رای العباس کر علی جماہیر النقذ  
اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباس کو منتخب اور چیدہ (مڈی دل) جماعتوں پر حملہ  
آوردیکھا

ووراء من ابناء حیدر کل لیث ذی لبـد  
اور ان کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت تھے۔  
انبئت ان ابنی اصیب براسہ مقطوع ابد  
(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگ جان سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں  
ہاتھوں سمیٹ کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)

ویلی علی شبلی اما ل براسہ ضرب العمـد  
آہ۔ آہ میرے شیر کا سر گزر آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا  
لوکان سیفک فی یدک لما دنا منہ احد  
اے میرے بہادر بیٹے (اللہ تعالیٰ کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں توار ہوتی۔ تو  
تیرے نزدیک کوئی پھلک نہیں سکتا تھا۔

(البصار لعین فی انصار الحسین ص ۳۱ طبع نجف اشرف ۱۳۳۱ھ مغنی الجنان ص ۵۵۰ طبع ایران ۱۳۵۲ھ)

## مرثیہ ثانیہ

لا تدعونى ويك ام البنين      تذكرينى بليوث العربين  
ہائے اے سرزمین مدینہ منورہ کی رہنے والیو (اللہ تعالیٰ کے لئے) مجھے ام البنین کہہ کر نہ پکارو۔ اس  
لئے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آ جاتے ہیں۔

كانت بنون لى ادعى بهم      واليوم اصبحت ولا من بنين  
ارے جب میرے بیٹے تھے۔ تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی مگر انہوں نے کہ آج  
میری کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعة مثل نسور الربى      قد واصلوا الموت بقطع الوتين  
(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے جو (جماعت امام حسین میں) رگ گردن کٹا کر آغوش  
موت سے ہمکنار ہو گئے۔

تنازع الخرصان اشلائهم      فكلهم امسى صريعا طعين  
ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہو گئی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بندھنک ہو گئے تھے۔  
يا ليت شعري اكما اخبروا      بان عباساً قطع اليمين  
اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا کچ بچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباس کے ہاتھ شمشیر ظلم سے  
کاٹے گئے ہیں۔ (البصائر العین ص ۳۲ و مفاتیح الجنان ص ۵۵۰)

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق ان کے پوتے کا مرثیہ  
فضل بن محمد بن فضل بن حسن عبید اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے  
حضرت عباس علیہ السلام کا مرثیہ ان کے بعض فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حسب ذیل اشعار میں  
کہا ہے۔

انسى لا ذكر للعباس مرقفة      بکربلاء وهام القوم تختطف  
آج میں اپنے دادا عباس کے کربلا والے اس وقت کے کارنامے کو یاد لاتا ہوں جبکہ  
لوگوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں۔

يحمى السحين ويحميه على ظمأ      ولا يولسى ولا ينثى فيختلف  
وہ اس دن فرزند رسول اثنین امام حسین علیہ السلام کی بلاستی اور تردد کے عالم عیش میں بے نظیر  
جانبازی سے مدد کر رہے تھے۔

ولا اری مشهدا یوما کمشهده مع الحسین علیہ الفضل و الشرف  
امام حسین کے ساتھ رزمگاہ کر بلا میں جس طرح یہ شہید ہوئے ہیں۔ میں نے کسی اور کو شہید ہوتے  
نہیں دیکھا۔ (دراصل) ان کے لئے یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اکرم بہ مشهد ابانت فضیلتہ و ما اضاع لہ افعالہ خلف  
شہادت کی یہ وہ بہترین منزل ہے جو اپنے دامن میں فضیلتوں کی ایک زبردست دنیا بسا  
ہوئے ہے۔ اور ان کے کارناموں کو ان کے بعد والوں نے ضائع نہیں کیا۔ یعنی چونکہ وہ میرے داد  
اتھے۔ لہذا ان کا تذکرہ میرے نزدیک فریضہ سے کم نہیں۔ (ابصار ص ۳۱ طبع نجف اشرف)

## حضرت عباس کا مدفن اور کر بلا کی مختصر تاریخ

علامہ شیخ فخر الدین ابن احمد بن علی بن احمد بن طرح النبی تحریر فرماتے ہیں۔ ”اما  
العباس فانہ دفن ناحیة عنہم فی موضع المعرکة عند المنساة و قبرہ ظاہر  
علی ماہو الان“ حضرت عباس تمام شہداء سے علیحدہ پہاڑی کے قریب مقام قتل پر دفن کئے  
گئے ہیں جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (منتخب شیخ طریحی مجلس ۲ ص ۲۲ طبع بمبئی  
۱۳۰۸ھ) علامہ محمد باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں ”و دفنوا العباس بن علی فی موضع  
الذی قتل فیہ علی طریق الغاضریة حیث قبرہ الان“ بنی اسد نے حضرت عباس کو  
غاضریہ کے راستہ میں اسی جگہ دفن کیا ہے جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (بحار الانوار ج ۱  
ص ۲۲۲) یہی کچھ کتاب ارشاد شیخ مفید۔ البصائر ص ۱۲۷ تحفہ حسینیہ ج ۱ ص ۱۸۷۔ نور العین  
ص ۴۵ ہدایۃ الزائرین شیخ عباس قتی ص ۱۱ میں ہے۔ اور ابو مخنف کے علاوہ اور اہل مقاتل نے  
لکھا ہے کہ جناب عباس کے علیحدہ دفن کرنے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ آپ کی لاش پارہ پارہ ہونے  
سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی جناب عباس کی لاش اس  
مقام پر نہیں لائے۔ جہاں آپ نے اپنے خیمہ کے روبرو سب شہیدوں کی لاشیں جمع کر دی  
تھیں۔ (ترجمہ ابصار العین ص ۹۸ طبع حیدر آباد)

حضرت علامہ ہندی تاریخ کر بلا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

کر بلا مملکت بابل میں ہونے کی وجہ سے قدیم الایام سے مرکز توجہ رہا۔ تو ریت  
پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک بابل کی بنیاد اولاد حضرت نوحؑ نے ڈالی۔ طوفان نوحؑ کے بعد  
وہیں سے اولاد نوحؑ اختلاف زبان کی وجہ سے اختلاط عالم منتشر ہوئی۔ مملکت ہمیشہ سے جباروں کا



ملک تھا۔ نمرود بن کوثر بن حام نوحؑ یہیں گزرا ہے۔ جس نے سب سے پہلے بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ ارک کا کلمہ 'سُفَار' اس کے ملک تھے۔ تاریخ جب تک موجود ہے۔ سرزمین بابل کو نہیں بھول سکتی۔ اسو، نیوا، حیات، عمر، کج بڑے بڑے شہر تھے۔ جو بعد میں مملکت بابل میں داخل ہوئے..... کربلا، نیوا، غاضریہ، حیرہ، خط فرات، یہ سب وہ قطعات زمین ہیں۔ جو نیوا کے برباد ہونے پر اسی مختلف حصوں پر آباد تھے۔ یونسؑ بنی کی تصریح کی بنا پر نیوا جس کا صحیح تلفظ بکسر نون ہے۔ اس کا رقبہ تین روز کی راہ بتایا گیا ہے..... یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ جائز جہاں قبر امام حسین ہے۔ اس کو ملک حیرہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ تسمیہ میں حائیر سے حیرہ کو کوئی مذہبیت ہے۔ بلکہ متوکل عباسی کو ۲۳۶ھ میں نہر کاٹ کر قبر اقدس امام حسین کو بہادینا مقصود تھا۔ اور پانی اس مقام پر رک گیا تھا اور آگے نہ بڑھا تھا۔ اس لئے اس مقام کا "حائر" ہوا..... طف کے معنی کنارہ نہر کے ہیں۔ بصرہ سے بیت تک فرات کا کنارہ طف کہا جاتا تھا۔ اور فرات کی وجہ و شاخ جو روانہ یہ سے نکل کر کربلا کے شمال مشرقی جانب کے ریگستان سے ہوتی ہوئی حندہ کے اطراف سے گزرتی ہوئی ذوالکفل کے مغربی شمالی جانب سے گزر کر اس مقام سے گزرتی تھی۔ جہاں پر "روضہ حضرت عباس" ہے۔ اور اصل دریائے فرات میں مل جاتی ہے اس کا نام نہر علقہ تھا۔ اس نہر علقہ کے کنارے کو جس پر کربلا واقع ہے۔ "طف" کہتے ہیں۔ جو خط فرات کا واقعہ شہادت حسین میں بار بار ذکر آتا ہے۔ اور اسی نسبت سے نہر علقہ نہر فرات کی ایک شاخ تھی اور فرات بھی جاتی تھی۔ اور یہ مقام قدیم الایام سے طف اور شط فرات کے نام سے مشہور تھا۔ "پر میاہ باب ۴۴ میں رب الافواج کے لئے اتر کی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہے۔ بائیکل میں جا بجا اتر کی زمین کا ذکر آیا ہے۔ جو یروشلیم کی سمت مراد لی گئی ہے۔ اور بے شک یروشلیم کی اتر کی سمت نہر فرات ہے۔ جہاں اس ذبیحہ کی خبر دی گئی ہے۔ اور یہی ٹھیک کربلا کا محل اور مقام ہے۔ جو فرات سے غریبی سمت میں واقع ہے۔ فرات کا کنارہ پر میاہ کے زمانہ میں طف و شط فرات سے موسوم تھا۔ جواب تک اسی نام سے مشہور ہے..... غاضریہ قبیلہ بنی اسد کی شاخ بنی غاضریہ کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی قبیلہ کی جائے سکونت کا نام ہے۔ امام حسین نے انہیں سے چار ہزار درہم کی زمین خریدی تھی۔ غرض کہ مذکورہ کل نام اسی وسیع میدان کے ہیں۔ جہاں نیوا آباد تھا۔ بعد میں مختلف طبقات زمین مختلف ناموں سے مشہور ہو گئے۔ ہیضہ سب ایک ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام حسین اس زمین پر وارد ہوئے اور لوگوں سے اس زمین کا نام پوچھا۔ تو کسی نے نیوا کہا کسی نے غاضریہ اور کسی نے کربلا۔ (نبیوں کا ماتم ص ۱۰) علامہ محمد باقر قاسمی امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ کہ زمین کربلا کو عودا بھی کہتے ہیں۔ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس زمین میں قمر از ہر بھی دفن ہوگا“ میرا خیال یہ ہے کہ اس سے قمر بنی ہاشم مراد ہیں۔

(کبریٰ احمر ص ۱۱۱ طبع ایران ۱۳۳۳ھ و مرآۃ العقول ج ۱ ص ۵۱ طبع ایران)

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مقبروں اور روضوں سے متعلق بہت تغیرات رونما ہوتے رہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی کے خاص حالات مختصر لفظوں میں تحریر کر دوں۔ ”پہلی صدی میں جابر ابن عبد اللہ انصاری نے امام حسین کی قبر کی سب سے پہلے زیارت کی۔ اسی صدی میں جناب محمد ابن ابی نعیم بن مالک اشتر نے ایک مختصر حجرہ قبر اطہر پر تعمیر کرایا۔ لیکن وہ حجرہ و نشان قبر اطہر تھوڑے ہی عرصہ میں مٹا دیا گیا۔ مومنین نے ایک پیری کا درخت قریب قبر مطہر لگا کر اس امام مظلوم کی قبر کا نشان باقی وقائم رکھا۔

”دوسری صدی“ میں خلیفہ عباسی ہارون رشید نے وہ پیری کا درخت کٹا کر قبر حسینی پر ہل چلوا دیے اور یہی زمانہ شروع آبادی کربلا کا ہے۔ اس وقت بھی مومنین نے مخفی قبر مطہر کا نشان بنا دیا۔

”تیسری صدی“ یعنی ۲۳۶ھ میں متوکل شاہ عباسی نے ویرج یہودی کو بربادی قبر حسین پر مامور کیا۔ زمین پر ہل چلوائے۔ نہر فرات کاٹ کر قبر حسینی کو غرق کر دینا چاہا۔ لیکن معجزات قبر مطہر کے ظہور سے یہودی مذکور نے مکر رہے ادبی سے گریز کی۔ اسی زمانہ میں زائرین کے لئے سخت سرائیں اور بندشیں کی گئیں اور بار بار قبر اقدس کے مٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ ۲۴۲ھ میں مستنصر باللہ نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا۔ اور تجدید روضہ اقدس کی گئی۔

”چوتھی صدی“ یعنی ۳۵۲ھ میں معز الدولہ نے غزائے امام مظلوم میں عام اجازت ہی نہیں دی بلکہ فوج و ماتم و سوگواری کو ترقی دی ہے۔ ایام عزائم میں بازار بند کرائے۔ حکومت آل ایوب تک روز بروز غزائے امام میں ترقی ہوئی۔ لیکن آل لبوب نے سیرت مروان کی پیروی سے پھر سخت بندشیں عائد کیں۔ لیکن معز الدولہ و رکن الدولہ و عضد الدولہ نے روضہ ہائے مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی۔ اور شہدائے کربلا کے مزاروں کی تزئین ہوئی۔ اور امام علیہ السلام کے نام سے ایک خزانہ قائم کیا گیا اسی صدی میں کثرت سے لوگوں نے کربلائے معلیٰ کی مجاورت اختیار کی۔ اور شہر کی آبادی بڑھ گئی بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد جناب عباس اور اولاد امام موسیٰ کاظم اور اولاد جناب جعفر طیار نے کربلا کی مجاورت اختیار کی۔

”پانچویں صدی“ میں عربوں نے کربلائے معلیٰ میں تاخت کی۔ لیکن سیف الدولہ

نے حملہ سے فوج بھیج کر مفسدوں کو قتل کیا۔

”چھٹی صدی“ یعنی ۵۴۸ھ میں مسز شد خلیفہ عباسی نے خزانہ حضرت کالوٹ لیا۔ اور اپنے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔ لیکن اس لوٹ کے بعد مسز شد مع اپنے پسر کے راستے میں قتل ہو گیا۔

”آٹھویں صدی“ میں سلطان محمد خدا بندہ نے خداسوں کو روضہ اقدس کے وظائف مقرر کئے۔ ۴۵۷ھ میں سلطان احمد دلائے عراق نے عراق کو لوٹ لیا۔ لیکن امیر تیمور نے اپنی فوج لے کر مقابلہ کیا اور شکست دی اور مال عراق کا واپس لیا۔

”دسویں صدی“ یعنی ۹۱۴ھ میں شاہ اسمعیل صفوی نے روضہ مقدسہ امام اور روضہ حضرت عباس کی تعمیر کی۔ اور قندیلہاے طلائی آویزاں کیں۔ ضربتیں بنوائیں۔ اور ۹۵۷ھ میں نہر کر بلائے معلے کی تعمیر کی۔

”گیارہویں صدی“ میں عبد الوہاب نجدی نے کر بلائے معلے پر حملہ کیا۔ اور ضربت اقدس توڑ ڈالی اور قتل عام کیا۔ سلطان روم و خدیو مصر نے اپنی اپنی افواج بھیج کر اس سرکش کو شکست فاش دی۔

۱۲۶۳ھ میں حضرت سید العلماء علیین مکان جانب سید حسین صاحب قبلہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقا شیخ محمد حسن نخعی مصنف جواہر الکلام کو بھیج کر نہر آصفی تعمیر کرائی۔ اور نجف اشرف میں قتائی کنوئیں بنوائے۔ اور مبلغ تیس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقا سید ابراہیم قزوینی کو بھیجا۔ تعمیر ایوان طلائی۔ حضرت عباس کے لئے اور ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ واسطے تعمیر نہر حسینی کے ۱۲۸۲ھ میں ناصر الدین شاہ قاجار مرحوم نے روضہ اقدس کی مزید تزئین کی۔ اور ۱۲۹۵ھ میں درگنبد امام حسین پر سونا چڑھایا گیا۔ اور روضہ کی جابجا سے مرمت ہوئی۔ آئینہ بندی کی گئی۔ اور کانسی کی اینٹیں لگیں۔

”چودھویں صدی“ روضہ امام علیہ السلام اور روضہ حضرت عباس علیہ السلام کے پھاٹکوں پر دو گھڑیاں نصب ہوئیں۔ اور روضہ حضرت عباس کی توسیع ہوئی۔ اور چھوٹی چھوٹی برجیاں بنائی گئیں۔

کتاب معین الزائرین میں ہے۔ کہ ارباب ینیش کو علم ہے۔ کہ حضرت عباس کے روضے پر سونا نہیں ہے۔ یعنی جس طرح امام حسین کے روضے کے گنبد پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ حضرت عباس کے روضے پر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس امام حسین کی برابری نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی بادشاہ نے سونا چڑھا دیا تھا۔ تو وہ بار بار گر گیا تھا۔ مجھے اس کا ذاتی

تجربہ ہے کہ کمراری ضلع الہ آباد میں ۱۹۱۱ء سے ایک روضہ حضرت عباس کی تعمیر جاری ہے۔ لیکن چونکہ وہ وہاں کی کربلا سے زیادہ بلند بنایا جا رہا ہے۔ اس لئے وہ مکمل نہیں ہونے پایا۔ جب تیاری کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کا گنبد پھٹ جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے عباس۔ تم زندگی اور موت دونوں حال میں میرا پاس و لحاظ کرنے والے ہو۔ (دمعہ سا کہ طبع ایران)۔ نیز کتاب معین الزائرین ص ۳۴ میں یہ بھی ہے کہ امام حسین کے روضہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر روضہ حضرت عباس واقع ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان دورویہ دکانیں ہیں اور ایک سختی پر لکھا ہوا ہے۔ ”ہذا طریق ابی الفضل العباس“ آپ کے روضہ پر دعا کیں بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہیں۔ ص ۵۰ کتاب مہج الاخران ص ۱۶۱ میں ہے کہ حضرت ”باب الحوائج“ ہیں۔ آقائے در بندی لکھتے ہیں۔ کہ دیگر شہدائے کبار کی مانند حضرت عباس کا بدن بھی قبر میں بالکل تروتازہ قیامت تک رہے گا (اسرار الشہادت ص ۳۱۰) حاجی عبدالکریم بن خواجہ عاقبت محمود تاریخ خیمان یعنی وقائع احوال نادر شاہ قاسمی ورق ۷۵ میں لکھتے ہیں۔ کہ عراق میں حلہ کے قریب ایک مسجد ہے جس کا نام ”مسجد شعیب“ ہے۔ اس کے مینار پر چڑھ کر اگر کوئی کہے ”کہ عشق عباس جنش کن“ تو وہ حرکت کرنے لگتا ہے۔ اور بید کے مانند متحرک ہو جاتا ہے۔

## حضرت عباس کی میراث اور نسل

علمدار کر بلا حضرت عباس علیہ السلام جب شہید ہوئے ہیں تو ان کی اولاد میں عبید اللہ ابن عباس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ ان کے علاوہ ان کی والدہ جناب ام البنین یقید حیات تھیں۔ حضرت عباس کی میراث کے مالک یہی دونوں قرار پاتے ہیں۔ ان کی نسل کے بارے میں علامہ عبدالرزاق موسوی لکھتے ہیں کہ تمام علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ آپ کی نسل صرف عبید اللہ ابن عباس سے بڑھی ہے۔ آپ کا شمار بہت بڑے علماء میں تھا۔ آپ کمال اور جمال میں بہت امتیاز رکھتے تھے۔ آپ نے ۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔ آپ کے بیٹے حسن بن عبید اللہ تھے۔ جناب حسن نے ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) عبید اللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔ ”و کلہم اجلاء فضلاء ادباء“ سب کے سب عالم اجل۔ فاضل اور ادیب و ہر شے۔

۱۔ عبید اللہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس بن علی ”کان امیراً بمکہ والمدینۃ

قاضیا علیہما“ یہ امیر مکہ و مدینہ اور قاضی الحرمین تھے۔

۲۔ عباس ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس ”کان بلیغاً فصیحاً شاعراً“ یہ زبردست بلاغت اور فصاحت کے مالک تھے۔ شاعری میں بھی ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ ابو نصر بخاری کا بیان ہے کہ ”مارای ہاشمی اغضب لساناً منہ“ ان سے زبردست کوئی ہاشمی زبان کا مالک دیکھا بھی نہیں گیا۔ ”کان مکیناً عند الرشید“ وہ رشید کے پاس رہتے تھے۔ وہ ان کا بڑا اکرام کرتا تھا۔ اس کے بعد مامون کے پاس رہے۔ علویین انہیں اشعر اولادابی طالب کہتے تھے۔

۳۔ حمزہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس۔ ان کی کنیت ابو القاسم تھی۔ ”وکان یشبہ بامیر المومنین“ یہ حضرت علی سے بہت مشابہ تھے۔ مامون رشید نے انہیں ایک لاکھ درہم ارسال کیا تھا اس کے ساتھ جو خط لکھا تھا اس میں انہیں ”شبیبہ امیر المومنین“ لکھا تھا۔

۴۔ ابراہیم جردوقہ ابن حسن ابن عبیدہ ابن عباس ”کان من الفقهاء الادباء الزهاد“ یہ زبردست فقیہ۔ ادیب اور زاہد تھے۔

۵۔ فضل ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس ”کان لساناً فصیحاً شسید الدین عظیم الشجاعة“ یہ زبردست فصاحت کے مالک اور دینیات میں بہت پختہ تھے اور میدان شجاعت کے شہسوار تھے۔ لوگوں کی نظر میں آپ کی بے انتہا عزت تھی۔

(عمدة الطالب ص ۳۵۳ طبع لکھنؤ تاریخ بغداد قمری ہاشم ص ۱۳۶)

حضرت عباس کی نسل کافی پھیلی ہے۔ آپ کے کثیر نمبرگان کا ذکر کتب میں موجود ہے یہ خاص بات ہے۔ کہ آپ کی نسل میں کوئی غیر عالم شاید ہی گزرا ہو۔ آپ کی نسل کے متعلق صاحب عمدة الطالب لکھتے ہیں کہ مکہ مدینہ، مصر، بصرہ، یمن، سمرقند، طبرستان، اردن، حجاز و میاط، کوفہ، قمر (یمن)، شیراز، آمل، آذربائیجان، حیرجان، مغرب وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ آپ کی اولاد کو میرے نزدیک ”سید علوی“ کہنا چاہئے۔ اور حضرت عباس کی طرف ”اعوان کا انتساب“ کوئی اصل نہیں رکھتا۔



## خاتمہ

### حضرت عباس کی جانبازی پر صادق آل محمد کا بیان:

شیخ ابونصر بخاری مفصل ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس کی جاں فداوری اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔  
 ”جہاد مع ابی عبد اللہ و ابلی بلاء حسنا و مضی شہیدا“ میرے عم محترم حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہایت بے جگری سے جہاد کیا۔  
 اور زبردست ابتلاء کی منزل کو چھیل کر شہید ہو گئے۔

(عمدة الطالب ص ۳۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ و دومعہ ساکبہ ص ۳۲۷)

### حضرت فاطمہ کی نظر میں شفاعت امت کے لئے

#### حضرت عباس کے دونوں ہاتھ کافی ہیں:

آقائے درہندی لکھتے ہیں۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اور اہل محشر سخت حیران و پریشان ہوں گے۔ اس وقت رسول مقبول حضرت علی کو جناب فاطمہ کے پاس بھیج کر دریافت کریں گے کہ آج کے دن کے لئے تم نے کوئی ایسی چیز مہیا کر رکھی ہے جو بخشش امت کے کام آ سکے۔ اس وقت جناب فاطمہ عرض کریں گی ”کفانا لا جل هذا المقام الدان المفطوعان من ابني العباس“ ابوالحسن آج کے دن کے لئے میرے پاس فرزند عباس کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔

(اسرار الشہادت ص ۳۲۵ و جواہر الايقان ص ۱۹۲ طبع ایران۔ قمر بنی ہاشم ص ۵۹)

#### حضرت عباس کی زیارت نہ کرنے سے حضرت فاطمہ کی ناراضی:

آقائے درہندی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص کا یہ اصول تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی روزانہ دن میں تین بار زیارت کرتا تھا۔ اور حضرت عباس کی ۴۰ دن کے بعد ایک بار زیارت کرتا تھا۔ ایک شب وہ سو رہا تھا۔ کہ حضرت فاطمہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سلام کیا ”فما عرضت عنه“ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ”لا ی تقصیر منی تعرضینی“ حضور کس وجہ سے ناراض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ”مخض اس وجہ سے کہ تو میرے بیٹے کی زیارت نہیں کرتا۔ اس نے عرض کی۔ حضور میں تو دن میں تین بار روزانہ زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

”تزو رابنی الحسین ولا تزورا بنی العباس“ تو میرے ایک بیٹے حسین کی زیارت کرتا ہے۔  
اور دوسرے بیٹے عباس کی زیارت نہیں کرتا۔ عباس میرا بیٹا ہے اور میں عباس کی ماں ہوں۔  
(اسرار الشہادت ص ۳۲۵)

### شہیدان کو فرزند ان مسلم کی زبان پر حضرت عباس کا نام:

کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی ۹ ذی الحجہ کو شہادت کے بعد ان کے دونوں لڑکوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ بلا آخر وہ بچے گرفتار ہو کر قتل ہو گئے۔ جناب عبدالجید حنفی دہلوی لکھتے ہیں۔  
”ملعون حارث غلام اور بیٹے کو قتل کر کے اور بیوی کو خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر بچوں کی طرف بڑھا۔ بچے جو پہلے ہی سے سہمے۔ ڈرے اور ایک دوسرے سے چپے ہوئے تھے۔ شقی کو شمشیر بکف آتا ہوا دیکھ کر رونے لگے۔ مسلم کے بچے شاخ گل کی مانند تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اللہ پر دیسیوں پر رحم کر۔ تپیسوں پر ترس کھا۔ ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ پھر ہم کو کیوں مارتا ہے۔ اماں سنیں گی تو بہت روئیں گی۔ ماموں جان جناب امام حسین اور حضرت عباس کو معلوم ہوگا تو سر ڈھنیں گے۔ ہمیں مار کر کیا ملے گا۔ ہمیں غلام بنا کر بیچ ڈال۔ مگر قتل نہ کر مگر اس سفاک کا دل کب کھلنے والا تھا۔ (شہید اعظم ص ۹ طبع بمبئی)

### حضرت علی کی طرح حضرت عباس بروقت مدد کو پہنچتے ہیں:

ہمارا قرآنی عقیدہ ہے کہ شہدائے راہ خدا زندہ ہیں۔ اور ہمارے مسلمات سے ہے۔ کہ ہمارے مانے ہوئے معصوم اور محفوظ شہدا ہماری مدد کو بروقت تشریف لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد فرماتے ہیں۔ اپریل ۱۹۲۳ء کا ذکر ہے کہ کرذری ضلع الہ آباد میں ایک عظیم بلوہ ہوا۔ جس میں مخالف نے کہا بلاؤ حضرت عباس کو۔ آ کر مدد کریں۔ یہ کہنا تھا کہ ٹھیک اس کے سینے پر گولی لگی۔ اور وہ واصل جہنم ہو گیا۔  
(ملاحظہ ہو رونداد بلوہ کراری ۱۹۲۳ء مصنفہ سید ریاض حسین مرحوم قلمی)

### حضرت عباس کی زیارت:

پروفیسر شیخ محمد طاہر فاروقی ایم اے بحوالہ راہ وفا مصنفہ حفظ الرحمن ڈبائیوی زیر عنوان ”سفر کربلا و نجف“ لکھتے ہیں۔ ۷ دسمبر ۱۸۳۷ء مطابق ۲۴ شوال۔ صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ موٹر طے کر لیا گیا تھا۔ گیارہ بجے ٹھیک روانگی ہوئی۔ کربلا کے تصور سے دل کی جو کیفیت تھی۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے۔ ایک ایک کر کے ہر ایک واقعہ نظر کے سامنے آ گیا۔ اور موٹر میں

بیٹھے ہوئے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ریگستانی راستہ، دور تک بھڑہ اور درخت کا پتہ نہیں۔ راستے میں درختوں کی جگہ چاروں طرف گولوں کی ناہموار قطاریں ریت کے دریا، خاکی دیواریں ضرور نظر آتی رہیں کتابوں میں پڑھا تھا۔ اور سیاحوں سے سنا تھا۔ کہ اکثر ایسے گولے اٹھتے ہیں۔ جن میں قافلے تک گم ہو جاتے ہیں۔ اس کا بہت ہلکا سا نمونہ ہمیں بھی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ ”مسیب“ سے پہلے اس قدر تیز ہوا چلی کہ گرد و غبار کی وجہ سے دس قدم کے فاصلہ کی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ موٹر والے کو موٹر چلانا دشوار ہو گیا۔ چالیس میل کی رفتار دس میل سے بھی کم کرنی پڑی۔ ۵ منٹ تک یہی شکل رہی۔ ہمارے اللہ تعالیٰ کا شکر کہ آفت ناگہانی سے نجات ملی۔ تھوڑی دیر میں راستہ صاف نظر آنے لگا۔ اور موٹر پوری رفتار سے چلنے لگی۔ راستے میں دو قریبے جو اپنی آبادی کے لحاظ سے پہلے قصبوں سے زیادہ پر رونق تھے۔ ”محمودیہ“ اور ”اسکندریہ“ ملے۔ ساڑھے بارہ بجے ہم قصبہ مسیب پہنچے۔ یہ دریائے فرات کے کنارے پر دونوں طرف آباد ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ پل بنا ہوا ہے۔ یہاں ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر آبادی سے بہت دور علیحدہ جنگل میں صاحبزادگان مسلم بن عقیل کے حشرات ہیں۔ دونوں معصوم ایک گنبد میں آرام فرما رہیں۔ کربلا کے تصور ہی سے دل بھرا ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی ظلم کی پہلی تصور نظر کے سامنے جو آئی محفل دشوار ہو گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اشک آلودہ آنکھوں کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ اور دعا مانگی۔ عجیب عالم رنج میں یہاں سے رواں لگی ہوئی۔ دو بجے کے قریب اس جگہ پہنچے۔ جہاں ظلم کی انتہا ہوئی تھی حیف ہے کہ ساکنان کوفہ نے اپنے مرشد زادہ کے ساتھ وہ دعا کی۔ جس کی آج تاریخ عالم میں نظیر نہیں۔ ہم لوگ اپنا سامان میر ہاشم مزدور (معلم) کے مکان پر رکھ کر سب سے پہلے حضرت عباس کے مزار پر پہنچے مزار پر خوب رونق ہے۔ ہر وقت زیادہ مجمع یہیں رہتا ہے۔ فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی۔ اور یہاں سے سید امام حسین کے روضے پر گئے ایک ہی گنبد میں ننھے بچے اور کڑیل جوان بیٹے کو آغوش محبت میں لئے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ فاتحہ پڑھنے کے لئے اشکوں کی لڑیوں کیلکپاتے ہوئے ہاتھوں ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو سمجھالا۔ دو گانہ ادا کر کے فاتحہ پڑھی۔ الخ (نصاب اردو حصہ ۶ ص ۱۹)

### حضرت عباس کی نذر حاضری اور سبیل:

حجۃ الاسلام آقائے اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح دیگر آئمہ کی نذر ادا کرنی ضروری ہے۔ حضرت عباس کی نذر بھی ادا کرنی لازم ہے (صراط النجاة ج ۲ ص ۲۲۰) لسان الملتہ مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ کربلا کے بہتر شہیدوں میں کھانے پر کسی شہید



کی نذر نہیں دی جاتی۔ سوائے حضرت عباس کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بنیاد قائم کرنے والے قمر بنی ہاشم کی گرسنگی کی مخصوص یادگار قائم کرنا چاہتے تھے۔ اربع (راز شہادت ص ۳۳) لیکن میں کہتا ہوں کہ میت کے گھر کھانا پہنچانا سنت ہے۔ (دیکھو عروۃ الوثقی ص ۱۲۶) حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے جعفر طیار کی شہادت کے بعد ان کے گھر کئی روز تک کھانا پہنچایا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۹۹) اور یہ ظاہر ہے کہ جعفر طیار اور عباس علمدار کی شہادت میں کافی مماثلت و مشابہت ہے (فخون المصابیح طبع آگرہ ۱۳۰۹ھ) حضرت عباس کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین یقیناً اسی طرح ان کے گھر کھانا پہنچواتے جس طرح آنحضرت ﷺ نے جعفر طیار کے گھر کھانا بھیجا تھا۔ لیکن چونکہ انتہائی مجبوری کی وجہ سے وہ کھانا تو درکنار ان کے اہل بیت کو کربلا میں پانی تک نہ عنایت فرما سکے۔ بنا بریں ان کے ماننے والے اسی کی یادگار میں کھانے پر حضرت عباس کی نذر دلاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ رسم آٹھویں کو کیوں ادا کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آٹھویں ہی سے حضرت عباس کی جانفشانی حد سے بڑھ گئی تھی۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں بار بار کنواں کھودنا۔ پانی کے لئے نہر کی طرف جانا اور خود بالکل بھوکے رہنا آپ کا خاص کارنامہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی حاضری آٹھویں کو کی جاتی ہے۔ اب رہ گئی آپ کے نام کی تسبیح۔ اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ اولاً تو کربلا کے تمام پیاسوں کی یادگار میں تسبیح لگائی جانی قرین قیاس ہے۔ لیکن حضرت عباس سے اس کا اختصاص بھی مناسب ہے۔ کیونکہ حضرت عباس ہی صرف پانی لینے کی غرض سے نہر پر تشریف لے گئے تھے۔ اور طلب آب ہی میں یوم عاشورا بعد از ظہر شہید ہو گئے۔ نیز یہ کہ دریا میں داخل ہونے اور چلو میں پانی لینے کے باوجود پیاسے برآمد ہوئے تھے۔ اور مشکیزہ سیکھ لئے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ یعنی جناب سیکھ تک پانی لے جانے کی کوئی تسبیح پیدا نہ کر سکے۔ بنا بریں آپ کے نام کی تسبیح رکھی جاتی ہے۔

اک مشک کا فیض اللہ اکبر مظہر ہے چار طرف رکھی تسبیح عباس

ہدیہ بخند مت علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام

آل النبى ذریعتی وہم الیہ وسیلتی

ارجوا بہم اعطی غذا بیدى الیمین صحیفتی

(صواعق محرقة ص ۱۰۸ طبع مصر ۱۳۲۳ھ)

سید نجم الحسن تجاوز اللہ عن جرائمہ کو چہ مولانا صاحب پشاور ٹی ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ھ

## قطعات تاریخ بسلسلہ طبع جدید از حضرت ابوالکلیف کیفی سرحدی

جو ہر ملک فکرِ نجمِ حسن      بہت در مدحِ شانِ آلِ عباس  
گفت تاریخِ طبعِ نو کیفی      ذکرِ عباسِ ذوقِ اوجِ وفا

۱۹۵۶ء

ذکرِ عباسِ درسِ اہلِ وفا      مایہِ ذوقِ صاحبِ احساس  
گفت کیفی بوقتِ طبعِ جدید      سالِ تاریخِ برنمِ عباس

۱۳۷۵ھ

## از نتیجہ فکرِ جناب مولوی سید افتخار الدین صاحب کامل کراروی الہ آبادی

ہل دل نے کر کے پورا عہد و بیانِ وفا مطلع  
رہتیں محتاجِ کفنِ لاشِ شہیدانِ وفا  
ہستیاں اپنی مٹا دیتے ہیں دل والے مگر  
گر مٹی خورشیدِ محشر سے نہ کیوں ہوں مطمئن  
مقتلِ الفت میں اپنے خاکِ و خون میں لوٹ کر  
جلوہ گاہِ دوست میں آگے ہیں ہو کر سرخرو  
کشتگانِ عشق نے یوں تھلگہ میں جان دی  
اک جہاں روتا تھا دل کے استغاثہ پر مگر  
جب سواؤ شامِ غربت کی سیاہی بڑھ گئی  
گوسرد تن میں بظاہر پڑ گیا ہے تفرقہ  
وادیِ الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا  
کوئی منزل ہو۔ بیابان ہو کہ میدانِ قتال  
جسمِ نازک سے ترے ہر قطرہ تیرے خون کا  
کیجئے کامل رقم یوں سالِ تصنیف کتاب

پاک رکھا داغِ رسوائی سے دامانِ وفا  
اڑ کے لیکن پڑ گئی خاکِ بیابانِ وفا  
دوست کے آگے نہیں ہوتے پشیمانِ وفا  
آپ مخمرِ پی چکے ہیں تشنہِ کامانِ وفا  
بن گئے تصویرِ عبرتِ نقشبندانِ وفا  
ڈوب کر اپنے لبو میں نامدارانِ وفا  
بن گیا ہر ذرہ اک تصویرِ ارمانِ وفا  
اف رہے بیدردی کہ ہشتے تھے حریفانِ وذا  
ہو گیا روشن چراغِ داغِ پہنانِ وفا  
زندہ جاوید ہیں لیکن شہیدانِ وفا  
حضرت عباس ہیں خضرِ بیابانِ وفا  
ہر جگہ تو نے کیا وہ۔ جو تھا شایانِ وفا  
نصرتِ سرور میں نکلا بن کے ارمانِ وفا  
دیکھئے اس کو یہ ہے تفسیرِ آئینِ وفا

کر لو تم مقبول اس کو اے شہیدانِ وفا  
در فشاں ہو یوں تمہارا برنیشانِ وفا  
نقطہ نقطہ آبرو میں در تابانِ وفا  
رہنما جب ہو گیا خضرِ بیابانِ وفا  
ہر ورق ہے اس کا اک باب گلستانِ وفا  
سرخوں میں رنگت خونِ شہیدانِ وفا  
اور عبارت بھی ہے ایسی جو ہے شایانِ وفا  
وادئے ظلمات میں ہے آبِ حیوانِ وفا  
اور کہیں سے سطوتِ شیرِ نستانِ وفا  
اور کہیں ہے جاہ و تمکینِ سلیمانِ وفا  
جس جگہ دکھائی ہے عباس کی شانِ وفا  
انجمِ نایاب یہ تفسیرِ قرآنِ وفا

۱۳۶۱ھ

تھی ضرورت تیری دنیا کو تھا کامل انتظار  
مستند اے دوسری تفسیرِ قرآنِ وفا

۱۳۷۵ھ

دست بستہ پیش ہے یہ شمعِ وفا مطلع  
دامنِ نجم الحسنِ فیضِ محمدؐ سے بھرے  
جملہ جملہ ہے اس کتابِ معرفت کا صوفروز  
وادئے تحقیق میں آ کر نہ بھٹکے پائے فکر  
اس کی ہر ہر سطر بستانِ محبت کی روش  
جدولوں میں جو ہر رازِ فضائے کائنات  
اہلِ الفت کا عمل جس پردہ مضمونِ دلفریب  
ہے اگر دریائے عصیانی میں کشتیِ نجات  
ہے کہیں پر اس بیاں میں حلمِ فرزندِ علی  
ہے کہیں پر معرفت افزا بیانِ صبر و شکر  
فاطمہؑ بھی داد دیں گی واں کے ہر ہر لفظ کی  
مہر سے ماہِ بنی ہاشم کے کامل ہو گئی

## چاند

وہ چار چاند وفا کو لگا گئے عباسؑ

وفا کو رُوحِ حقیقت بنا گئے عباسؑ  
 جو کھو چکا تھا زمانہ وہ پا گئے عباسؑ  
 نیاز و ناز کے جلوے دکھا گئے عباسؑ  
 کہ دردِ عشق ہی کو دل بنا گئے عباسؑ  
 اشارہ چشمِ مشیت کا پا گئے عباسؑ  
 نگاہِ کون و مکاں میں سما گئے عباسؑ  
 پکارا جب دمِ مشکل تو آ گئے عباسؑ  
 بگڑ چکا تھا مقدر بنا گئے عباسؑ  
 رہِ حیات پہ چلنا سکھا گئے عباسؑ  
 تمام عالمِ ہستی پہ چھا گئے عباسؑ  
 دلِ حسینؑ میں آخر سما گئے عباسؑ  
 قریب کتنے امامت کے آ گئے عباسؑ  
 علیؑ کی جان تو زینبؑ کا دل حسینؑ کی رُوح  
 لقب یہ اپنی وفاؤں سے پا گئے عباسؑ  
 نظرِ نظر میں جوانی کی کھینچ گئی تصویر  
 قدم قدم پہ وہ جلوے دکھا گئے عباسؑ

وفا کا نام زمانے میں کر دیا روشن  
 وہ چار چاند وفا کو لگا گئے عباسؑ  
 یہ جراتیں تھیں کہ نہر فرات ٹھکرا دی  
 شجاعتوں کے وہ دریا بہا گئے عباسؑ  
 یہ جلوہ ریزیاں قائم رہیں گی محشر تک  
 وہ شمع بزمِ ولا میں جلا گئے عباسؑ  
 کٹنا کے ہاتھوں کو راہِ خدا میں ساحل پر  
 بدستِ حق پر پرواز پا گئے عباسؑ  
 ہے آستانِ وفا پر حیاتِ حوِ تجود  
 وفا کو قبلہ عالم بنا گئے عباسؑ  
 زباں پہ آج زمانے کی ہے حسینِ حسین  
 حقیقت کا وہ سکہ جما گئے عباسؑ  
 امیدِ شمرلہ شمرکہ پہ پھر گیا پانی  
 فریبِ دہر سے دامن بچا گئے عباسؑ  
 ریاضِ دہر کی رنگینیاں تصدق ہیں  
 وہ نقشِ اپنے لہو سے بنا گئے عباسؑ  
 نظر اٹھی نہ کسی پیکرِ حسین کی طرف  
 نگاہِ شوق میں کچھ یوں سا گئے عباسؑ  
 علم کو لے کے چلے ہیں حسین سے آگے  
 خدا ہی جانے کہ کیا رتبہ پا گئے عباسؑ

ہے آج تک بھی تو نہر فرات پر قبضہ  
 وہ نقش موجوں کے دل پر بٹھا گئے عباس  
 رسولؐ خوش ہیں علیؑ شاد فاطمہؑ مسرور  
 کچھ ایسی شانِ شہادت دکھا گئے عباس  
 نشانِ ملتِ بیضا پہ نامِ نامی ہے  
 جہانِ ملتِ بیضا پہ چھا گئے عباس  
 اجلؑ نے چوم لیا بڑھ کے دست و بازو کو  
 وفا کی منزلِ آخر میں آ گئے عباس  
 ہے دل میں خدمتِ آقا کا آج تک جذبہ  
 حسینؑ کو جو پکارا تو آ گئے عباس  
 یہ روشنی تھی نہ احسانِ بزمِ عرفاں میں  
 خراجِ عشق کی وہ کو بڑھا گئے عباس



### قطعہ

اب آل مصطفیٰ کا حشر تک ماتم بچا ہو گا  
قیامت تک شہیدانِ وفا کا تذکرا ہو گا  
زباں پر نام عباس جری آئے گا اے زائد  
زمانے میں جہاں بھی، جب کبھی ذکرِ وفا ہو گا

زاہد فتح پوری

### قطعہ

دوش پر عباس غازی کا علم رکھتے ہیں ہم  
دل میں ہر دم کربلا والوں کا عم رکھتے ہیں ہم  
آزماتا ہو جسے بھی آزما لے اے نظر  
آج بھی باطل سے ٹکرانے کا دم رکھتے ہیں ہم

حسین نظر

### قطعہ

وادی کرب و بلا میں جب قدم رکھتے ہیں ہم  
ہر قدم پر اپنی پیشانی کو خیم رکھتے ہیں ہم  
یا علیؑ یا حضرت عباسؑ یا مولا حسینؑ  
بس یہی نعرہ زبان پر دمدم رکھتے ہیں ہم

حسین نظر